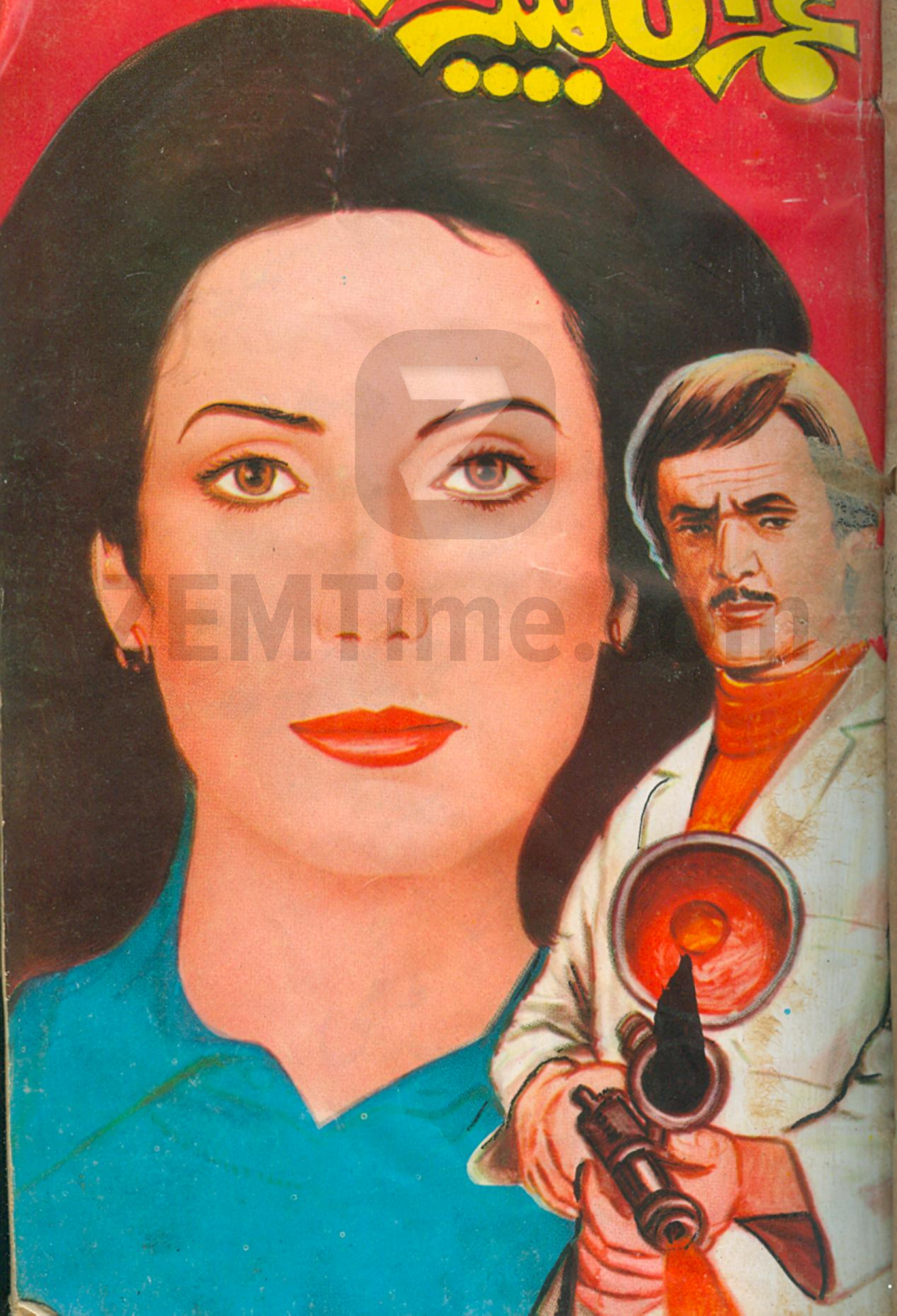


# عجائبیہ





# نغمہ صفی کی اہم ان سیریز

مکمل ناول

## غفریت

مصنفہ — نغمہ صفی  
قیمت — 21 روپے

خط و کتابت کا پتہ



ایوب اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ — لیاق آباد — کراچی ۱۹

حیدرآباد دکن میں قائم مصنف محفوظ ہیں۔ اس ناول کے تمام نام مقام کردار  
واقعات اور تشبیہ دہانے والی چیزیں فرضی ہیں کسی سے مطابقت محض  
التفادیر ہوتی ہیں۔ مصنف پر مشورہ پبلیشرز ناشر یا ادارہ ذمہ دار  
نہیں۔

اس ناول کو نسل کر کے چھاپنے فلانے یا طبع ڈالنے کے لئے استحقاق رکھنے  
والے مصنف کی تحریر پر احاطہ ہوتا ہے۔ اس کتاب میں اس قدر غلطیاں  
گی۔ استحقاق رکھنے والے مصنف کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ

فضلی سنز آف سٹ پریس اردو بازار  
کراچی میں چھپی

خلو کتابت کا پتہ

ایڈیٹر ایڈیٹر کی بیانت آباد کراچی

## پیش لفظ

نہ صفحے کا ایک اور تیس سے بھر لو  
ناول پیش خدمت ہے اس سے پہلے آپ  
نہ صفحے کے ناول برادرز کلب، کلب کا ہنگامہ  
گینگ لیڈر، غمناک ٹیکس اور دوسرے ایک سو سے  
زیادہ ناول پڑھ چکے ہیں۔ "عرفیت" نہ صفحے کا  
ایک شاہکار ناول ہے۔ ایسا ناول جسے پڑھنے کے  
بعد آپ غمناک دراز تک اسے نہیں چھو سکیں گے۔  
اس سے پہلے ایکشن ہے اور ایک سب سے بھی  
اسرار و سرخ ہے اور قہقہے بھی ایلنے ایلنے  
سب چیزوں کے ساتھ مقصدیت بھی ہے۔ "انے  
بھی ہے اور بے جا قہقہے و غارت گری سے نہ بھر  
نے دامن ہے بجا کر رکھا ہے۔ "انے نام کا ناول  
ہے نہ یہ ہے جو ایکشن رکھتا ہے نہ کہ  
ناول ہے نہ کہ اس کا سبب ہے نہ کہ یہ  
اور قاری کو محض یہ ٹھکانا ہی سمجھتے ہوئے اس کا  
مقصد اور بے مقصد ایکشن سے بھر کر کتابت دے  
اتھبتے ہیں کہ بے اختیار مار لیا۔  
"عرفیت" پڑھنے اور خود بھی دیکھ  
لیجئے کہ یہ سب کہاں تک درست ہے

"ادارہ"



# ایسٹ قریشی

کے سامنے کے صفحہ پر دیتے گئے سارے ناول اب

کراچی بک ڈپو - ۲۸ - اردو بازار پر مل سکتے ہیں

Shahen  
Laboratory

سہراب پور،

جنوب میں ایک خود مختار ریاست تھی۔ ریاست زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے وہ دنیا کی ان چند اہم ریاستوں میں شمار ہوتی تھی۔ جنہیں بنیادی طور پر براعظموں کے ستون ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے علاوہ ریاست سہراب پور پلاٹینم کی کانوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور تھی۔ یہاں کی کانوں سے نکلنے والا پلاٹینم اپنی قسیم کا واحد اور بہترین پلاٹینم کہلاتا تھا۔

یہاں کے بلند و بالا پہاڑوں کے دامن میں بنجر اور بے آب و گیاہ زمین کا سینہ چیر کر سہراب پور کے جھاکش باشندوں نے دنیا کی انتہائی قیمتی دھات دریافت کی تھی۔ اس ضمن میں پرنس شکیل کی گراں قدر خدمات، قابلِ تعریف ہی تھیں۔

جنھوں نے سہراب پور اسٹیٹ میں پلاٹینم کی موجودگی کا پتہ چل جانے کے بعد اپنی مثال جو جدوجہد اور انتھاک محنت سے کھدائی کے کام کو آگے بڑھایا تھا۔

اس کام کے لئے انھیں بہت سے مشکل ترین مراحل سے بھی گزرنا پڑا تھا۔ کانوں کی کھدائی کے لئے اُن کے پاس افرادی قوت کی کمی نہیں تھی۔ لیکن جدید ترین سائنسی آلات اور مشینری کے لئے سرمائے کی فراہمی اور فنی ماہرین جیسے اہم اور پیچیدہ مسئلوں

# ایس قریشی کے اب یہ ناول مل سکتے ہیں

|       |                        |      |                |      |                 |
|-------|------------------------|------|----------------|------|-----------------|
| ۲-۰۰  | ایجنٹ سیون             | ۶-۰۰ | خط ناک آدمی    | ۹-۰۰ | عمارت میرپور    |
| ۲-۰۰  | سیکریٹ روس (کپٹن پرود) | ۶-۰۰ | دھوئیں کے شکار | ۹-۰۰ | گولڈن سن        |
| ۲-۰۰  | ڈیجیٹل آف ٹولول        | ۶-۰۰ | سبارہ کی تباہی | ۹-۰۰ | نورانی          |
| ۲-۰۰  | خط ناک مہم             | ۶-۰۰ | پہاڑی کا نغمہ  | ۹-۰۰ | نورانی          |
| ۲-۰۰  | بلائیڈ سپاٹ            | ۶-۰۰ | موت کا جزییرہ  | ۹-۰۰ | سنگ بھکی واپسی  |
| ۲-۰۰  | برمود کی موت           | ۶-۰۰ | پیارا آواز     | ۶-۰۰ | موت کا سایہ     |
| ۶-۰۰  | مڈل ایکٹ               | ۶-۰۰ | لامبوتی آواز   | ۶-۰۰ | نیل اشیا        |
| ۶-۰۰  | ملک پاور               | ۶-۰۰ | آئینی چہرہ     | ۶-۰۰ | X شعلے کا شکار  |
| ۶-۰۰  | ملک ناوس               | ۶-۰۰ | ملک ڈیجیٹ      | ۶-۰۰ | X پراڈمی        |
| ۶-۰۰  | دندہ کی واپسی          | ۶-۰۰ | ایجاد کی تیوری | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۶-۰۰  | سورجنگ                 | ۶-۰۰ | آگ بابا        | ۶-۰۰ | دور کی کتب خانہ |
| ۶-۰۰  | برفانی جہنم            | ۵-۵۰ | پراسرار آگ     | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۶-۰۰  | اصلی جہد               | ۵-۵۰ | بد صورت فتنہ   | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۶-۰۰  | بے چین دشمن            | ۵-۵۰ | ملک سرکل       | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۶-۰۰  | سیاہ کچھو              | ۹-۵۰ | روڈ ٹو ڈیجیٹ   | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۶-۰۰  | بلیو پرنٹ              | ۹-۵۰ | نیل نشان       | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۱۰/۵۰ | مہنگائیوں کا موجد اول  | ۲-۰۰ | ملک وومن       | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۱۰/۵۰ | نات کرل دوم            | ۲-۵۰ | ملک ناٹ        | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۱۰/۵۰ | نات کرل اول            | ۲-۵۰ | نیل آرٹ        | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۱۰/۵۰ | دوم                    | ۲-۵۰ | نیل آرٹ        | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۲-۰۰  | صل آف ڈیجیٹ            | ۲-۵۰ | نیل آرٹ        | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۱۲-۰۰ | موت کا شہر             | ۲-۵۰ | نیل آرٹ        | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۲-۵۰  | خط ناک موٹر            | ۲-۵۰ | نیل آرٹ        | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۲-۵۰  | آپریشن سپاٹ            | ۲-۵۰ | نیل آرٹ        | ۶-۰۰ | مختار مصور      |

موجود تعداد میں موجود ہیں۔ آج ہی طلب کیجئے کراچی میں  
کراچی بک ڈپو - ۲۸ - اردو بازار کراچی سے طلب کیجئے

ایوب ایڈمی بیات آباد کراچی ۱۹



سے نمٹنا۔ ایک کارنامہ ہی تھا۔

یہ بات بھی سہراب پور اسٹیٹ کے رہنے والوں پر روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ پرنس شکیل نے اپنے والد پرنس امین کی وفات کے بعد کتنے سنگین بحران کے درمیان عمانِ حکومت سنبھالی۔ انتظامی امور میں اقربا پسند اور جی حضور قسیم کے لوگوں کے گھس آنے کی وجہ سے اسٹیٹ کی انتظامیہ تقریباً ناکارہ ہو کر رہ گئی تھی۔ کیونکہ انتظامیہ میں اکثر لوگ ایسے تھے جو کسی قابلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی افسر سے رشتہ داری کے سبب یا بڑی بڑی رشوتیں دے کر ملازم ہوئے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کی اکثریت کی وجہ سے ریاست ایک طرف معاشی زبوں حالی کا شکار تھی۔ اور دوسری جانب ان کی نااہلی کے سبب کاروبارِ سلطنت بالکل ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔

پرنس شکیل کے والد پرنس امین نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اُن مسائل کو سلجھا سکیں جو بہت زیادہ گہرے چکے تھے لیکن اس طرح اُن کی اپنی تمام کوششیں رائیگاں ہی گئیں کہ۔ مفاد پرست ٹولہ جو اپنے ذاتی مقاصد کیلئے ملک و ملت کے نقصان کا بھی خیال نہیں کرتا۔

دوستوں کی شکل میں دشمن۔ اور انسان کے روپ میں فرشتے کس جگہ موجود نہیں ہوتے پرنس امین کی ہر ممکن کوشش کے باوجود انسان نما بھیڑیوں کا پھیلایا ہوا فتنہ اثر دکھانے لگا سازشوں کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

چار دیواری کی سازشوں نے زور پکڑ لیا۔ اور بالآخر یہ سازش اور محلاتی سازشیں رنگ لائیں۔ پرنس امین کو اُن کی خواب گاہ میں کسی اندیکھے قاتل نے قتل کر دیا۔

پرنس امین کے قتل کے بعد اصولی طوع پر اُن کے دونوں بیٹے، پرنس شکیل اور پرنس عقیل، سہراب پور اسٹیٹ پر حکومت کے حقدار تھے۔ پرنس شکیل کا حق بڑے ہونے کے ناطے تخت پر پہلے تھا لیکن یہاں بھی سازشوں کی چالیں کامیاب ہو گئیں اور پرنس شکیل کی جگہ پرنس عقیل کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ پرنس عقیل کسی بھی صورت میں اسٹیٹ پر حکومت کرنے کا اہل نہیں تھا۔ دوسرے اس کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ بڑے بھائی کا حق مارا گیا ہے۔

ریاست کے پیچیدہ مسائل اور جی حضور یوں میں گھر کر پرنس عقیل اپنے اند جو کچھ صلاحیتیں تھیں وہ بھی کھو بیٹھا۔ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے حق میں حرفِ شکایت زبان پر لائے بغیر بخوشی تخت سے دست بردار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر چکا تھا۔ لیکن ریاست کی زبوں حالی اور چھوٹے بھائی کی انتہا کو پہنچی ہوئی مشکلات اس کے دل میں کاٹنا بن کر چبھنے لگتیں۔ وہ بے اختیار بھائی کو سمجھاتا زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتا۔ خوشامدیوں سے دُور رہنے کی تلقین کرتا اور چھوٹے بھائی کو مجبور اور بے بس پا کر خاموش ہو کر واپس چلا آتا۔ پرنس عقیل کی نادانیوں کے سبب مفاد پرستوں نے خوب خوب قائدہ اٹھایا۔ عام آدمی کی زندگی اجیران ہو گئی۔ معاشی حالت کی پسماندگی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

پرنس عقیل نے جب دیکھا کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں تو اس نے چھت کے کٹدے میں رسی کے ذریعے پھندہ لگا کر۔ خودکشی کر لی۔ اور مرنے سے پہلے پرنس شکیل کے حق میں اسٹیٹ کے تخت سے دست بردار ہو گیا۔



ہو گیا۔ دولت کی فراوانی نے ریاست کے جو علاقے بنجر اور غیر آباد پڑے تھے۔ انہیں خوبصورت نخلستانوں میں تبدیل کر دیا۔ خوبصورت کشادہ سڑکیں سر بفلک عمارتیں، پھلوں کے بیشمار باغات نے ریاست سہراب پور کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ جہاں اسٹیٹ میں اقتصادی اور معاشی طور پر انقلاب آفرین تبدیلیاں ہوئیں وہیں پرنس شکیل نے سرحدوں کی حفاظت کا معقول بندوبست کر کے اپنی زمین میں چھپے ہوئے بیش قیمت خزانوں کو دیگر حرصیں ممالک سے کسی حد تک محفوظ کر لیا۔ اس ضمن میں انھوں نے عمان کے ملک کے جنگی ماہرین کی خدمات حاصل کیں اور جدید ترین ہتھیاروں سے اسٹیٹ کی افواج کو مسلح کر دیا۔

وہ ایک بہت ہی خوشگوار صبح تھی۔ ریاست کا مرکزی شہر نیند سے پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے روز مرہ کے معمولات میں مشغول ہو گئے تھے۔

ریاست کی واحد بندرگاہ پر جہازوں سے مال اتارنے اور چڑھانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ گودی سے ذرا فاصلے پر بنی ہوئی مختلف چیک پوسٹیں اپنا کام شروع کر چکی تھیں۔ اچانک سمندر کی پرسکون موجوں میں طلسم پیدا ہو گیا اُن میں اتنی سرکشی آگئی کہ وہاں پر لنگر انداز جہاز تنکوں کی طرح ڈولنے لگے۔ لوگ برتھ پر کھڑے سراسیمہ انداز میں سمندر کے اس نئے رُوپ کو دیکھ رہے تھے۔ پور ٹرسٹ کی انتظامیہ کے کارکنوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نئی افتاد سے کیسے نمٹا جائے۔ سمندر کی موجوں میں اس طرح خونخاک ہلچل مچ رہی تھی جیسے کوئی نادیدہ ہاتھ اس میں کار فرما ہو۔

پرنس شکیل نے جب اقتدار سنبھالا تو ایک جانب مرحوم بھائی کا غم اور دوسری جانب محلاتی سازشوں کا جال تیسری جانب معاشی اور اقتصادی مسائل اور چوتھی جانب پڑوسی ممالک کی ریشہ دوانیاں۔ اُن کے سامنے چیلنج کی صورت میں کھڑی تھیں۔ انہیں اسٹیٹ کی زبوں حالی اور اپنی نازک پوزیشن کا پورا پورا احساس تھا۔

وہ ان تمام مسائل سے نمٹنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے سینہ سپر ہو گئے اُن کی مخلصانہ اور بے باک قیادت کے سبب جلد ہی اسٹیٹ پر سے تاریکی کے بادل چھٹنے لگے۔ انھوں نے ایک جانب انتظامیہ کو بدعنوانی سے عناصر سے پاک کیا اور دوسری جانب ریاست کو جدید خطوط پر چلانے کے لئے مختلف انتظامی امور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیئے جن میں اس کی پوری صلاحیتیں موجود تھیں۔ ریاست کے عوام میں آہستہ آہستہ خود اعتمادی پیدا ہونے لگی اور وہ پرنس شکیل کی قیادت میں آہستہ آہستہ ترقی کے راستے پر چلنے لگے۔ سونے پر سہاگر ریاست کی قسمت کا ستارہ اس وقت پوری آب و تاب سے چمک اٹھا جب ریاست میں پلاٹینم کے ذخائر کا پتہ چلا۔

پرنس شکیل نے پلاٹینم کے ذخائر کا پتہ چلتے ہی اپنی زیادہ تر توجہ اسی جانب مبذول کر دی۔ پہاڑوں کو کھود کر پلاٹینم نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ریاست کے جفاکش لوگوں نے اپنی انتھک محنت کے ذریعے اس کام کو بھی آسان بنا لیا تھا۔

پلاٹینم کی دریافت کے بعد ریاست کی ترقی میں حیرت انگیز طور پر اضافہ



ڈولتے جہازوں کو اُن کا عملہ قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جہازوں میں موجود اجناس و دیگر اشیاء نہایت بے ترتیبی سے سمندر اور ہاربر پر گر رہی تھی۔ افراتفری کا عالم اپنے عروج پر تھا۔ لیکن ایک سخت ماحول پر سکون چھا گیا۔ جس کی نظر بھی سمندر کے اس حصے پر پڑی۔ جہاں سے ایک دیو ہیکل بلا سر اُبھار رہی تھی۔ وہ حیرت زدہ اور گنگ سا ہو کر اسی جانب ہلکی باندھے دیکھنے لگا۔ جو ابھی تک اس مہیب بلا کو دیکھ نہیں پائے تھے اپنے ساتھیوں کو اس جانب دیکھتا پا کر اُن کی نظریں بھی غیر اختیاری طور پر اسی جانب اُٹھ جاتیں اور وہ بھی سکتے کی حالت میں اس جانب دیکھنے لگتے۔

موجوں کے بے پناہ فتور میں بندرگاہ پر جہازوں سے گرتی ہوئی بے شمار اشیاء کی آوازوں نے قیامت برپا کر دی تھی۔ لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر ہاربر پر موجود ہر شے نہایت حیرت اور دہشت کے عالم میں ہلکی باندھے اس بلا کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

وہ سمندر کا سینہ چیرتا ہوا اُبھر رہا تھا۔ سمندر میں شدید ارتعاش اسکے لمبے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ جنہیں وہ پانی میں ادھر سے ادھر حرکت دے رہا تھا۔ اسکا سر بلاشبہ ایک بڑی قبیل کے مانند تھا۔ جس پر ہر جانب گہرے سیاہ بال ہی بال نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں قدرے چھوٹی لیکن انگاروں کی طرح دکھ رہی تھیں۔ ناک کی جگہ صرف اُبھار سا نظر آ رہا تھا۔ جبکہ اسکا منہ بہت بڑا تھا جس میں سے جھانکتے ہوئے سفید سفید نوکیلے دانت بہت بھیانک معلوم ہو رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پانی سے باہر آ رہا تھا چہرے کی مناسبت

سے اسکا سینہ بھی کافی سے زیادہ کشادہ تھا۔ ہاتھوں کی طرح ٹانگیں بھی کافی لمبی تھیں ہاربر سے پچیس گز کے فاصلے پر وہ پوری طرح پانی سے باہر آ گیا۔ گو وہ اس وقت سمندر ہی میں تھا لیکن سوائے ٹخنوں کے اسکا تمام جسم پانی سے باہر تھا۔ اسکا قد اندازاً کم و بیش چالیس فٹ کے لگ بھگ تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھیں ہاربر پر جمع ہجوم پر لگی ہوئی تھیں۔ جو خوف و دہشت سے ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ دیو ہیکل عفریت "عف عف" کرتا کرتا رے پر آ رہا تھا۔ اسکے قدموں کے ارتعاش سے پانی میں بے شمار بھنور پڑ رہے تھے، لہروں کی شدت میں اضافے کے باعث بڑے بڑے جہاز تنگے کی مانند ڈول رہے تھے۔ کئی ایک چھوٹے جہاز اور لائیں تو ان طوفانی موجوں کی تاب نہ لا کر کب کی سمندر برد ہو چکی تھیں۔

بندرگاہ سے دس گز کے فاصلے پر یو، این کا ایک بڑا مال بردار جہاز کھڑا تھا۔ دیو ہیکل عفریت "عف عف" کرتا ہوا اس جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور ہاربر پر موجود لوگ خوف و دہشت سے چلاٹے ہوئے بھاگے۔ اس خوفناک عفریت نے سینکڑوں ٹن وزنی اس جہاز کو کسی پلاٹک کے کھلونے کی طرح اٹھا کر پانی پر دے مارا تھا۔ سمندر میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ ڈوبنے والے جہاز کی لہروں کی زد میں آ کر کئی جہازوں کو شدید نقصان پہنچا۔

یو، این کے جہاز کو سمندر میں دے مارنے کے بعد وہ گوریلا نما عفریت اب خشکی پر پہنچ چکی تھی۔ لیکن گودی پر موجود تمام لوگ فرار ہو کر بندرگاہ



کی حدود سے دھڑا دھڑا باہر نکل رہے تھے۔ خشکی پر آنے کے بعد اس گوریلا نما عفریت نے اپنی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں سے ہاربر پر موجود بکھرے ہوئے سامان کو دیکھا۔ اور انہیں اپنے وزنی پیروں سے روتا ہوا بندرگاہ سے باہر جانے والے راستے پر آگیا۔

منوں وزنی بھاری فولادی سامان اور مختلف اشیاء اسکے پیروں کے نیچے آکر پلاسٹک کے کھلونوں کی طرح ٹوٹ رہی تھی۔

وہ عفت عفت کی آواز منہ سے نکالتا اپنے سیاہ بالوں بھرے سینے پر ہاتھ مارتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کے وزنی پیروں کی دھمک سے خوفناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

آخری چیک پوسٹ کے قریب سے گذرتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ گھمایا۔ دوسرے ہی لمحے چیک پوسٹ لمبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی قریب ہی کھڑی ہوئی تین کاریں اسکے پیروں تلے آکر پچک کر زمین سے لگ گئی تھیں۔

اس اثناء میں بندرگاہ کی حدود کو چاروں جانب سے بڑی اور بھری افواج کے دستوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔

جیسے ہی وہ گوریلا نما عفریت تباہی پھیلاتی باہر آئی۔ سینکڑوں مشین گنیں ایک ساتھ گر جیں۔ ہزاروں کی تعداد میں گولیاں اسکے جسم کو لگیں۔ اسکے جسم نے ایک جھٹکا کھایا اور بس۔

وہ خوفناک انداز میں فوجیوں کی جانب بڑھا۔ گولیاں رٹ کے چھروں

ہی کی طرح اسکے جسم سے ٹکرا کر زمین پر گری گئیں۔

لیکن فوجیوں کی اس حرکت نے اس کے اشتعال میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اس نے منہ سے عفت عفت کی آواز نکالتے ہوئے اپنا طویل و عریض ہاتھ بڑھایا اور قریب کھڑے ہوئے دو فوجی اسکے ہاتھ میں پلاسٹک کے کھلونوں کی طرح آگئے۔ اس نے انہیں اپنے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے غصیلی نظروں سے گھورا۔

دوسرے ہی لمحے اس کا بھٹا سا منہ کھلا۔ اور دو بد نصیب انسان اسکا لقمہ بن گئے۔ اس نے نہایت اطمینان سے اُن کی ہڈیاں چبائیں اور وہی کو چیتھڑوں کی صورت میں زمین پر خٹوک دیا۔

کمانڈر نے جب یہ دہشتناک منظر دیکھا تو فوجیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ اسکے چاروں طرف گھیرا وسیع ہوتا گیا۔ وہ نہایت آزادی سے گے بڑھنے لگا۔ پورٹرسٹ کی عمارتیں اسکے سامنے کھلونوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ کلاک ٹاور کی سائٹ، منزلہ عمارت اسکے شانوں کے برابر محسوس ہو رہی تھیں۔

فوجیں بدستور پیچھے ہٹ رہی تھیں اور وہ گوریلا نما عفریت نہایت سہولت اور آسانی سے اپنی راہ میں آنے والی ہر روکاوٹ کو دور کرتی متواتر گے بڑھ رہی تھی۔

کمانڈر نے وائر لیس کے ذریعے بکتر بند گاڑیوں کو طلب کر لیا تھا۔ تیزی سے پیدل فوجیوں کی جگہ پوزیشن سنبھال رہی تھی۔



لفظ ثابت ہوا۔ دھوئیں کے باد، جیسے ہی چھٹے اور آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں۔ دیکھنے والوں کے لئے یہ نظارہ باعث حیرت رہا تھا۔ وہ ہنوز اپنی جگہ موجود تھا۔ اور اپنی آگ برساتی آنکھوں سے بکتر بند گاڑیوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے ساکت جسم میں حرکت ہوئی وہ آگے بڑھا اور اس نے ایک بکتر بند گاڑی کو اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور کسی ہلکی پھانکی شے کے مانند اُسے کلاک ٹاور کی عمارت پر دے مارا۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور کلاک ٹاور کا وہ حصہ منہدم ہو کر زمین پر آ رہا۔ پھر تو اس پر جیسے دیوانگی طاری ہو گئی وہ یکے بعد دیگرے کئی گاڑیوں کو اسی طرح اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا۔ بکتر بند دستے کے کمانڈر نے بلا تاخیر اپنی گاڑیوں کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ہاتھوں کی دسترس سے دور نکل گئیں۔ لیکن گوریلا نما عفریت کا غصہ فرو نہیں ہوا تھا۔ وہ ”دھپ دھپ“ کرتا کلاک ٹاور کی عمارت کے قریب پہنچا۔ اور اسکے ہاتھوں کے زور دار تھپیڑوں نے پلک چھپکتے میں سائت منزلہ عمارت کو زمینی بوسہ کر دیا۔ پورٹرسٹ کی حدود میں ہولناک تباہی پھیلانے کے بعد اب اسکا ٹیخ شہر کی طرف تھا۔ لوگوں کا ہچک و پھک نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ فوجی حکام اور سول حکام پورٹرسٹ کی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ مل کر اُسے شہر کی طرف جانے سے روکنے کیلئے عزم کر رہے تھے۔ وہ بڑی حیرت سے اس پہاڑ نما گوریلا کو شہر کی جانب بڑھتے دیکھ رہے تھے جسکے جلو میں ہزاروں طوفان ہوشیار تھے اور وہ ان سب سے لاپرواہ دھب دھب کرتا شہر کی سمت بڑھا چلا جا رہا تھا۔

کیونکہ گوریلا نما عفریت کے پورٹرسٹ کی حدود سے نکلنے پر وسیع و عریض جانی و مالی نقصان کا خطرہ تھا اس لئے اعلیٰ فوجی حکام نے باہمی مشورے سے دوبارہ اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اب کہ پیدل فوجیوں کی بجائے بکتر بند گاڑیوں نے کارروائی شروع کی۔ جن پر میڈیم سائز کی گنیں لگی ہوئی تھیں۔

گھیرا لفظ بہ لفظ تنگ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ گوریلا کو بڑھنا مشکل گیا۔ وہ ٹھٹھک کر رُکا۔ اور بغور قریب آتی ہوئی بکتر بند گاڑیوں کو دیکھ لگا۔ اس کے انداز میں ایک استعجاب تھا۔ وہ اپنے چاروں جانب بڑھ رہی ہوئی گاڑیوں کو اس طرح دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے بچے اپنے چاچا کے کھلونے کو دیکھتے ہیں۔ حقیقتاً بکتر بند گاڑیاں اس کے سامنے چپا کے کھلونے ہی معلوم ہو رہی تھیں۔

اچانک فائر کی آواز گونجی۔ اور تمام بکتر بند گاڑیوں سے ایک سا بڑے بڑے شعلے نکل کر اسکی طرف لپکنے لگے۔ بے پناہ فائر کے باعث ارد گرد کی فضا دھوئیں اور بارود کی بو سے بھر گئی۔ کشیف دھوئیں وجہ سے اتھ کو اتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

بکتر بند گاڑیوں سے تقریباً دس منٹ تک متواتر فائرنگ ہوتی اور پھر اچانک خاموشی چھا گئی فائر رُک گیا۔

دھوئیں کی تہیں کم ہونے لگیں۔ فوجی حکام کو یقین تھا کہ اس فائر ایکشن کے بعد گوریلا نما عفریت ڈھیر ہو چکی ہوگی۔ لیکن ان کا یہ



خود اُن کا چہرہ شدید تشویش کی غمازی کر رہا تھا۔

”معزز ساتھیو! آپ نے وہ رپورٹ سُن لی جو ہمارے لئے سنگین مسئلہ بن چکی ہے۔ آپ لوگوں کو اس لئے یہاں طلب کیا گیا ہے کہ اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے متفقہ طور پر کوئی مناسب تجویز سوچی جائے۔ جو اس مصیبت سے چھٹکارا دلانے میں کار آمد ثابت ہو سکے۔ بات ختم کر کے انہوں نے اپنے تمام وزیروں کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”یور ہائی نس“

وزیر داخلہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور سر کو خم دے کر بولے۔

”رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عفریت سے چھٹکارا پانا ہمارے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔“

”جیسے آپ سے اختلاف ہے“ وزیر خارجہ نے کہا۔ ”کیا آپ اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ اس عفریت نے اب تک ہمارے شمار مالی نقصان کر دیا ہے بلکہ جاتی نقصان کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔“

بیاست کی بری و بحری اور ہوائی افواج مل کر بھی اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکی ہیں۔ اونچی اونچی فاک بوس عمارتوں کو وہ بوس ہاتھ کی جنبش سے گما دیتا ہے جیسے وہ لوہے اور سیمنٹ کی جگہ صرف مٹی کے تودے ہوں۔“

”ان سب باتوں کی روشنی میں میری رائے کچھ اتنی غلط نہیں“ وزیر داخلہ نے وضاحت سے وزیر خارجہ کو اپنا مفہوم سمجھایا۔

وزیر خارجہ نے اُن کی بات تحمل سے سُنی پھر وہ اپنی نشست سے

دارالجمعت، —

کے وسیع و عریض کانفرنس روم میں اس وقت پرنس شکیل کی صدارت میں ریاست کی انتظامیہ کے تقریباً تمام بڑے بڑے اور ذمہ دار افسران گوریلا نما عفریت کی پیدا کردہ خوداک صورتحال سے نمٹنے کیلئے جمع ہوئے تھے۔ کانفرنس روم میں موجود تمام نشستیں پُر ہو جانے کے بعد پرنس شکیل نے اپنے پرسنل سیکریٹری کی طرف استہقامیہ نظروں سے دیکھا۔

سیکریٹری مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا اور سامنے رکھی ہوئی فائل کھول کر گوریلا نما عفریت کے متعلق رپورٹ سنانے لگا۔

جوں جوں رپورٹ اختتام کو پہنچتی گئی پرنس شکیل سمیت تمام اہلکاران ریاست کے چہرے تشویش سے بگڑتے چلے گئے۔ پرسنل سیکریٹری نے طویل رپورٹ ختم کی اور اپنی نشست پر بیٹھ کر پیشانی پر آٹے ہوئے پسینے کو رومال سے پونچھنے لگا۔ ہال میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی ہر شخص تشویش آمیز انداز میں کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

پرنس شکیل نے سر اٹھا کر غور سے اپنے وزیروں کی طرف دیکھا۔



کھڑے ہوئے سر کو خم دے کر پرنس شکیل سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔

پرنس شکیل نے سر کی جیش سے انہیں اجازت دی۔

”آپ کی تمام باتیں ناقابل تردید اور حقیقت پر مبنی ہیں لیکن معزز وزیر داخلہ کیا یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ اگر عفریت سے جھٹکارا پانا ناممکن ہو جائے تو ریاست کا کیا انجام ہوگا“

”یور ہائی نس“

اس مرتبہ وزیر خارجہ نے پرنس شکیل کو مخاطب کیا۔ ”اگر ہم نے جلد ہی اُس بلا سے جھٹکارا حاصل نہیں کیا تو عین ممکن ہے ریاست سے ہمارا وجود مٹ جائے گا۔ ہمارے عوام اپنی جانوں اور مال کے نقصان پر نہ صرف رنجیدہ ہیں۔

بلکہ چاروں طرف پھیلے ہوئے خوف و ہراس نے مایوسی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ ہماری افواج کے ہر ممکن امداد کے باوجود اس عفریت کو شہر میں داخل ہونے سے نہ روکا جاسکا۔ ہمارے بہادر جوان دن رات اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔

مسلم افواج کے ناکام ہونے کے بعد ہماری افواج اور عوام دونوں کی نظریا اب آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ انہوں نے خدائے برتر کے بعد آپ سے ایک

موسوم سی اُمید وابستہ کر رکھی ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یور ہائی نس اپنے فہم و فراست سے انہیں اس بلائے ناگہانی سے ضرور جھٹکا

دل دیں گے۔ وزیر خارجہ نے بات ختم کر کے سر کو دوبارہ خم دیا۔ اور اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

وزیر داخلہ پہلے ہی بیٹھ چکے تھے۔

”میں نے آپ لوگوں کو اسی لئے یہاں بلایا ہے کہ کیا چیز ممکن ہے اور کیا ناممکن کی بحث میں الجھنے کی بجائے کوئی معقول تجویز سوچا جائے۔ میرا اپنا ایمان ہے کہ دنیا میں ہر چیز ممکن ہے صرف جدوجہد اور ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں احسان صاحب آپ کی کیا رائے ہے“

ہر ہائی نس نے استہقامیہ نظروں سے مشیر صنعت کی طرف دیکھا

”آپ کا ارشاد بجا ہے یور ہائی نس اس سلسلے میں میری اپنی رائے یہ ہے کہ اپنے دوست اور پڑوس ملک پاکستان سے مدد کی درخواست کرنی۔

چاہیئے۔ کیوں کہ ہم اپنے مقدور بھر وسائل سے نمٹنے میں ناکام ہو گئے ہیں اس لئے پاکستان کی مدد اور تعاون سے ہم ضرور اس گوریلا نما عفریت سے

نجات حاصل کر لیں گے۔ پاکستان نہ صرف ہمارا برادر ملک ہے بلکہ وسائل کے اعتبار سے بھی وہ ہم سے کئی گنا طاقتور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ

اگر ہم اس سے اس معاملے میں مدد کی درخواست کریں گے تو وہ ہمارے ساتھ ضرور تعاون کریں گے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر

پاکستان ہماری مدد کر چکا ہے۔“

”ہر ہائی نس میں جناب احسان صاحب کی تجویز کی حمایت کر دوں گا۔“

مشیر برائے صنعت احسان صاحب کے بات ختم کرنے کے بعد

مشیر برائے امور سلطنت نے مؤدبانہ لہجہ میں تائید کی۔ ”جناب عزت

مآب یور ہائی نس، اس تجویز کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے علاوہ اگر

ہم نے کسی دوسرے ملک سے مدد کی درخواست کی تو ہو سکتا ہے۔ وہ



ہماری مدد کے عوض کچھ سیاسی فائدہ اٹھانا چاہے۔ جیکہ پاکیشیا اس معاملے میں مخلص ہے جسکا تجزیہ ہم بارہا کر چکے ہیں ؛  
 مشیر برائے صنعت اور مشیر برائے امور سلطنت کی متفقہ تجویز نہ صرف قابل قبول بلکہ قابل عمل بھی تھی۔ پرنس شکیل کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے سے چمکتے لگیں۔

”اس تجویز کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے ؟“ انہوں نے۔  
 حسب معمول سب کی رائے دریافت کی۔

اُن لوگوں نے تجویز کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس تجویز کو متفقہ طور پر منظور کر لیا تھا۔ میٹنگ کا اختتام اس تجویز کی منظوری کے بعد ہوا تھا کہ پاکیشیا کو جلد ایک خط لکھا جائے جس میں گوریلا نما عفریت سے نمٹنے کے لئے اس سے مدد کی درخواست کی جائے۔

یہ صاحب عمران کے قریب ہی میں رہتے تھے۔ یوں تو نام ان کا شتاب تھا لیکن اپنے آپ کو شتاب گنگوری تخلص کرتے تھے۔ دُبلے پتلے چھریے جسم کے مالک حلیہ سے قدیم لکھنؤ کی یادگار معلوم ہوتے تھے۔ جیسے سے زیادہ اُن کی آنکھیں قابل دید تھیں عین الشفاء انجن کے بے دریغ استعمال کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی نشیلی معلوم ہوتیں۔ پان کے بے حد شوقین ایک وقت میں دو دو بیڑے اُن کے منہ کی زینت بنتے جسکے سبب اُن کے دونوں گل ہوا بھرے غبارے کی مانند دکھائی دیتے۔ اس شان سے جب وہ شعر کہتے تو اُن کے منہ سے اشعار تو کیا الفاظ کے ٹکڑوں کے ساتھ چھالیہ کے ٹکڑے بھی

۲۱۔ قریبیشی کے مشاہکار خاص نمبر

بیک بزنس  
 موت کے ہمسفر  
 اسپائے اسمیشہ  
 گیم آف ڈیٹھ  
 نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں !



اس طرح گرتے جیسے وہ بھی شاعری کا ایک جُز رہے ہوں سونے پر سہاگہ منہ میں بھر جانے والی پیک کے قطرے اُن کے اور قریب بیٹھے ہوئے شخص پر اس طرح پھیلا رہتے جیسے اُن کے اشعار سے خوش ہو کر سامعین بے پناہ سُرخ پھولوں کی بوچھاڑ کر رہے ہوں۔ لیکن ستم تو یہ تھا کہ شتاب گنگوری کی ان دلبرانا عادتوں کی وجہ سے پاس پڑوس، ملنے جلتے والے اور عزیز و اقارب اُن سے اس طرح کئی کاٹتے جیسے یہ کوئی بھوت ہوں۔ حالانکہ بیچارے اپنے دانت میں بڑے مخلص اور صاحبِ دل شخصیت تھے۔ انہیں شکوہ تھا تو صرف اتنا کہ کوئی اُن کی قدر نہیں کرتا۔ وہ ایک ہیرا ہیں جس کی قدر ضرور جوہری جانتا ہے لیکن بد قسمتی سے ابھی تک کسی جوہری کی نگاہ شتاب گنگوری جیسے شاعر پر نہیں پڑی تھی۔ جو اپنے آپ کو بیسویں صدی کے صفِ اول کے شعراء میں شمار کرتے تھے۔ لیکن آج اُن کا یہ گلا مٹ گیا تھا اُن کو اُن کی قدر کرنے والا ایک جوہری مل گیا تھا۔ اور وہ تھا عمران۔ جو اُن کے اُٹے سیدھے اشعار پر بُری طرح گلا بچھاڑ کر داد دے رہا تھا۔

سلیمان نے باورچی خانے ہی میں رہنے میں عافیت جانی تھی۔ اس کی دانت میں عمران کے اور اس نیم پاگل کی چیخ و پکار سے ڈرائنگ روم کی چھت اڑ جانے کا امکان یقینی تھا۔ باورچی خانے کی چھت اس کے خیال میں قدرے نیچی اور مضبوط تھی اسلئے اس نے اس کو فی الحال پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا تھا۔ دراصل یہ بات بھی عمران کی حد سے بڑھتی ہوئی بوریّت کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ وہ بیٹھا اپنی بوریّت دُور کرنے کے محتاط پہلوؤں پر غور

کر رہا تھا کہ اچانک اسکی شیطانی کھوپڑی میں اپنے پڑوسی شتاب گنگوری کا خیال آگیا۔ عمران سے اسکی رسمی علیک سلیک تھی لیکن وہ اس سے سلیمان کی زبانی پوری طرح جانتا تھا۔ ادھر اس کے ذہن میں شتاب گنگوری کا خیال آیا ادھر وہ دوسرے ہی لمحے اس کے قلیٹ پر جا پہنچا۔ دستک دینے کے ادھے گھنٹے بعد تک اُسے بوسیدہ زینے کی سیڑھی پر بیٹھ کر اُن کا انتظار کرنا پڑا۔ جب وہ تیار ہو کر باہر نکلے تو عمران اُن کی سج دھج دیکھ کر منہ بچھاڑ کر رہ گیا۔ اس نے انہیں باہر ہی سے چیخ کر اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دیا تھی اور شتاب گنگوری یہ سمجھ کر کہ مشاعرے کی دعوت ہے اپنے بتاؤ سنگھار میں کچھ زیادہ ہی وقت لے لیا تھا کیونکہ بیچارے کو مشاعرے میں شرکت ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اور اُن کی یہ آرزو ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی۔

جب وہ شاعروں کی سی شان سے اپنے گھر سے برآمد ہوئے تو عمران نے انہیں بڑا زور دار فرشی سلام کیا تھا۔ شتاب گنگوری کی باچھیں کھل اُٹھیں۔ انہوں نے ایک ادائے خاص سے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ بڑے کر دُور سے عمران کے قلیٹ پر آئے تھے۔ عمران جیسے اُن کی راہوں میں بچھا جا رہا تھا اس نے سلیمان کو دوپہر کے لئے زبردست کھانے کا آرڈر دیا تھا۔

شتاب گنگوری کو اس نے ایک نہایت آرام دہ صوفے پر بٹھانے کے بعد اُن کی سب سے پہلے خاطر شاندار کافی سے کی۔ شتاب گنگوری نے نہایت نذیدے پن سے کافی ختم کی تھی۔

دو چار رسمی باتوں کے بعد عمران نے اُن سے عاجزی سے شعر سنانے



کی درخواست کی۔ جسے شرف قبولیت بخشے ہوئے شتاب گنگوری نے اپنے بے نیلے اشعار کا دیوان کھول دیا تھا۔ وہ اپنی بھونڈی آواز میں جب ترنم سے اشعار پڑھتے تو سلیمان کو ایسا محسوس ہوتا جیسے ڈریکولا کے مسکن پر روایتی۔ چرچاڑ بیٹھی موت کا گیت گا رہی ہوں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ کب کا اس شاعر کے بچے کو اٹھا کر گندی گلی میں پھینک چکا ہوتا اور یہ صاحب ان سے تو خدا ہی سمجھے۔ سلیمان نے برا سا منہ بنایا اور مرغی، روٹ کمنے میں مصروف ہو گیا۔ جو وہ عمران کے حکم پر دوپہر کے کھانے کیلئے لایا تھا۔

”اونہ شاعر کا بچہ بڑا آیا مرغی کھانے؟ اس نے غصے سے دانت پیسے۔“ ٹھہر جا بچہ میں ابھی تجھے ایسی مرغی کھلاؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ سارے کو دست نہ کرا دیئے تو سلیمان نام نہیں؟“ سلیمان نے ڈرائنگ روم میں جھانکا۔

عمران قالین پر اس طرح ہاتھ باندھے موڈ بیٹھا تھا جیسے وہ شتاب گنگوری کا مرید ہو۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ نہایت تیزی سے بڑی سے عقیدت کے ساتھ داد دیتے ہیں مصروف تھا۔ اور شتاب گنگوری اس کی بے تحاشا داد پر جھک جھک کر داد لیتے اور دوبارہ ہمہ تن مصروف ہو جاتے۔

اے میری گل اندام محبوبہ

لے لے ڈیہ مٹھائی کا

ہونٹ تیرے شہد کے پیالے ہیں

ہاتھ تیرے بڑے کراہے ہیں  
”واہ۔ واہ سبحان اللہ مکرر ارشاد؟ عمران نے جھک جھک حسب معمول گلا پھاڑتے ہوئے داد دی۔“ واہ۔ واہ۔ کیا سماں باندھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مٹھائی کے ڈبے میں کرچی حلوہ رکھا ہو۔ اور محبوبہ دلنواز وہ تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے گلاب جامنیں اور پکڑے آخر منہ میٹھا کرنے کے بعد کھارا بھی تو نہ کرنا پڑتا ہے؟“ عمران کی تشریح پر شتاب گنگوری کھل اُٹھے۔

”واہ وا صاحب کیا کہتے ہیں آپ کی وضاحت اور بلاغت کے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے علم کا ایک سمندر موجزن ہو۔“

”شکریہ شکریہ۔ ذرا نوازی ہے آپ کی؟“ عمران نے دانت نکوسے۔  
”میری مانیئے تو ہم دونوں صاحب علم مل کر ایک رسالہ نکالتے ہیں جس میں میری نظمیں ہوں گی اور آپ کے افسانے۔“ جھے یقین ہے کہ آپ نہایت شاندار افسانے لکھ سکتے ہیں۔“

”نوازش ہے آپ کی؟“ عمران نے شرارتے ہوئے لچک کر کہا۔ ”ورنہ سچ تو یہ ہے کہ آپ سے زیادہ شاندار نظمیں لکھنے والا شاعر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

”قبلہ یہ تو آپ کی عنایت ہے۔ میں نے بھی آپ سے بہتر مضمون نگار آج تک نہیں دیکھا؟“ شتاب گنگوری نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔  
”آپ بہت اچھے شاعر ہیں۔“



”آپ بہت اچھے مضمون نگار ہیں“

”آپ کی نظائیں — واہ وا سبحان اللہ“

”آپ کے مضامین واہ وا سبحان اللہ، کیا کہنے ہیں سُخن فہمی کے — ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سمندر کا بج کی برنی میں بند کر دیا گیا ہو اور مچھلیاں نکلنے کے لئے بے چین ہوں لیکن راہ قرار مسدود ہے کائی زدہ پانی اُن کیلئے پیغام اجل ہے بلا آخر اُن کی موت یقینی ہے“

”واہ وا سبحان اللہ کہا کہنے“

”مضمون نگاری اُسے کہتے ہیں“

”شعر گوئی ایسی ہوتی ہے“

”یہ تو طے ہے کہ ہم دونوں مل کر ایک علمی اور ادبی پرچہ نکالیں“

عمران نے رک کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس کا نام کیا رکھا جائے۔؟“

”نام — ہاں نام تو بہت ضروری ہے میرے خیال میں کوئی شاعرانہ سا

نام ہونا چاہیئے“ شتاب گنگوری نے رائے دی۔

”جی نہیں“

”عمران نے انکار میں سر ہلایا۔“ میں اس کی جگہ ادبی نام کو ترجیح دوں گا“

”دیکھئے آپ ابھی سے اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں“

شتاب گنگوری نے شکوہ کیا۔

”آپ بھی تو اختلاف بڑھانے میں مصروف ہیں“

”چلئے ایسا کر لیتے ہیں کہ آدھا نام شاعرانہ اور آدھا ادبیانہ رکھ لیتے ہیں“ یہ مصالحانہ تجویز شتاب گنگوری ہی نے پیش کی تھی جسے عمران نے بہت جلد قبول کر لیا تھا اور وہ دونوں سر جوڑے شاعرانہ اور ادبیانہ نام تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے۔

”میرے خیال میں کرن کے آنسو ٹھیک رہے گا۔“

”لا حول ولا قوۃ — یہ بھی کوئی نام ہے“ عمران نے ناک سکیڑی۔

”کرن بھی کبھی آنسو بہاتی ہے — اس سے بہتر تو گھاس کے آنسو ہے، نہیں

تو یہ بھی مناسب نہیں“ عمران نے خود ہی اس نام کو رد کر دیا۔

”وہ مارا.....“ شتاب گنگوری اُچھلے۔

عمران انہیں خوفزدہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”آواز — کیسا رہے گا“

”اوہ بہت خوب صورت“ عمران کھل اُٹھا۔

پھر دونوں نے اپنے رسالے کا متفقہ نام ”آواز“ تجویز کیا تھا۔

اس کے بعد وہ معاملے کے دوسرے پہلوؤں پر غور کر رہے تھے کہ

ٹیلی کی گھنٹی اپنی پُر شور آواز کے ساتھ بج اٹھی۔

عمران نے چونک کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر رسیور

کر پڈل سے اٹھا لیا۔

”ہیلو ایڈیٹر آف آواز اسپیکنگ“

”ایڈیٹر کے بچے کیا کر رہے ہو“ یہ سر سلطان کی آواز تھی۔



”پنگ پانگ کھیل رہے ہیں آپ سے مطلب؟“ عمران نے ماؤتھ۔  
پیس میں آنکھیں پجاتے ہوئے کہا۔ ویسے وہ سرسلطان کے ٹیلی فون پر  
قدرے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”میرا مطلب ہے جلدی سے آفس آجاؤ ضروری کام ہے۔“

”ٹیلیفون پر کچھ بتانا پسند کریں گے؟“

”نہیں تم جلدی سے یہیں آجاؤ“ سرسلطان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

”بہتر ہے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔“

عمران نے شانے اچکاتے ہوئے کہا اور رسیور کھینچ کر شتاب  
گنگوری کی طرف مڑ گیا۔

شتاب گنگوری اسی طرف دیکھ رہے تھے۔

”خیر تو ہے کوئی تشویش کی بات تو نہیں؟“ انہوں نے الجھن آمیز لہجے

میں پوچھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل ایک صاحب کو مجھ سے کچھ ضروری

کام پڑ گیا۔“

”اوہ تو ضرور جانیئے۔ دوسروں کے کام آنا بہت بڑی نیکی ہے۔“

شتاب گنگوری نے بظاہر خوش اخلاقی سے کہا۔ لیکن اندرونی طور پر

انہیں اپنی شاندار ضیافت کے ختم ہو جانے کا شدید رنج تھا۔ کتنی مدتوں

بعد تو ایک پرستار ملا تھا۔ جس نے نہ صرف اُن کے فن کی قدر کی تھی بلکہ

اُن کیلئے شاندار کھانے کا اہتمام بھی کیا تھا جس کا اندازہ انہوں نے سلیمان

کے ہاتھوں میں موجود سودے کی تفصیلی سے لگایا تھا۔ مرغی کو ذبح ہوتے

تو انہوں نے دُور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ مدتوں بعد انہیں بہتر کھانا نصیب ہونے

والا تھا لیکن یکایک یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اور شتاب گنگوری ہاتھ ملتے

رہ گئے۔ رسالے کی تجویز بھی انہوں نے اسی لئے پیش کی تھی کہ اُن کے خیال

میں عمران کی مالی حیثیت بہت اچھی تھی اور رسالے کی آڑ میں وہ اپنی دال روٹی

ضرور پیدا کر لیتے۔ وہ جاتے کیلئے اُٹھے۔ عمران سے زور دار مصافحہ کیا۔

”مجھے اُمید ہے آپ رسالے کیلئے کچھ کریں گے۔“

چلتے چلتے انہوں نے آخری بار یاد دہانی کرائی۔

لیکن عمران کو اُن سے یا اُن کے رسالے سے کیا دل چسپی ہو سکتی تھی۔

یہ تو بس اس کیلئے وقت گزاری کا مشغلہ تھا۔ اس نے اقرار میں سر ہلا کر اُن

کو خواب دیا اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ لباس تبدیل کر کے وہ باورچی خانے کی طرف

بڑھ گیا۔ شتاب گنگوری پہلے ہی جا چکے تھے۔ سلیمان نے باورچی خانے سے

انہیں جلتے ہوئے دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا۔

”ابے کیا دیکھ رہا ہے؟“

”اس سائے کنگلے شاعر کو دیکھ رہا ہوں۔“

سلیمان نے جملے کٹے لہجے میں کہا۔ اگر آپ اُسے جلد نہ بھگا دیتے تو

آپ دیکھتے اس کا حشر؟“

”حشر کے پچھے دروازہ بند کر لے میں باہر جا رہا ہوں۔“

”صاحب یہ مرغی؟“



”تو کھا لینا“

سلیمان حیرت زدہ سا اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔  
لیکن عمران اس کی جانب توجہ دینے بغیر باورچی خانے سے نکل کر بیرونی  
دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اُسے، —

سر سلطان کے آفس پینچے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں گئے تھے —  
چونکہ آفس ٹائم تھا اور دفتر خارجہ سے منسلک آفیسروں کی گاڑیوں سے پارکنگ  
لان بھرا ہوا تھا۔ اس لئے عمران نے وہاں جگہ نہ ہونے کے سبب اپنی گاڑی —  
دفتر خارجہ کی عمارت سے محوڑے فاصلے پر روکی اور وہ پیدل ہی سلطان صاحب  
کے آفس تک پہنچا تھا۔ کئی جان پہچان والے لوگوں سے علیک سلیک کرتا  
ہوا جب وہ سر سلطان کے آفس میں داخل ہوتے لگا۔ تو نہ جانے کہاں سے  
ان کا پی او آٹپکا کیونکہ عمران کی پشت اس کی جانب تھی اور وہ عمران کا چہرہ  
نہیں دیکھ سکا۔ اس لئے وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے عمران کا  
ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اُسے پکڑ کر اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔

”اماں کون ہو تم اس طرح منہ اٹھائے چلے جا رہے ہو۔ مجھے نوکری سے  
کھلانے کا ارادہ ہے کیا“

عمران بوکھلا کر پلٹا۔ چپراسی نے جیسے ہی اُسکی صورت دیکھی اُسکے چہرے  
پر شدید گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

ایس قریشی کی عہوان سیریوز فاص نمبر

بلیک بزنس  
اسپائے اسمیشر  
موت کے ہمسفر  
گیم آف ڈیٹھ

نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں



”س س — صاحب : بوکھلاہٹ کی وجہ سے اسکے منہ میں الفاظ  
اٹک کر رہ گئے۔ کبھی وہ ہاتھ میں آئے ہوئے کار کو دیکھتا اور کبھی عمران کے  
چہرے کی طرف — پھر وہ اُسے اپنی جانب خشکیوں نظروں سے گھورتے پا کر فوراً  
نظریں جھکا دیتا۔

”یہ کیا حرکت تھی ؟“

”صاحب معاف کیجئے میں کچھ اور سمجھا تھا“

چپراسی کے لہجے میں لجاجت تھی۔

”کہا سمجھے تھے تم ؟ عمران کا لہجہ حماقت آمیز ہی تھا۔

”صاحب بس غلط فہمی ہو گئی“

”غلط فہمی ہو گئی وہ بھی کار سے — آستین سے کیوں نہیں ہوئی —

مطلب ہے کار کی بجائے آستین بھی کھینچ سکتے تھے“ اس کی وضاحت تھا

آئینہ ہی تھی۔

چپراسی گو اپنی حرکت پر سخت شرمندہ تھا لیکن اُسے عمران کے بارے

میں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ نوکروں کے ساتھ باپ سے بھی زیادہ شفق

کا سلوک کرتا تھا۔

”صاحب اگر آستین ہاتھ آجاتی تو ؟“

اسکا سوال سن کر عمران نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ”بڑے نامعقول ہوئے

اگر آستین چلی جاتی تو کوئی غم نہیں تھا لوگ سرت مٹا کہتے مگر اب تو سر

کہیں گے“ اس کی آواز بڑی غمگین تھی۔

”ہائے اب میں کیا کرونگا۔ بچے مجھ سے ڈریں گے۔ تم نے بہت بُرا کیا

مجھے سرکٹا بنا دیا“ اب کہ عمران کی آنکھوں سے آنسو باقاعدہ ساون بھادوں کی

برسات کی طرح نکل رہے تھے۔

”س س صاحب خدا کیلئے — میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں“

چپراسی نے اسکے آگے ہاتھ جوڑے۔

اور عمران جو اب زور سے رونے کیلئے اسٹارٹ لینے والا تھا اسکی

شکل دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس نے ہاتھ سے گالوں پر بہنے والے آنسو

پونچھے اور مسکرا کر چپراسی کو آنکھ مار دی — چپراسی کے سینے سے سکون کی سنس

خارج ہوئی بے چارہ مارے خوف کے نہ جانے کب سے سنس روکے بیٹھا

تھا وہ بھی حوصلہ پا کر مسکرانے لگا۔

عمران نے اس کا کندھا تہایت پیار سے پتھپتھپایا اور اسی عالم میں آفیس

میں داخل ہوا کہ قمیض کا کار غائب اور قمیض کے اوپر کے تین بٹن غائب

اسکی وجہ سے اسکی بنیان نظر آنے لگی تھی — سر سلطان اپنی میز پر کچھ لکھنے

میں مصروف تھے — انہوں نے آہٹ پا کر گردن اٹھائی اور عمران کو مجنوں

یہ جیلے میں دیکھ کر اُن کی جان جل گئی۔

”یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے“ انہوں نے اپنے عَصے پر قابو پاتے ہوئے قدر

لہجے میں کہا۔

”ہو ہو ہو“ عمران انگوٹھا منہ میں رکھ کر بے دھتکی سے ہنسا۔

قریب پڑی ہوئی کرسی گھسیٹ کر شرماتے ہوئے اس پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا



”سیدھے بیٹھو یدتمیز“ ایک سر سلطان کوشش کے باوجود اپنے غصے بھاگ کی طرح بیٹھتا چلا چلا گیا اور وہ نظروں میں ڈھیر سارا پیار سجھائے اس کی پر قابو نہیں پاسکے تھے۔ عمران اُن کی ڈانٹ پر کرسی سے خوفزدہ انداز میں اتنی جانب دیکھنے لگے۔

یہ حقیقت تھی کہ وہ عمران کو اپنی سگی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ یہ زور سے اُچھلا کہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا اور کرسی سمیت قالین پر ڈھلے ہو گیا۔ اس نے کپکپاتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کی اور کرسی سے اُلجھ کر دوبارہ کرسی پر گر پڑا۔ سر سلطان نے غصیلی نظروں سے اسکی طرف دیکھا اور اپنا سر دونوں طرف ہاتھوں سے تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایک یہی طریقہ اُن کی سمجھ میں عمران کے حاکموں سے چھٹکارے کا آیا تھا کہ وہ خاموش ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔ وہ اس طرح اس کے اندر رچ بس گئی تھیں کہ عادت سی ہو کر رہ گئی تھیں جس طرح جانتے تھے کہ جتنا اُن کا پارہ چڑھے گا عمران کی حاکمیت اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔ اس کا تجربہ انہیں بار بار ہو چکا تھا۔ اور اس کا کچھ اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ اس کا تجربہ انہیں بار بار ہو چکا تھا۔ بار وہ اس کی حاکمیت پر سخت نا ارض ہوئے لیکن عمران کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ یہ بات بھی نہیں تھی کہ وہ جان بوجھ کر حاکمیت کرتا تھا بلکہ وہ انہیں اور ستانے پر آمادہ نظر آتا۔ عمران تیسری مرتبہ اٹھا اب کہ کرسی میں الجھا ضرور لیکن اس نے اپنے آپ کو فوراً سنبھال لیا۔ کرسی سے اُلگ ہونے کے بعد اس نے خفت آمیز انداز میں ایک زوردار لٹ کرسی پر دے ماری۔ کرسی پر شور آواز کے ساتھ وہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ دھماکے کی آواز پر سر سلطان نے گردن اٹھا کر دیکھا کہ عمران کرسی سے ہنٹ کر جیسے ہی پڑا سر سلطان کو اپنی جانب کھانچا۔ وہ کسی فریاد والی نظروں سے دیکھتے پا کر اس پر کپکپی دوبارہ طاری ہو گئی۔ وہ کسی رسیدہ پتے کی طرح کانپتے ہوئے ترجم آمیز انداز میں اُن کی جانب دیکھتے عمران کا یہ انداز اسقدر بے ساختہ تھا کہ سر سلطان کا غصہ صابن

یہ حقیقت تھی کہ وہ عمران کو اپنی سگی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ یہ زور سے اُچھلا کہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا اور کرسی سمیت قالین پر ڈھلے ہو گیا۔ اس نے کپکپاتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کی اور کرسی سے اُلجھ کر دوبارہ کرسی پر گر پڑا۔ سر سلطان نے غصیلی نظروں سے اسکی طرف دیکھا اور اپنا سر دونوں طرف ہاتھوں سے تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایک یہی طریقہ اُن کی سمجھ میں عمران کے حاکموں سے چھٹکارے کا آیا تھا کہ وہ خاموش ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔ وہ اس طرح اس کے اندر رچ بس گئی تھیں کہ عادت سی ہو کر رہ گئی تھیں جس طرح جانتے تھے کہ جتنا اُن کا پارہ چڑھے گا عمران کی حاکمیت اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔ اس کا تجربہ انہیں بار بار ہو چکا تھا۔ اور اس کا کچھ اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ اس کا تجربہ انہیں بار بار ہو چکا تھا۔ بار وہ اس کی حاکمیت پر سخت نا ارض ہوئے لیکن عمران کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ یہ بات بھی نہیں تھی کہ وہ جان بوجھ کر حاکمیت کرتا تھا بلکہ وہ انہیں اور ستانے پر آمادہ نظر آتا۔ عمران تیسری مرتبہ اٹھا اب کہ کرسی میں الجھا ضرور لیکن اس نے اپنے آپ کو فوراً سنبھال لیا۔ کرسی سے اُلگ ہونے کے بعد اس نے خفت آمیز انداز میں ایک زوردار لٹ کرسی پر دے ماری۔ کرسی پر شور آواز کے ساتھ وہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ دھماکے کی آواز پر سر سلطان نے گردن اٹھا کر دیکھا کہ عمران کرسی سے ہنٹ کر جیسے ہی پڑا سر سلطان کو اپنی جانب کھانچا۔ وہ کسی فریاد والی نظروں سے دیکھتے پا کر اس پر کپکپی دوبارہ طاری ہو گئی۔ وہ کسی رسیدہ پتے کی طرح کانپتے ہوئے ترجم آمیز انداز میں اُن کی جانب دیکھتے عمران کا یہ انداز اسقدر بے ساختہ تھا کہ سر سلطان کا غصہ صابن

سر سلطان کے رویے میں حیرت انگیز تبدیلی سے وہ بھی متاثر ہوا۔ وہ ہنوز اسی پوزیشن میں کانپتے ہوئے کھڑا رہا۔ صرف اتنی سی تبدیلی کے بعد کہ اسکی آنکھیں سر سلطان کی بجائے اب فرش پر ٹک گئی تھیں۔

”بیٹھ جاؤ؟“ انہوں نے شیریں لہجے میں کہا۔ عمران کسی فرمانبردار بچے کی طرح ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ گو اس مرتبہ کرسی پر پاؤں نہیں رکھے تھے لیکن کپکپاہٹ بدستور جاری تھی۔



”تمہیں سردی لگ رہی ہے۔“ اُن کے لبوں پر بڑی دلفریب اور معنی

خیز مسکراہٹ تھی۔

”نہیں۔“ اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

”تو پھر کانپ کیوں رہے ہو؟“

”آپ ماریں گے تو نہیں؟“ اس کا انداز اس شریہ بچے کی طرح تھا۔ شرارت کرنے کے بعد پٹائی کے خوف سے کانپ رہا ہو۔

سرسلطان کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

”نہیں تم اطمینان سے بیٹھو۔“ اُن کے تسلی آمیز رویئے پر اس کی کپکپی فوراً ختم ہو گئی اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھنے کے بعد انہیں معصوم نظروں سے دیکھنے لگا۔

”تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟“

سلمان نے اقرار میں گردن ہلائی۔

”بھلا بتاؤ تو؟“ اُن کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

”بتا دوں؟“ اُس نے بے یقینی سے اُن کی طرف دیکھا۔

”ہاں بھئی بتا دو۔“

”ماریں گے تو نہیں۔“

”پھر وہی بکواس۔ آج کہیں تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”شکر کیجئے دماغ خراب ہوا ہے پتلون خراب نہیں ہوئی ورنہ آپ

اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

”بے ہودہ بد تمیز۔ اگر اب کہ تم نے کوئی شرارت کی تو اچھا نہیں

ہو گا؟“ سرسلطان نے آخری بار تنبیہ کی۔

سلمان سرسلطان کے موڈ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُن کی وارننگ

سلمان قدرے سنجیدہ ہو گیا ویسے بھی جس کام کیلئے سرسلطان نے اُسے یہاں بلایا تھا وہ ابھی تک اُسے معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

”آپ نے مجھے یہاں کس لئے بلایا تھا؟“ اس بار اسکا لہجہ سنجیدہ تھا۔

سرسلطان نے ٹوٹنے والی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

”سہراب پور کے متعلق کیا جانتے ہو؟“ اُسے سنجیدہ پا کر وہ مطلب

بات پر آگئے۔

”صرف اتنا کہ وہ ہماری پڑوسی چھوٹی سی ریاست ہے اس وقت پرنس

کیل کے ہاتھوں میں اسکا اقتدار ہے چند سالوں سے پلائنیم کی دریافت کے بعد

وہی سے ترقی کر رہی ہے کئی منصوبوں پر وہ ہمارے ملک کیلئے فنڈ بھی مہیا کر

رہی ہے اور بس۔“

”اس کے علاوہ بھی بہت ساری باتیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے؟“

”میرے لئے اُن کا نہ جاننا ہی بہتر ہے آپ مطلب کی بات بتائیں؟“

”مطلب ہی کی تو بات بتا رہا ہوں؟“ سرسلطان نے جلدی سے کہا مباردا

”وہ دوبارہ پٹری سے نہ اتر جائے۔“ پرنس شکیل نے ایک خصوصی خط اپنے

میر کے ذریعے آج ہی وزیرِ عظم کو پہنچایا ہے وہ خط وزیرِ عظم کی اس

بت کے ساتھ وزارتِ خارجہ کی وساطت سے میرے پاس آیا ہے کہ اس سلسلے



”جی ہاں بالکل : اس نے مختصر جواب دیا۔ اُسے احساس تھا کہ حامی بھرنے

سے کتنی بڑی ذمہ داری اس کے سر پر آگئی ہے۔ خط کے معنی سے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ اپنی نوعیت کا واحد کیس ہے جسے اس کو اپنی برادر اسلامی ریاست کیلئے حل کرنا ہے۔ اسکی رضامندی کے بعد سرسلطان اس سے معاملے کے دیگر پہلوؤں پر گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ اُن کے آفس سے اٹھا تو سرسلطان مطمئن اور مسرور تھے۔ جبکہ وہ خود کسی دوسرے ہی خیال میں گم تھا۔ اُسے بہر حال ایک دو دن میں سہراب پور کیلئے روانہ ہو جانا تھا۔ وسیع انتظامات کرنے تھے۔ انہیں خیالوں میں گم اس نے انگیش میں چابی گھائی انجن انکڑائی لے کر بیدار ہوا۔ اس کی ٹوپیٹر دوسرے ہی لمحے سڑک پر فرارے بھر رہی تھی۔



ایس قریشی کے شاہکار ناول

مقامات

موت کے سنسنی

عمران سیریز کے یہ ناول نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں

میں فوراً سہراب پور کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ سرسلطان نے میز کی دراز کھولی اس میں سے سبز رنگ کا ایک بڑا سا لفافہ نکالا اور عمران کو دے دیا۔ عمران نے خط اُن کے ہاتھ سے لیا اور جلدی جلدی اس کی تحریر پڑھنے لگا۔ وہ جوں جوں اُسے پڑھتا جا رہا تھا اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر اس نے خط ختم کیا۔ تہہ کر کے دوبارہ لفافے میں رکھا اور سرسلطان کو واپس دیدیا۔

”میرے خیال میں تم نے سچویش کا اندازہ کر لیا ہوگا اس سلسلے میں تمہارا کیا رائے ہے؟

”میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن ایک بات ظاہر ہے وہ یہ کہ معاملہ کافی خطرناک ہے اور اگر اس خط کی تحریر صرف بہ صرف درست ہے تو سہراب پور کا خدا حافظ ہے۔“

”بیٹے یہ تم کہہ رہے ہو۔ ایک تم ہی تو ہو جو ناکامیوں کی تاریکی میں کاملاً کی شمع روشن کرتے ہو۔ اور پھر وہ تو ہماری برادر ریاست ہے وہاں مسلمان آہیں۔ کیا مسلمان کی حیثیت سے مشکل وقت میں اُن کی مدد کرنا ہمارا فرض نہیں اُن کا بوجہ بے حد جذباتی تھا۔

”میں نے کب یہ کہا کہ میں اُن کی مدد کیلئے تیار نہیں۔ میں تو صرف سچویش

کی ناز کی کا احساس دلانا تھا۔“

”تو پھر تم اس سلسلے میں کیا کہہ رہے ہو۔“

”جو آپ کا حکم۔“

”تو پھر میں سمجھوں کہ تم اس کیس کو ہاتھ میں لینے کے لئے راضی ہو۔“



عمران پر لگے ہوئے تھے۔ جو جولیا کے برابر بیٹھا مسلسل اسکے سینے پر مونگ دل رہا تھا۔ جولیا بھی بظاہر عمران سے لا تعلق بیٹھی تھی لیکن اسکے چہرے پر غصے اور جھنجھلاہٹ کی سرخی پتہ دے رہی تھی کہ عمران پٹری سے اترا ہوا ہے۔ دارالحکومت سے چلتے ہوئے عمران نے، صفدر، تنویر اور جولیا کو کسی مصلحت کی وجہ سے ساتھ لے لیا تھا۔ جبکہ دیگر دوسرے ممبران کو وہ بلیک زیر سمیت دارالحکومت ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ مختلف سیاسی وجوہ کی بنا پر اس وقت خود اس کے ملک میں مختلف سازشیں پیدا

ایرگٹ ، —

ہو رہی تھیں جن کے سدباب کیلئے سیکرٹ سروس ہم ایک ایسا محکمہ تھا جو اب تک کار آمد ثابت ہوا تھا۔ حکومت بڑی حد تک صرف سیکرٹ سروس کی وجہ سے مختلف اندرونی اور بیرونی سازشوں کا شکار ہونے سے بچی تھی۔ عمران کو بلیک زیرو کی ذہانت پر پورا اعتماد تھا کہ وہ اسکی غیر موجودگی میں اپنے ماتحتوں کو بخوبی ڈیل کر لیگا۔ مختلف جرائم کا سراغ لگانے کیلئے عمران نے اُسے خصوصی ٹریننگ دی تھی۔ اور عمران کو مکمل بھروسہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں بلیک زیرو ہر کیس سے خوش اسلوبی سے نمٹ سکتا ہے جس کا اس نے دیگر کئی مواقع پر ثبوت بھی دیا تھا۔

سر سلطان کے آفیس سے واپسی کے بعد وہ سیدھا دانش منزل گیا تھا۔ جہاں اس نے بلیک زیرو کو تازہ کیس اور اسکی نوعیت سے آگاہ کیا۔ پھر وہ اور بلیک زیرو دونوں مل کر پروگرام ترتیب دینے لگے۔ جوزف کو جب پتہ چلا تھا کہ عمران کسی مہم میں بیرونی ملک جارہا ہے تو اس نے بھی ساتھ چلنے کی ضد کی تھی۔ کافی گڑ گڑایا تھا۔ لیکن عمران ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور جوزف کو ہار مان کر خاموش ہو جانا پڑا تھا۔ باس سے جدائی کے غم کو اس نے اپنی تنہائی کی ساتھی میں ڈبو دیا۔

کا طیارہ بوئنگ 717 نہایت سبک خرمی سے اپنی منزل سہراب پور کی طرف محو پرواز تھا۔ پاکیشا کے دارالحکومت سے پرواز کئے اُسے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ سہراب پور پہنچنے میں ابھی تقریباً بیس منٹ باقی تھے۔ موسم نہایت خوشگوار تھا تیز چلیکی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آسمان پر جیسے تیر رہے تھے۔ طیارے کی رفتار مناسب تھی اور کیپٹن کا خیال تھا کہ وہ ٹھیک بیسویں منٹ میں سہراب پور اسٹیٹ کے سب سے بڑے شہر چولان کے ہوائی اڈے پر لینڈ کر لیگا۔ طیارے میں یوں تو مختلف رنگ و نسل اور ممالک سے تعلق رکھنے والے بیٹھے تھے۔ یہ طیارہ چونکہ براستہ سہراب پور مشرق وسطیٰ کی طرف جا رہا تھا اس لئے عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد کی تعداد کچھ زیادہ ہی تھی۔ جن میں زیادہ تر تیل کی صنعت سے وابستہ تھے اس کا اندازہ عمران نے اُن کی گفتگو سے لگایا۔ اس کے برابر جولیا بیٹھی تھی۔ پچھلی دو نشستوں پر تنویر اور صفدر بیٹھے۔ صفدر سیٹ کی پشت سے سر لگائے آنکھیں موندھے کسی سوچ میں گم تھا اور تنویر بظاہر ایک رسالے کے مطالعے میں منہمک تھا۔ لیکن اسکی آنکھیں اور کان



جس کے بعد وہ پھر چاق و چوبند ہو کر ڈیوٹی دینے لگا۔ اسکے جانے کے بعد عمران نے بلیک زیرو ہی کی مدد سے مختلف تیاریاں مکمل کی تھیں۔ اپنے سہراب پور پہنچنے کے متعلق اس نے پرنس شکیل کے نام تار تورانہ کر دیا تھا مگر ساتھ ہی اُن سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اسکے لئے کسی قسم کا اہتمام نہیں کیا جائے نہ ہی پرنس شکیل اسکے ٹھہرنے کا اپنے محل میں بندوبست کریں۔ بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اجنبی کی طرح سہراب پور میں داخل ہوتا کہ کسی قسم کا رسک لئے بغیر کیس کیلئے راہ کا تعین کیا جاسکے خود اس نے پاکیشیا کے ایک بڑے بزنس مین کی حیثیت سے فون کے ذریعے چولا سے کے ایک شاندار ہوٹل میں چار کمرے پہلے ہی بک کر والے تھے۔ جہاز میں بھی وہ تاجر ہی کی حیثیت میں سفر کر رہا تھا جبکہ جولیا اسکی سیکرٹری اور تنویر و صفدر اسکے معاون کی حیثیت سے اسکے ساتھ تھے۔ روانگی سے پہلے اس نے نہ صرف اسکی اطلاع سر سلطان کو دیدی تھی بلکہ بلیک زیرو کو بھی اہم باتیں سمجھا دی تھیں تاکہ اسکی غیر موجودگی میں وہ کسی قسم کی دقت محسوس نہ کرے۔ تمام تیاریاں مکمل کرنے میں اُسے پورا ایک دن لگا تھا۔ اس نے بلیک زیرو کے ذریعے ایرگلف کے بوئنگ میں دوسرے دن کیلئے چار سیٹیں ریزرو کروا لی تھیں۔ طیارے نے ٹھیک دس بجے دن دے چھوڑ دیا تھا اور اب اُسے اپنی منزل پر پہنچنے میں چند منٹ درکار تھے عمران اپنی نشست پر بیٹھا مسلسل جولیا کو تنگ کر رہا تھا۔ اور جولیا غصے میں بھنائی ہوئی خاموش بیٹھی تھی۔ وہ بمشکل اپنے آپ پر قابو پا رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ عمران کو اٹھا کر کھڑکی کے ذریعے نیچے ہی پھینک دیتی۔ عمران کی چھپر خانی کا جواب دیکر وہ طیارے میں خود کو تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ لیکن اپنے چہرے

پر ظاہر ہونے والے شدید غصے کی علامات وہ نہیں چھپا سکتی تھی جس کے سبب اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس آتش رنگت نے اُسے کچھ زیادہ ہی خوبصورت بنا دیا تھا۔

”کیا بات ہے جولی ڈار لنگ بڑی سُرخ نظر آرہی ہو۔ کہیں چمگادڑ کے خون میں ڈبکی لگا کر تو نہیں آئیں۔ ذرا اپنے رُخ روشن کو پیچھے کی طرف بھی گھما دو تاکہ رقیب روسیہ کے دل کو چین اور سُخ کو آرام نصیب ہو۔ ہائے بیچارہ۔ کتنی بیچینی سے کروٹیں بدل رہا ہے تیج تیج تیج“ اس نے تاسف سے کہا لیکن انداز چڑانے والا ہی تھا۔

”کیا تم اپنی چونچ بند کرنے نہیں رکھ سکتے؟“ تنویر نے اُگے جھک کر اسکے کان میں سرگوشی کی۔ وہ کافی دیر سے صبر کئے بیٹھا تھا لیکن بلاخر اسکے صبر کا پیمانہ چھلک ہی پڑا اھو وہ زبان کھولے بغیر نہ رہ سکا۔ ”اگر تم نے اب کوئی بد تمیزی کی تو یاد رکھو گردن توڑ دوں گا“ اس کے لہجے کی عزاہٹ نمایاں تھی۔

”اماں منہ پرے کرو کیا لونڈیوں کی طرح کھسک پھسک کر رہے ہو مردوں کے طرح بات کرو“ بھڑوں کے چھتے میں جان بوجھ کر ہاتھ ڈالتے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے یہی کچھ تنویر کے ساتھ ہوا۔ عمران نے اسکی سرگوشی کے جواب میں چیخ کر اُسے مخاطب کیا۔ اس کی آواز اتنی تیز تھی کہ طیارے میں موجود تمام لوگ چونک چوٹے۔ چونک کر اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ اس سے پہلے کہ تنویر بھی عمران کے دو بدو جواب دیتا۔ اور معاملہ بگڑتا صفدر نے تنویر کا شانہ دبا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ لوگ تجسس سے ان ہی کی جانب دیکھ رہے تھے اس لئے تنویر نے



خاموش رہنے ہی میں عافیت جانی۔ لیکن وہ اس خوفناک انداز میں عمران کو گھورتے لگا جیسے موقع ملتے ہی اُسے کچا چبا جائیگا۔ عمران پر بھلا اسکے غصے کا کیا اثر پڑتا۔ اس نے جب تنویر کو خوفناک انداز میں گھورتے ہوئے پایا تو مسکرا کر اُسے آنکھ مار دی۔ — ”کتنی مخمور ہیں تمہاری آنکھیں

دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں۔“ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر فدویانہ انداز میں جھکا مگر سی کر کے رہ گیا۔ اب کہ جویا نے دانت کچکپاتے ہوئے اس کی کمر میں زور دار چٹکی لی تھی۔ وہ کمر پکڑے ہائے کرتا رہا اور جویا انجان بنی رسلے کے مطالعے میں مصروف رہی پھر اس کی یہ ”ہائے ہائے“ اس وقت رُکی جب طیارے میں چولان ایرپورٹ پر لینڈ کئے جانے کی اطلاع۔ اناؤنسمنٹ ہوئی۔ تمام مسافر اپنے اپنے بلیٹ باندھنے لگے۔ عمران کی ہائے ٹائے بھی رُک چکی تھی اور وہ بھی بلیٹ کتنے میں مصروف تھا۔

طیارے کی بلندی کم سے کم تر ہوتی گئی۔ بلاآخر اس کے پہیے زمین سے ٹکے اور وہ کسی منہ زور گھوڑے کی طرح رن وے پر دوڑتا چلا گیا۔ چند لمحوں بعد طیارہ ایرپورٹ ٹرسٹل کی عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ سیڑھی لگانے کے بعد دروازہ کھولا جا چکا تھا۔

مسافر آہستہ آہستہ ایک لائن میں بیچے اترنے لگے۔ کچھ دیر بعد عمران جویا، مصفر اور تنویر بھی طیارے سے اتر کر ایرپورٹ کی عمارت کی طرف جا رہے تھے اُن کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے سوٹ کیس تھے۔ کسٹ چیکنگ کے عمل نے انہیں جلد ہی فارغ کر دیا۔ جب وہ ایرپورٹ کی عمارت سے باہر آئے تو

ہوٹل براڈوے کی کار اُن کی منتظر تھی جس میں عمران نے فون کے ذریعے کمرے بک کرائے تھے۔ ایک پورٹرنے اُن کے ہاتھ سے سوٹ کیس لیکر جلدی جلدی ڈکی میں رکھے۔ اس اشار میں وہ چاروں کار میں بیٹھ چکے تھے۔ باوردی ڈرائیور نے نہایت سلیقہ سے کار اسٹارٹ کی اور مناسب رفتار سے اُسے ڈرائیو کرنے لگا۔ راستے میں یہ بات عمران ہی نے نہیں بلکہ ذہین صفدر نے بھی ٹوٹ کی تھی کہ

ڈرائیور سمیت تمام لوگوں کے چہروں پر ایک یاس اور مایوسی کی کیفیت چھائی ہوئی ہے وہ جوش و خروش جو لوگوں میں عام طور پر ہوتا ہے یہاں کے لوگوں میں مفقود تھا۔ وہ بے دلی اور کسی قدر رنجیدگی سے اپنے اپنے کاموں میں مہرور تھے۔ بازاروں کی رونق بھی برائے نام تھی۔ مارکیٹوں میں بیشتر دوکانیں بند ہی تھیں۔ کچھ یہی صورتحال انہوں نے ہوٹل براڈوے میں دیکھی۔ جس وقت وہ پورٹروں کی معیت میں ہوٹل میں داخل ہوئے انہوں نے اس انٹرنیشنل ہوٹل کو بھی کچھ سونا سونا پایا۔ کاؤنٹر گرل نے اُداس سی مسکراہٹ سے اُن کا استقبال کیا اور ویٹر کو اُن کے کمروں کی چابی دیکر اسکی معیت میں انہیں اپنے کمروں کی جانب روانہ کر دیا۔

یہ ہوٹل کافی وسیع و عریض اور کئی منزلوں پر مشتمل تھا۔ عمران وغیرہ بیر کی معیت میں لفٹ کے ذریعے پانچویں منزل پر پہنچ گئے۔ بیر انہیں لئے ہوئے کوریڈور سے گذر کر روم نمبر تھری تھری فور تھری فائیو اور تھری سکس کے سامنے پہنچ گیا۔ کمرے کھولنے کے بعد پورٹروں نے اُن کا سامان اُنکے کمروں میں رکھا اور بیر سر جھکا کر باہر نکل آیا۔

سفر کی تھکان کا بہترین علاج غسل ہوتا ہے۔ لہذا جویا کے علاوہ وہ



تینوں اپنے اپنے کمروں سے ایلیج ہاتھ روم میں گھس گئے۔ جبکہ جولیا اپنے کمرے میں پرس تپائی پر رکھنے کے بعد آرام کرسی پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ مقصد ذہن کو نارمل کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

عمران نے غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا اور ابھی بیرے کو بلانے کے لئے گھنٹی دباتے ہی والا تھا کہ اُسے بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی تھری پیس کے نفیس سوٹ میں ملبوس ایک وجیہہ اور شکیل نوجوان کھڑا کھٹا جکے ایک ہاتھ میں خوبصورت سا بریف کیس تھا۔ عمران نے استہقامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”مجھے سجاد کہتے ہیں۔ میں ہزرائی نس کا پرسنل سیکریٹری ہوں۔“ اس نے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ عمران نے گرمجوشی سے مصافحے کے بعد اُسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

پرسنل سیکریٹری آف ہزرائی نس سجاد کمرے میں داخل ہو کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا جبکہ عمران نے اس کے قریب والی نشست سنبھال لی تھی۔

”آپ کی آمد کی اطلاع پاتے ہی ہزرائی نس نے مجھے روانہ کر دیا تھا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے محل میں قیام کریں۔ لیکن یہ چیز شاید آپ کیلئے مناسب نہیں تھی بہر حال کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو بلا تکلف یاد فرما لیجئے گا۔ آپ کی خدمت کر کے ہمیں بے انتہا خوشی محسوس ہوگی۔“

”شکریہ سجاد صاحب۔ مجھے بس ذرا تفصیل سے آگاہ کر دیں۔“ وہ سنجیدہ

لیجے میں بولا۔

”میں اسی لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ وہ تمام واقعات جو ابھی تک رونما ہوئے ہیں آپ کے گوش گزار کر دوں۔“

سجاد نے بریف کیس کھولا اور ایک بڑا سا فوٹو عمران کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ ہے وہ گوریلا نما عفریت، جس نے ریاست کو جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔“

عمران فوٹو لے کر غور سے اُسے دیکھنے لگا۔ فوٹو عمران کے ہاتھ میں دیکر

سجاد اُسے گوریلا نما عفریت کی تباہیوں کے واقعات سنانے لگا۔ اس نے اپنے

مسلح افواج کے حملے کا بھی ذکر کیا جس میں اس نے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں استعمال کی

تھیں اور اس عفریت نے ان کو کھلونوں کی طرح اٹھا اٹھا کر پھینکا تھا۔ عمران بغور

یہ خوفناک داستان سنتا رہا۔

”سجاد صاحب آپ کی باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا دائرہ کار زیادہ تر شمالی

ساحل پر ہوتا ہے اور کبھی کبھار وہ ادھر ادھر کا رخ کرتا ہے۔ کیا شمالی ساحل کی

جانب کچھ آبادی یا اس قسم کی کوئی چیز۔“ عمران کا سوال گو کہ مبہم تھا لیکن

اُسے سمجھنے میں سجاد کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

”شمالی ساحل کے قریب ہی وہ پہاڑی سلسلہ ہے جس کے دامن میں پلاٹینم کی

کانیں موجود ہیں۔ اس کے خوف سے اُن کانوں میں بھی کام بند ہو گیا ہے جس کا

وجہ سے ریاست کو بہت زبردست نقصان ہو رہا ہے۔“

”خیر آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ کوئی نہ کوئی بہتر صورت نکل ہی آئے گی۔“

”مجھے بھی خدا کی ذات سے یہی اُمید ہے۔ اچھا عمران صاحب اب میں



چلتا ہوں — آپ کی سہولت کیلئے ہوٹل کے پارکنگ میں دولیت ڈور کھڑی ہے  
میں — یہ کاغذات لیجئے ان میں یہاں کے بارے میں مفید معلومات موجود ہیں “  
اس کے ساتھ ہی سجاد کھڑا ہو گیا —

”کوئی تکلیف ہو تو بلا جھجھک یاد فرمائیے گا“

اس نے ایک بار پھر یاد دہانی کرائی اور عمران سے مصافحہ کرنے کے بعد کمرے  
سے باہر نکل گیا —

اس کے جانے کے بعد عمران سجاد کے دیئے ہوئے کاغذات کے مطالعہ  
میں غرق ہو گیا تھا —

چولان ، —

کا شمالی ساحل پر سکون تھا — صرف ساحل سے ٹکراتی موجوں کا شور ماحول  
کے سکون کو درہم برہم کرنے کی کوشش کر رہا تھا — یہ علاقہ اب سے چند دن پہلے  
بہت بارونق اور خوبصورت تھا — لیکن گوریلا نزعیت کی ہلاکت آفرینیوں کے  
باعث ویرانے میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا — ساحل کے ساتھ ملے ہوئے خوبصورت  
اسٹال دیدہ زیب گارڈن اور اونچے اونچے بنگلے اس کی تباہیوں کی زد میں آکر —  
کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے تھے — آبادی کے نام و نشان مفقود ہو کر بھیاٹک  
ویرانوں میں تبدیل ہو گئے تھے — خاص طور پر شمالی علاقہ جہاں کے پہاڑوں کے دامن  
سے دنیا کی سب سے مہنگی دھات نکالی جاتی تھی جس کے سبب یہاں مزدوروں اور دیو  
ہیکل مشینوں کے شور میں ویرانے بھی بارونق علاقوں میں تبدیل ہو گئے تھے — لیکن  
اب سب کچھ خاموش — ہر چیز اپنی جگہ ساکت صرف اکا دکا آبی پزندوں کی یا سمندر  
کی موجوں کے علاوہ وہاں کوئی آواز نہیں تھی — ساحل سے کافی فاصلے پر آرٹیکور  
کا چاق و چوبند دستہ نگرانی میں مصروف تھا — سمندر کی معمول کے مطابق بہتی ہوئی  
موجوں میں اچانک طغیانی کی کیفیت طاری ہو گئی بڑی بڑی موجیں ساحل سے سر

عملات سیزیز کے شاہکار خاص نمبر  
بلیک بزنس گیم آف ڈیٹھ  
اسپائے اسمیٹر مشا کے ہمسفر

ایس قریشی کے یہ ناول نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب  
کریں



ٹھکانے لگیں۔ ایک جوار بھانا تھا جو سمندر پر اچانک طاری ہو گیا تھا۔ آرڈر کور کے کیپٹن نے دور بین کے ذریعے سمندر کی اس اچانک بدلتی ہوئی کیفیت کو دیکھا اور اپنے نائب کو سنگل دے دیا۔ کیپٹن ان علاقوں سے بخوبی واقف تھا۔

نائب کا اشارہ پاتے ہی آرڈر کور کا دستہ تیار ہو گیا۔

کیپٹن نے خطرے کا سنگل دائر لیس سیٹ کے ذریعے جو اس کی آرڈر کور میں لگا ہوا تھا۔ اپنے ہیڈ کوارٹر کو دے دیا۔ چند لمحوں بعد درجنوں خطرے کے سائرن اپنی بھیانک اور کرخت آواز میں چنچ پڑے۔ ان سائرنوں کی آواز چولان شہر اور اس کے گرد و نواح میں دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی۔ سائرنوں کی آواز کے ساتھ ہی شہر میں جیسے بھونچال آگیا۔ ہر شخص جو بھی کام کر رہا تھا چھوڑ چھاڑ کر پناہ گاہ کی طرف دوڑ پڑا۔ جو حکومت نے گوریلا نما عفریت سے انسانی جانیں بچانے کے لئے جگہ جگہ کھود رکھی تھیں۔ لوگ خوفزدہ نظروں سے اپنے اپنے گھروں اور عمارتوں پر چڑھے شمالی ساحل کے اس علاقے کو دیکھ رہے تھے جہاں طوفانی موجوں کے بے پناہ شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

آرڈر کاروں نے پوزیشن یعنی شروع کر دی تھیں۔ کیپٹن اپنی آرڈر کار میں کھڑا دور بین سے بدستور ساحل کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ ایک بڑی سی موج ساحل پر آنے سے پہلے پھٹی۔ اور اس میں سے وہی تباہیوں اور بربادیوں کا پیکر ابھرا۔ کیپٹن کا حلق خشک ہونے لگا لیکن اس نے دور بین اپنی آنکھوں سے نہیں ہٹائی۔ گوریلا نما عفریت دیو پیکر موجوں کو ہاتھوں کے اشارے سے پیچھے دھکیلتا ساحل کی جانب آ رہا تھا۔ اسکے لمبے لمبے قدموں نے چند ہی لمحوں

میں اسے ساحل پر لا کھڑا کیا۔ ساحل پر آنے کے بعد اس اپنی چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ سونگھا۔ اور ستون ستونی وزنی قدم اٹھاتا اسی جانب بڑھنے لگا جہاں آرڈر کور کے دستے نے پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ اس کے قدموں کی دھمک سے زمین پر لرزش طاری تھی۔ آرڈر کور کے کیپٹن نے جب دور بین کے ذریعے دیکھا کہ اس گوریلا نما عفریت کا رخ اسی کی جانب ہے تو اس نے دائر لیس پر اپنے ماتحت کو اشارہ دیا۔ تقریباً تمام ہی آرڈر کاریں ایک ساتھ حرکت میں آئی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ بڑھا کر چند گز پیچھے ہوئیں۔

وہ اب ایک بڑے دائرے کی پوزیشن میں آگئی تھیں۔

گوریلا نما عفریت بدستور آگے بڑھ رہا تھا۔

کیپٹن نے بغیر دور بین کے اس کے ٹارگٹ کا اندازہ لگایا۔ اور دائر لیس کے ذریعے اپنے دستے کو فائر کا آرڈر دے دیا۔

چالیس آرڈر کاروں کی توپیں ایک ساتھ گر جیں اور چالیس گولے بیک وقت گوریلا نما عفریت کے جسم پر لگے اُسے ایک زبردست جھٹکا لگا۔ لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اور دوسرا قدم اٹھایا۔

کیپٹن کا اٹھا ہوا ہاتھ گرا ساتھ ہی ایک مرتبہ پھر اس کے منہ سے "فائر" کی آواز نکلی۔ چالیس گولے ایک بار پھر اسکے جسم سے ٹکرائے حسب سابق وہ لڑکھڑایا اور ایک قدم آگے بڑھا دیا۔ چالیس گولے ایک مرتبہ پھر اسکے جسم سے ٹکرائے۔ آرڈر کور کا دستہ قدم قدم پر سخت مذاہمت کر رہا تھا لیکن گوریلا نما عفریت پر ان



کا خاص اثر نہیں ہوا تھا اور وہ بدستور قدم بہ قدم آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔  
جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا آرڈر کور کا دستہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔  
قائم مسلسل جاری تھا۔

اس کے علاوہ اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ مسلسل فائر کے ذریعے  
اسے اپنی طرف بڑھنے میں روکاؤٹ کھڑی کریں تاکہ لوگوں کا کم سے کم نقصان ہو سکے  
چونکہ جب وہ گوریلا نما عفریت شہر میں داخل ہو جاتی تھی تو پھر اُن کیلئے کسی قسم کی  
کارروائی کرنا ناممکن ہو جاتا تھا۔

یہاں چونکہ ساحل علاقہ تھا اس لئے ایک بڑا رقبہ ریتلے میدان کی صورت میں  
موجود تھا جس میں وہ اپنے بے پناہ فائر کے ذریعے گوریلا نما عفریت کو کچھ دیر کے لئے  
بہر حال روک سکتے تھے۔

دھماکوں کی خوفناک آوازیں شہر میں بازگشت کی طرح گھوم رہی تھیں۔ لوگ  
نہایت دہشت زدہ نظروں سے گوریلا نما عفریت کو سرخ سرخ گولوں سے ٹکراتے  
اور آگے بڑھتے دیکھ رہے تھے۔ چولان کا شہر خون و دہشت کی آماجگاہ بنا۔  
اپنے انجام کا منتظر تھا۔

عمران صفدر تنویر اور جولیا اس وقت ہوٹل براڈوے کے ڈائننگ سال میں  
بیٹھے کھانے کے ساتھ ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔

ہزائی نس کے پرسنل سکریٹری سجاد سے حاصل ہونے والے کاغذات  
کے مطالعے کے بعد اُسے بہت سی اہم باتوں کا تفصیلاً علم ہو گیا تھا۔  
عمران نے چونکہ حسب سابق اپنے موجودہ مشن سے ابھی تک اپنے ساتھیوں کو

کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس لئے وہ کھانے کے دوران مختلف طریقوں سے اس پر دباؤ  
ڈالتے رہے کہ وہ موجودہ معاملے کے متعلق کچھ بتا دے۔

عمران کو بتانے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ بلکہ اسکے خیال میں اسکے ساتھی  
اگر حالات سے باخبر ہوں تو بہتر طریقے سے اپنے فرائض انجام دے سکیں گے اور  
موجودہ معاملہ تو ایسا تھا کہ وہ کسی قسم کا رسک لینا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اس نے اس وقت تک زبان بند رکھی جب تک جولیا صفدر اور تنویر  
اپنی اپنی کہہ کر خاموش نہیں ہو گئے۔ وہ انھیں کافی دیر تک تنگ کرتا رہا۔ جب  
وہ تینوں عاجز آکر اٹھ کر جانے لگے تو اس نے انھیں دوبارہ بٹھا دیا اور کچھ کہنے کیلئے  
منہ کھولا ہی تھا کہ سائرن کی بھیانک آواز اسکی سماعت سے ٹکرائی جس کے ساتھ ہی  
ڈائننگ سال میں افراتفری پھیل گئی۔

لوگ اپنا اپنا کھانا چھوڑ کر ایک دوسرے کو دھکیلتے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے  
بیردنی دروازے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔  
اسی دھماکا پیل میں کئی خواتین بچے اور ضعیف آدمی لوگوں کے پیروں تلے آکر  
روندے گئے تھے۔

عمران صفدر جولیا اور تنویر تصویر حیرت بنے اس افراتفری کے عالم کو دیکھ رہے  
تھے۔ صفدر تنویر اور جولیا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ ڈائننگ  
سال جب خالی ہو گیا تو انھوں نے حیرت زدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔  
تینوں کی نظریں ایک ساتھ عمران پر اٹھیں تھیں۔ لیکن وہ اپنی جگہ تھا کہاں جو  
انھیں دکھائی دیتا۔ اسکی خالی سیٹ اُن کا منہ چڑا رہی تھی۔ اور عمران سچویشن کا اندازہ



کرتے ہی ریلے کے ساتھ باہر آگیا تھا۔ لوگ تیزی سے مختلف پناہ گاہوں کی طرف دوڑ رہے تھے کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔

عمران بھی تیزی سے دوڑ پڑا لیکن اس کا رخ کسی پناہ گاہ کی بجائے پورٹیکو کی طرف تھا۔ پورٹیکو میں پہنچ کر اس نے ہزہائی نس کی بھیبھی ہوئی لینڈ روور کا دروازہ کھولا۔ چابی اس کے پاس پہلے ہی موجود تھی۔ انجن ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ اسٹارٹ ہوا۔ عمران نے کار کا گیر بدلا اور اسٹیرنگ ہوٹل براڈوے کے مین گیٹ کی طرف کاٹ دیا۔ جس وقت وہ مین گیٹ عبور کر کے سڑک پر آ رہا تھا تو اس نے زوردار دھماکوں کی آوازیں سنی۔ دھماکے اتنے شدید تھے کہ بلڈنگوں کے شیشے ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گرنے لگے۔ سڑک پر آتے ہی اس نے اپنی کار کا رخ شہر کے شمالی ساحلی علاقے کی جانب کر دیا۔ اس کی کار برق رفتاری سے تارکول کی سیاہ اور چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ دھماکوں کی آوازیں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھیں وہ ہونٹ بھینچے۔ ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ سڑکیں سنسان اور بازاروں پر موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔ اس وقت اُسے کوئی بھی متنفس نظر نہیں آیا۔ حالانکہ جہاں سے وہ گزر رہا تھا وہ شہر کا سب سے گنجان علاقہ کہلاتا تھا۔

شدید دھماکوں سے زمین لرز رہی تھی اور عمران دانت بھینچے تیز رفتاری سے ساحل کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔

برق رفتاری سے گاڑی چلائے ہوئے وہ جلد ہی اس سڑک پر پہنچ گیا جو آگے جا کر ساحل پر ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن ذرا آگے جانے کے بعد اُسے اپنی کار کو دینی پڑی۔ چونکہ سڑک کے بیچوں بیچ ایک آرٹڈ کار کھڑی تھی جس سے ساحل کی جانب

فاٹر کیا جا رہا تھا۔

آرٹڈ کار کے قریب ہی سڑک پر ایک لیفٹیننٹ کھڑا تشویش سے سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی ایک کار اس جانب آتی دیکھی۔ اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ عمران نے اس سے ذرا فاصلے پر کار روکی تھی۔

لیفٹیننٹ تیزی سے اس کی کار کے قریب آیا۔  
”آپ آگے نہیں جاسکتے“ اس نے کار کی کھڑکی میں منہ گھسیڑ کر کہا۔ ”برائے کرم اپنی گاڑی واپسی موڑ لیں اور جتنی جلد ہو سکے اُسے چھوڑ کر کسی پناہ گاہ کا رخ کریں“

لیفٹیننٹ کے جواب میں عمران نے جیب سے وہ خصوصی اجازت نامہ نکال کر جو پرسنل سکریٹری سجاد نے اُسے دیا تھا۔ خاموشی سے اس کے ہاتھ میں تھا دیا۔ لیفٹیننٹ نے غور سے اس کی تحریر پڑھی اور حیرت زدہ انداز میں کارڈ اُسے واپس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اسے زوردار سلوٹ کیا اور آگے جلتے کی اجازت دے دی۔ عمران نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور آرٹڈ کار کو کراس کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ کچھ ہی دور جانے کے بعد اُسے وہ گوریلا نما عفریت نظر آگئی جو اب ساحل سے بہت دور آگئی تھی اس کا رخ شہر سے آنے والی اسی سڑک کی طرف تھا جس پر عمران کی کار خود اسی کی جانب بڑھ رہی تھی۔

عمران نے کھوڑی دور لے جا کر اپنی کار روک دی۔ آرٹڈ کار اس سے پچاس گز کے فاصلے پر تھی جس سے مسلسل فاٹر آ رہا تھا۔ عمران نے انجن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔ وہ بڑے غور سے گوریلا نما عفریت کا جائزہ لے رہا تھا۔ جو



فائر کی بوجھاڑ پر جھٹکا کھا کر رکتا اور پھر آگے بڑھنے لگتا۔ عمران کے چہرے پر گہری تشویش تھی اور وہ فکر مند نظروں سے اسکی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا۔ اس قدر دیوہیل گوریلا اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف فائروں کی شدت ہی سے عمران نے اندازہ لگایا تھا کہ اسکا مقابلہ اس مرتبہ نہایت انوکھا اور سخت ہے بلکہ وہ اپنے مد مقابل کے آگے چھوٹی جتنی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

عمران اسکی طرف دیکھتے ہوئے سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں اسطرح غرق ہوا کہ اسے گوریلا نما عفریت کے قریب ہونے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ چونکا اس وقت جب گوریلے کی دھمک سے زمین لرزنے لگی۔ گوریلا نما عفریت سڑک پر پہنچ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ لیفٹیننٹ نے اپنی آرڈر سے جب دیکھا کہ گوریلا کسی بھی لمحے عمران کے سر پر پہنچ سکتا ہے تو اس نے اپنی بکتر بند کو آگے بڑھانے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظروں میں عمران کی جان بہت قیمتی تھی جس کیلئے اس نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کی بازی لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ آرڈر کار تیزی سے آگے بڑھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ عمران تک پہنچتی گوریلا نما عفریت عمران کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھوں سے عمران کو گھور رہا تھا۔

اس کا بڑا سا ہاتھ عمران کی طرف بڑھا۔ عمران بجلی کی طرح اُچھلا اور اسکے ہاتھ کی زد سے نکلے ہوئے کار کی طرف چھلانگ بگادی۔

گوریلا نما عفریت نے اپنا پیر اٹھایا۔ اس کا پاؤں عین عمران کی کار کے اوپر تھا۔ دوسرے ہی لمحے اسکے پاؤں کے بوجھ سے کار پچ کر سڑک کے برابر ہو گئی۔

لیفٹیننٹ نے خوف سے منہ پھیر لیا اور آرڈر کار کو تیزی سے موڑنے کا حکم دیا۔ آرڈر کار جھٹکا کھا کر مڑی اور پوری رفتار سے پیچھے دوڑتی چلی گئی۔ لیفٹیننٹ حسرت سے پچھلی ہوئی کار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خود بخود آنسوؤں کے قطرے نکلنے اور گالوں پر ڈھلکتے چلے گئے۔



ایسا قریب تھا کہ شاہکار خاصا نمبر  
نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں !

اسپاٹے اسمیٹر  
بلیک بزنس  
بلیک سٹریٹ  
گیم آف ڈیٹھ  
موت کے ہمسفر



پھوٹنے کی آوازیں آرہی تھیں —

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چولان پر اچانک جنگ کے مہیب بادل چھا گئے ہوں  
سجوشن کے بدلتے ہوئے رنگوں نے انہیں جیسے سن کر کے رکھ دیا تھا —

دھماکوں کی آوازیں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھیں —

غیر متوقع طور پر ایک فوجی ڈائننگ سال میں داخل ہوا — اسکا رخ اُن کی  
میز کی طرف ہی تھا — وہ لوگ پریشان چہرے لئے فوجی کو اپنی جانب آتے دیکھتے ہیں  
اس کے سینے پر لگے ہوئے تمغوں سے وہ کیپٹن نظر آ رہا تھا —

اس نے اُن کی میز کے قریب پہنچ کر مودبانہ انداز میں سیلوٹ کیا —

وہ تینوں اُسے استہقامیہ نظروں سے دیکھنے لگے —

”معزز مہانوں سے درخواست ہے کہ ہوٹل کے لان میں بنی ہوئی پناہ گاہ میں  
تشریف لے جائیں — کیونکہ گوریلا نما عفریت کا رخ اسی جانب ہے اور ہوسکتا  
ہے یہ ہوٹل اس کی زد میں آ جائے “

”مگر کیپٹن ہمارا ساتھی موجود نہیں وہ ابھی یہاں تھا نجاتے کہاں چلا گیا “

یہ جوبلیا تھی جو عمران کی جانب سے تشویش میں مبتلا تھی —

”اوہ ہم انہیں تلاش کرنے کی پوری کوشش کریں گے آپ لوگ ازراہ کرم

فورا پناہ گاہ میں پہنچ جائیں “

اسکے سوال پر کیپٹن نے تشویش زدہ لہجے میں جواب دیا اور تیزی سے

ہوٹل سے باہر نکل گیا —

”یہ عمران کو بھی اسی وقت کہیں مرنا تھا — کبھت ہر موقع پر ہمیں مصیبتوں

صفر، —

تتویر اور جوبلیا اس وقت سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے — جب انہوں نے  
عمران کو اپنی نشست پر موجود پایا —

دراصل جب سے وہ چولان میں داخل ہوئے تھے — یہاں کے سبھی ہوئے ماحول  
کو دیکھ کر اُن کے اعصاب کچھ بھاری ہو گئے تھے — پھر جب انہوں نے خطرے کا سائرن  
بجتنے کے بعد ہوٹل براڈوے کے ڈائننگ سال میں جو افراتفری دیکھی تو لاعلمی کے سبب  
ایک انجانا سا خوف اُن کے دل میں جاگزیں ہو گیا — ایسے موقع پر عمران کا غائب ہو جانا  
اُن کے لئے تشویش ہی کا باعث بن سکتا تھا —

ڈائننگ سال بالکل خالی ہو چکا تھا — انہوں نے اس اثنا میں دیکھا تھا کہ ہوٹل  
کے کمروں میں رہائش پذیر ملکی اور غیر ملکی باشندے بھی نہایت عجلت میں ہوٹل سے باہر نکلے  
تھے یہاں تک کہ بیرے اسٹوارڈ ہوٹل کا دیگر عملہ بھی بھاگ چکا تھا —

وہ گم سم سے بیٹھے اس نئی افتاد کے بارے میں غور ہی کر رہے تھے کہ دھماکوں کی  
آوازیں آتے لگیں — یہ آوازیں اتنی شدید تھیں کہ میز پر رکھے ہوئے کھانے کے برتن ٹھٹھکتے  
لگے — ہوٹل پر مکمل سناٹا چھا گیا تھا صرف دھماکوں کی وجہ سے چیزوں کے ٹھٹھکنے اور ٹوٹنے



میں پھنسا کر خود رفوچکر ہو جاتا ہے۔“ تنویر نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔  
”بکواس مت کرو۔“

جولیا کو تنویر کے لہجے پر تاؤ آگیا۔ ”وہ تمہاری طرح بزدل نہیں ہے جو  
سائقوں کو مصیبت میں مبتلا پھوڑ کر قرار ہو جائے۔“

”تنویر جولیا“ صفدر نے فہمائشی نظروں سے دونوں کی جانب دیکھا۔  
”یہ آپس میں الجھنے کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں فوراً کیپٹن کی ہدایت پر عمل  
کرنا چاہیئے۔“

”آؤ چلیں۔“ اس نے مصالحتی انداز میں کہا اور اپنی نشست سے اٹھ گیا  
جولیا اور تنویر نے ایک دوسرے کو برہمی نظروں سے دیکھا لیکن وہ صفدر

کے پیچھے ہی اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے تھے۔

ہوٹل سے باہر آکر انھوں نے نظریں دوڑائیں۔ ہر جانب ہوکا عالم طاری  
تھا۔ مکمل سناٹے میں فوج کو دو بکتر بند گاڑیاں ہوٹل کے سامنے کھڑی تھیں۔

کچھ فوجی اُن پر بیٹھے دُور ہیں سے سامنے کی جانب دیکھ رہے تھے۔

صفدر جولیا اور تنویر کے ساتھ لان کی طرف بڑھ گئے۔

ہوٹل براڈوے کا خوب صورت اور وسیع دعرمین لان کو کھود کر زیرِ

زمین پناہ گاہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

صفدر جولیا اور تنویر پناہ گاہ میں داخل ہو گئے۔ اس پناہ گاہ

میں رہائش پذیر افراد اور عملے کے علاوہ اور بہت سارے لوگ کھڑی ہوئی

کچی زمین میں قطاروں میں بیٹھے ہوئے تھے اور خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے

کو ٹمک رہے تھے۔ خصوصاً عورتوں اور بچوں کی تو خوف سے بُری حالت تھی  
کئی شیرخوار اور نونہال، ماحول کی کثافت سے لاپرواہ گھٹن کی وجہ سے روئے  
پچلے جا رہے تھے۔ اُن کی مائیں خوفزدہ نظروں سے اُن لوگوں کے چہروں کو تکتے  
ہوئے جو بچے کے رونے کی آواز کی وجہ سے خونخوار نظروں سے انھیں اور اُن  
کے بچوں کو دیکھ رہے تھے اپنے اپنے بچوں کو چپ کرانے کی حت امکان کوشش  
کر رہی تھیں۔ کئی ایک کمزور دل کے افراد ایسے بھی تھے جن پر خوف کی وجہ  
سے کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ ہوٹل کے منتظرین بچوں کو خاموش کرانے کیلئے  
اُن کی ماؤں کی مدد کر رہے تھے۔ کیونکہ شور سے اُن کی اپنی جانوں کو خطرہ  
لاحق ہو سکتا تھا۔

یہ پناہ گاہ ڈبلیو ڈبلیو کی شکل میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بتائی گئی  
تھیں۔ اُن کے اوپر گھاس وغیرہ ڈال دی گئی تھی تاکہ سرسری طور پر دیکھنے والے  
کو پناہ گاہ نظر نہیں آ سکے۔

صفدر تنویر اور جولیا پناہ گاہ میں داخل ہونے کے بعد ایک جانب بیٹھ

گئے۔ چونکہ وہ سب سے آخر میں پناہ گاہ میں داخل ہوئے تھے اس لئے ان تینوں

کو اس کے سوراخ کے قریب ہی جگہ ملی وہ پناہ گاہ کے اندر سے باہر دیکھ

سکتے تھے۔

دفعۃً ہوٹل کے سامنے کھڑی ہوئی دونوں بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آ گئی

اور مہیب آواز پیدا کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگیں۔

دھماکے شدت اختیار کرنے کے بعد ختم ہو چکے تھے۔ سٹانے میں



بکتر بند گاڑیوں کی دُور ہوتی ہوئی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی —  
 شدید اعصابی تناؤ کی وجہ سے لوگوں کے حلق پیاس کی وجہ سے خشک ہو  
 رہے تھے — تنویر صفر اور جولیا کا بھی یہی عالم تھا — مگر انہوں نے اپنے آپ  
 پر قدرے قابو پالیا تھا — خوف کا عنصر بھی رفتہ رفتہ اُن کے دلوں سے کم ہوتا جا  
 رہا تھا — جیسے سیموئیل سمجھ میں آتی جا رہی تھی اُن کی صلاحیتیں واپس آتی جا رہی  
 تھیں —

وہ تینوں اب ماحول کا گہری نظروں سے جائزہ لے کر آنے والے حالات  
 کا اندازہ لگا رہے تھے —

بکتر بند گاڑیوں کی آواز بھی دُور ہوتے ہوتے اب بالکل مفقود ہو چکی تھی  
 پناہ گاہ کے اندر جو بچے رو رہے تھے وہ بھی کسی انجانے خوف کے باعث اب  
 خاموش ہو گئے تھے —

پر سکوت ماحول میں اچانک دھم دھم کی دھمک سے زمین لرزنے لگی —  
 یہ آوازیں سن کر لوگوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے اور اُن پر موت کی زردی چھا  
 گئی جیسے جیسے دھم دھم کی آواز بڑھتی جا رہی تھی — ویسے ویسے زمین کی لرزش  
 میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا —

دھمک کچھ دیر کے لئے رکی زمین کی لرزش تھمی اور ایک کان بھاڑ دینے  
 والا دھماکہ ہوا جس کے ساتھ ہی بے شمار لوگوں کی چیخ و پکار کی وجہ سے ماحول  
 پر چھایا ہوا سکوت ایک دم در دھم برہم ہو گیا —

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بڑی عمارت اچانک زمین بوس ہو گئی ہو

اور اس کی زد میں آنے والے لوگ بے تحاشہ مدد کے لئے چلا رہے تھے —  
 ابھی وہ تینوں اس جھٹکے سے سنبھلتے بھی نہ پائے تھے کہ ایک اور زور  
 دار دھماکہ ہوا — چیخ و پکار میں مزید اضافہ ہو گیا —

صفر تنویر اور جولیا تشویش زدہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے  
 اچانک ایک تیسرا دھماکہ ہوا — یہ دھماکہ بہت شدید تھا — لوگوں کی  
 نظریں بے اختیار پناہ گاہ کے سوراخ سے باہر بگولے پر پڑیں جو گرد و غبار  
 سے پیدا ہوا تھا — یہ دھماکہ نزدیک ہی کہیں ہوا تھا — لوگوں کی بے تحاشہ  
 چیخ و پکار نے نہایت خوفناک سماں پیدا کر دیا تھا — وہ تینوں ڈھے جانے  
 والی عمارت کے بلے سے اُٹھتے ہوئے بگولے کو دیکھ رہے تھے —

گہرے سرمئی رنگ کا گولہ جیب اوپر آسمان میں پہنچ کر منتشر ہوا —  
 اور اس کا زور ٹوٹا تو اُسے دیکھ کر اُن کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ  
 گئیں —

جولیا خوف سے کپکپاتے ہوئے صفر سے چمٹ گئی — تنویر نے بھی  
 خوف سے آنکھیں بند کر لیں — پناہ گاہ میں کئی لوگ خوف کے مارے بیہوش  
 ہو گئے — جو ذرا سخت دل تھے انہوں نے بھی اپنا منہ پھیر کر آنکھیں بند کر لیں  
 تھیں — خود صفر کا بھی بُرا حال تھا جو پناہ گاہ کے عین منہ پر بیٹھا تھا —  
 اس نے خوف سے ایک جھرجھری لی — اور دہشت زدہ عالم میں اس گوریلا نما  
 عفریت کو دیکھنے لگا — جس کا رُخ اب ہوٹل براڈوے کی طرف تھا — اس  
 سے پہلے وہ ہوٹل سے قریب ہی ایک اونچی عمارت کو زمین بوس کر چکا تھا، وہ



اپنی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں سے ہوٹل کی عمارت کو یوں گھور رہا تھا جیسے کوئی دیو پریوں کی شہزادی کے محل کو گھورتا ہو۔ بلاشبہ وہ کسی دیو سے کم نہیں تھا ہوٹل کی عمارت اس کے آگے کھلونے کی طرح معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ دو قدم اور آگے بڑھا۔ خوشی سے اس کی بانچھیں کھل رہی تھیں جن سے اس کے سفید سفید دانت بھانک رہے تھے۔

ہوٹل کی عمارت کو اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ پلک جھپکتے ہیں کئی منزلہ ہوٹل لمبے میں تبدیل ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

صفدر کا دل اس زور سے دھڑکنے لگا جیسے سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ یہ منظر اس کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر کر خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

ہوٹل کا ہزاروں ٹن لمبہ پرزہ پرزہ ہو کر چاروں طرف بکھر گیا تھا سینکڑوں وزنی شہتیر اور پتھر اُن کی پناہ گاہ پر گرے۔ صفدر نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور تیزی سے تنویر اور جویا کو جو

اس اثناء میں بے ہوش چکے تھے۔ سمیٹ کر کونے میں کر دیا تاکہ وہ اوپر سے گرتے والے لمبے کی زد میں نہ آسکیں۔

اینٹوں اور پتھروں کا یہ طوفان نہ جانے کب تک جاری رہا۔ صفدر کو اس کا ہوش نہیں تھا۔

وہ خود بھی دوسروں کی مدد کے لئے آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ

ایک وزنی اینٹ عین اس کے سر پر آئی۔ اس نے گھبرا کر سر دوسری طرف کر لیا۔ مگر اس کے باوجود اینٹ اس کے سر کے پچھلے حصے پر لگی اس کی آنکھوں میں دیئے جلنے اور بجھنے لگے اور پھر مکمل تاریکی چھا گئی۔

اُسے اس وقت ہوش آیا جب تنویر اُسے جھنجھوٹ رہا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی اپنی آنکھیں کھولیں۔

پناہ گاہ زخمیوں اور مرنے والوں کے خون اور لمبے سے بھر چکی تھی۔ "تم دونوں خیریت سے تو ہو کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ اس نے تنویر اور جویا کی طرف دیکھا جو اس کے سر ہانے بیٹھی اب بھی خوف سے کانپ رہی تھی۔ "ہم بالکل خیریت سے ہیں۔ لیکن تم اُٹھنے کی کوشش مت کرو۔ تمہارا

سر بہت زخمی ہے خون کافی مقدار میں بہہ چکا ہے۔ لیکن معاملہ ایسا تھا کہ صفدر یوں ہی پڑا رہتا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے

تنویر کی بات پر کان نہیں دھرا اور اُٹھنے کی کوشش کی۔ اس کے سر میں ایک شدید ٹیس اٹھی اور درد کی شدت سے وہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔

پناہ گاہ کے منہ پر لمبے کا ایک ڈھیر آن گرا تھا جسکی وجہ سے وہ بند ہو گئی تھی۔ تنویر نے پناہ گاہ کا معائنہ کیا اور افسردہ نظروں سے جویا کی طرف دیکھنے لگا۔

جویا نے صفدر کا سر آہستہ سے اپنے زانوں پر رکھا۔ صفدر کے سر سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ تنویر نے اپنی شرٹ اتاری اور اُسے پھاڑ



کر صفر کے سر کو پٹیوں سے باندھ دیا تاکہ خون رگ بجائے۔ اس کام کے آثار نظر آئے۔ وہ بڑی خندہ پیشانی سے اُن کے قریب آیا۔  
 "شکر ہے آپ لوگ نچ گئے۔ ہم آپ کی جانب سے بڑے فکر  
 کھوڑی دبر بعد باہر سے ملے ہٹائے جانے کی آوازیں آتے لگیں۔ تھکے تھے " اس نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔ اور دونوں کو ساتھ لے کر اپنی  
 خالی نظروں سے اس طرف دیکھتا رہا۔

ملیہ تیزی سے ہٹایا جا رہا تھا اس کے لئے فوجی جوان مشینوں سے کھینچ رہے تھے۔ جب انہوں نے پناہ گاہ کے سوراخ سے ملے ہٹایا تو انھیں  
 سب سے پہلے تنویر نظر آیا۔ جو چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اُن کی طرف سے اچھلتی کودتی سڑک پر آئی۔ تنویر نے حسرت سے اس بلے کو دیکھا  
 دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ زخمی ہیں؟" ایک فوجی نے سوراخ میں منہ ڈال کر تنویر سے

پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن یہاں میرا ساتھی شدید زخمی  
 ہے اور اسکے علاوہ بہت سے لوگ مجھے خیر نہیں " تنویر نے اسکا جواب چنچ  
 کر دیا تھا۔ پھر اس نے جولیو کو اٹھنے میں مدد دی۔

وہ جولیو کو سہارا دے کر پناہ گاہ کے سوراخ تک لایا یہاں سے  
 فوجیوں نے اُسے باہر کھینچ لیا۔

اس کے بعد ایک فوجی سوراخ میں داخل ہوا اور تنویر کی مدد  
 سے ہوش صفر کو بلے تلے دی پناہ گاہ سے باہر نکال لایا۔

اس نے دیکھا باہر وہی کیپٹن کھڑا تھا جس نے انہیں پناہ گاہ میں  
 جانے کی ہدایت کی تھی۔ ان تینوں کو دیکھ کر کیپٹن کے چہرے پر مسرت

ایس قریشی کے شاہکار ناول  
 بلیک سٹریٹ  
 ماسٹر آف دی گیم  
 گیم آف ڈیٹھ  
 موت کے ہمسفر  
 اسپائے اسمیشر  
 بلیک برس  
 نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں!



ت شکلوں میں ڈھالنے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا تھا۔ کثیر سرمائے  
پایہ تکمیل کو پہنچنے والا یہ منصوبہ ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس  
موبے کیلئے سرمائے کی فراہمی کی ذمہ داری پرنس شکیل نے خود لی تھی۔  
ان منصوبوں کی تکمیل ہونے کے بعد سہراب پور اور پاکیشیا دونوں  
فائدہ ہونے کی اُمید تھی۔ اس منصوبے کے تکمیل ہوتے تک سہراب پور  
مجبوراً دو یورپی ممالک کو اپنا پلاٹینم فروخت کرنا پڑ رہا تھا۔

سہراب پور اسٹیٹ،  
سہراب پور کے تجارتی بحری بیڑے کے جہاز دن رات پلاٹینم چولان  
کے تجارتی بیڑے کا سب سے بڑا جہاز ایم وی سلطان سمندر کی  
پر آہستہ خرمی سے بہتا ہوا اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن تھا۔ اسے خوفناک واقعات کے باعث پہاڑوں کے اندر سے پلاٹینم نکالتے کام بند  
منزل اٹاوا اور اس کے بعد جاوا تھی۔

ایم وی سلطان پاکیشیا کی ایک جہاز ساز کمپنی نے ہزاروں ٹن  
مخصوص آرڈر پر بنایا تھا۔ کثیر رقم سے تیار ہونے والے اس جہاز کا  
اسی ہزار ٹن اور رفتار چالیس ناٹ تھی۔ یہ جہاز خاص طور پر خام پلاٹینم  
لئے بنایا گیا تھا۔ اس میں کم و بیش پچاس ہزار ٹن خام پلاٹینم کی گنجائش  
اسٹیٹ کے تجارتی بحری بیڑے میں اس جہاز کے اضافے کی  
سے خام پلاٹینم کو کافی مقدار میں اٹاوا اور جاوا پہنچانے میں آسانی ہو گئی۔  
سہراب پور اپنا یہ خام پلاٹینم جاوا اور اٹاوا کے ہاتھ فروخت کر  
پوری دنیا میں صرف یہ دو ہی جگہیں تھیں۔ جہاں پلاٹینم صاف کرنے اور  
سے مختلف چیزیں بنانے کے کارخانے موجود تھے۔

پرنس شکیل کے بے حد اسرار پر پاکیشیا نے بھی پلاٹینم کی صفائی اور



چولان کی بندرگاہ سے روانہ ہوتے وقت انھوں نے محذوشت حالات کے پیش نظر اپنے جہاز میں حفاظتی تدابیر کے طور پر چند تبدیلیاں کی تھیں۔ اُن کا ماتحت عملہ پوری طرح بھاق و چوبند اور اپنے کام میں ماہر تھا۔ موسم معتدل اور کسی قدر خوشگوار تھا۔ جہاز کا موسم کے متعلق اطلاق دینے والا آلہ اگلے دو چار دنوں میں ایسے ہی موسم کی پیش گوئی کر رہا تھا۔ بحری سفر کرنے والوں کی دلی آرزو رہتی ہے کہ دوران سفر موسم معتدل رہے۔ کیونکہ سمندر کے مزاج کا زیادہ تر انحصار ہواؤں پر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کپٹن مسرور کے چہرے پر چھائی ہوئی طمانیت قابل توجہ نہیں تھی کہ اُن کے سفر کا آغاز کس قدر خوش گوار موسم میں ہوا ہے۔

ایم وی سلطان کو اپنی بندرگاہ چھوڑے چودہ گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے اس عرصے میں اس نے کافی فاصلہ طے کر لیا تھا۔ اور کپٹن مسرور کو اُمید تھی کہ موسم اسی طرح رہا اور وہ اسی رفتار سے چلے تو اگلے دو دنوں میں جہاز اٹوا کی بندرگاہ پر نگر انداز ہو جائے گا۔

وہ انجن روم میں کھڑے فرسٹ انجینئر سے ریاست کے حالات پر گفتگو کر رہے تھے۔ اُن کی گفتگو میں سیکنڈ اور تھرڈ انجینئر بھی شامل ہو گئے وطن سے دور ہونے کے بعد وطن کی فکر انہیں اہل وطن سے زیادہ تھی۔ جہاز کا انجن اپنی پُر شور آواز سے ان کی باتوں میں محل ہو رہا تھا۔ اسی شور کی وجہ سے انھیں ایک دوسرے سے چیخ چیخ کر باتیں کرنی پڑ رہی تھیں۔ اچانک نائب کپتان دوڑتا ہوا انجن روم میں داخل ہوا۔ دور بین اس

کے گلے میں لٹک رہی تھی۔

”سر ہمارے جہاز کو گھیرا جا رہا ہے“

اس نے ہانپتے ہوئے اطلاع دی۔

”کیا کہا۔“ جہاز کو گھیرا جا رہا ہے۔ مگر کیوں؟

ان کے لہجے میں شدید حیرت نمایاں تھی۔

”پتہ نہیں سر آپ خود دیکھ لیں“ نائب کپتان نے تشویش سے کپٹن کو جواب دیا۔

پھر کپٹن دامن رکھا نہیں بلکہ اپنے تینوں انجینئروں کو جہاز سے متعلق۔

ہدایت دے کر وہ عرشے کی طرف دوڑ پڑا۔

چند لمحوں بعد وہ اپنے ہوئے عرشے سے دور بین کے ذریعہ چاروں۔

طرف دیکھ رہا تھا۔ واقعی نائب کپٹن کی اطلاع بالکل درست تھی۔

وہ نامعلوم جہاز تھے کیونکہ اُن پر کسی ملک کا جھنڈا نہیں اہرا رہا تھا

اور نہ ہی کپٹن تلاش کے باوجود کسی جہاز کا ام پڑھ سکا۔

وہ تعداد میں چھ جہاز تھے جن کے رنگ اور بناوٹ ایک ہی کی طرح

کے تھے۔ کپٹن نے اپنی دور بین کے ذریعے اُن پر لگی ہوئی توپیں بھی دیکھ

لی تھیں۔ یہ جہاز جسامت میں ایم وی سلطان سے قدرے چھوٹے تھے۔

وہ انتہائی تیز رفتاری سے ایم وی سلطان کو چاروں طرف سے گھیرنے میں

مصرف تھے۔ کپٹن نے دور بین اپنے نائب کے ہاتھ میں دی اور

دوڑتا ہوا واپس انجن روم میں پہنچ گیا۔



تینوں انجینئر استفہامیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھنے لگے۔  
 ”زبیری اپنی رفتار تیتس ناٹنگ بڑھا دو۔ ہمیں واقعی چند نا  
 معلوم جہاز گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”عالمی تم فوراً ہیڈ کوارٹر سے ریڈیائی رابطہ قائم کرو۔“ اس نے تھرڈ  
 انجینئر کو ہدایت دی اور تیزی سے انجن روم سے باہر نکل گیا۔ اب کہ اس  
 کارخ جہاز کے اگلے حصے کی طرف تھا جہاں دور مار گنیں اور راکٹس لا نچر  
 نصب تھے۔ ان کا علم اُسے دیکھ کر اپنی اپنی جگہوں پر مستعد ہو گیا۔  
 کیپٹن کمانڈر کی طرف بڑھا۔

کمانڈر اُسے اپنی جانب آتا دیکھ کر موڈب ہو گیا۔

”کمانڈر الرٹ۔۔۔ ہمیں کسی دقت بھی تمھاری ضرورت پڑ سکتی  
 ہے۔“ کیپٹن مسرور کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔  
 ”سر کوئی خطرہ۔۔۔“

”اے کمانڈر چند نا معلوم جہاز ہماری جانب بڑھ رہے ہیں۔ ایسا  
 معلوم ہوا ہے۔“ وہ ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔“

کیپٹن نے کہا اور جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے انجن روم کی  
 طرف چلا گیا جب وہ انجن روم میں داخل ہوا تو۔۔۔ تھرڈ انجینئر ریڈیو آپریٹر  
 کی مدد سے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کرتے ہیں کامیاب ہو چکا تھا۔

”ہیلو ہیلو ہیڈ کوارٹر۔ کیپٹن مسرور از کالنگ یو۔“

”یہیں ہیڈ کوارٹر۔“ ایر فون سے ایڈمرل کی آواز ابھری۔

”سرچھ نامعلوم جہاز ہمیں گھیر رہے ہیں۔ اور۔“

”کیا اُن پر کسی ملک کا نام و نشان نہیں ہے؟“

”نہیں سر اُن پر سرے سے کوئی نام و نشان موجود بھی نہیں۔“

”تم اپنے راستے پر پوری رفتار سے چلتے رہو۔ اگر وہ مداخلت کریں  
 تو تم جوابی کارروائی کرو گے ہم تمھاری مدد کیلئے فائٹنگ بوٹس بھیج رہے  
 ہیں۔“

”ٹھیک ہے سر میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔“ کیپٹن وائس  
 کمانڈر سے بات کرنے کے بعد ابھی ایر فون واپس رکھ ہی رہا تھا کہ اُسے  
 ایک اور پیغام کا اشارہ ملا۔ اس نے ایر فون دوبارہ چڑھا لیا

”ہیلو ایم وی سلطان۔“

”کیپٹن سے بات کراؤ۔“ دوسری جانب سے کہا گیا۔

”کیپٹن ہیں تم سے مخاطب ہے۔“

”اچھا کیپٹن صاحب آپ نے غالباً اُن چھ جہازوں کو دیکھ لیا ہوگا جو

آپ کو مکمل طور پر اپنے گھیرے میں لے چکے ہیں۔“

”آپ کون ہیں۔۔۔ اور کیا چاہتے ہیں۔۔۔“

”اُن چھ جہازوں کا کمانڈر۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کسی مزاحمت کے

بغیر اپنے جہاز پر لڑا ہوا تمام پلانٹیم ہمارے جہازوں پر منتقل کر دیں۔“

”ایسا کرنا ناممکن ہے۔ ایسا کبھی اور کسی صورت میں نہیں ہوگا۔“

کیپٹن نے پُر عزم لہجے میں جواب دیا۔



”ٹھیک ہے کیپٹن تو پھر اپنی تباہیوں کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“  
 ”مجھے پرواہ نہیں۔ میں اپنے جیتے جی تم لوگوں کو جہاز کے قریب  
 نہیں آنے دوں گا۔ کیپٹن غصے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔  
 اس نے غصے میں ایر فون پٹکا اور فرسٹ انجینئر کو مزید رفتار۔  
 بڑھانے کی ہدایت دے کر وہ واپس عرشے پر آ گیا۔ چھ جہاز اب بہت  
 قریب آ گئے تھے وہ اس کے جہاز کو مکمل طور پر گھیرے میں لے چکے تھے۔  
 پھر اُن کی توپوں کو حرکت ہوئی اور گولے دھماکوں سے ایم وی سلطان کی طرف  
 آنے لگے۔ کیپٹن نے چیخ کر کمانڈر کو جوابی فائر کا آرڈر دیا۔

”ایم وی سلطان کی گتیں بھی جوابی طور پر اُن جہازوں پر گولے برسائیں  
 لگیں۔ اچانک جہاز کو زور دار جھٹکا لگا۔ کوئی گولہ ایم وی سلطان کے ڈیزل  
 کے ذخیرے پر آ کر گرا تھا۔ ایک زور دار دھماکے کے ساتھ اس حصے  
 میں آگ بھڑک اُٹھی۔ کمانڈر نے راکٹ لانچر کی مدد سے نزدیک آ جانے  
 والے دو جہازوں کو ہٹ کر دیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ ڈوبنے لگے تھے۔  
 لیکن ایم وی سلطان کی حالت بھی خطرناک ہو گئی تھی۔ کیپٹن نے  
 آگ بجھانے کیلئے وائس کیپٹن کو بھیج دیا اور خود عرشے پر کھڑا اپنے جہاز  
 کی پوزیشن بدلتا رہا۔ کیپٹن کی سامنے دماغی کی وجہ سے کئی گولے اس پر آنے  
 کی بجائے سمندر کی نذر ہو گئے تھے۔ اُسے گھیرنے والے جہازوں نے۔  
 فائرنگ تیز کر دی تھی۔

کیپٹن کو یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ کسی طرح وہ

جہاز اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔  
 اس نے اپنے جہاز کو سٹر ڈگری زاویے پر موڑنے کا آرڈر دیا۔  
 جس کے ساتھ اس نے کمانڈر کو بہترین ٹارگیٹ کا اشارہ دیا۔  
 جہاز جیسے ہی گھوما۔ ایم وی سلطان سے دو راکٹ نکلے اور سامنے  
 والے جہاز کے پرچے اڑ گئے۔ اس کے مقابل اب تین جہاز رہ گئے تھے  
 لیکن وہ تینوں اب بھی اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔  
 جبکہ ایم وی سلطان پر لگی ہوئی آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی اور  
 جہاز کا پچھلا حصہ آہستہ آہستہ سمندر میں بیٹھ رہا تھا۔ کیپٹن کو اپنا  
 انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن وہ نہایت جواں مردی سے اس وقت تک  
 ڈٹا رہا۔ اور اس وقت تک مزاحمت کرتا رہا جب تک ایم وی سلطان پانی  
 کی تہہ میں نہیں پہنچ گیا۔ کیپٹن بھی جہاز کے ساتھ ہی سمندر کی تہہ  
 میں پہنچ چکا تھا۔



ایس قریشی یہ ناول عمران سیریز

موت کے ہمسفر گیم آف ڈیٹھ  
 آج ہی طلب کریں



عفريت کی توجہ بکتر بند کی طرف مبذول ہو جاتی اور عمران اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ کر سکتا تھا۔

اور ہوا بھی یہی جب بکتر بند تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑی تو۔ گوریلا نما عفریت بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی اس طرح عمران نے میدان خالی دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور گوریلا نما عفریت کی پشت کو گھورنے لگا جو اب اس سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔

یہ عمران ہی تھا جس نے نہایت اعتماد اور پھرتی سے اپنے آپ کو گوریلا کی زد سے بچایا تھا۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک گوریلا کے پیٹ میں پہنچ گیا ہوتا۔

بہر حال یہ عمران تھا جس کو اپنی صلاحیتوں پر پورا پورا اعتماد تھا۔ وہ اس وقت تک سڑک پر پیٹ کے بل لیٹا رہا جب تک گوریلا اس سے بہت دُور نکل گیا۔

اس کے کافی آگے نکل جانے کے بعد عمران اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ اسی سمت یعنی شمالی ساحل کی طرف چلنے لگا جہاں سے گوریلا نما عفریت آئی تھی۔ اس بار عمران کو کافی فاصلہ طے کرنا تھا کار پہلے ہی گوریلا کے پاؤں تلے آکر گچلی گئی تھی۔

اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

یہ علاقہ جہاں سے اس وقت عمران گزر رہا تھا۔ چونکہ شہر سے فاصلہ پر تھا۔ اس لئے یہاں سڑک کے دونوں جانب ریتلے میدانوں

عمران،

نے اپنی اسٹوڈی بیکر کی جانب اس وقت پھلانگ لگائی تھی جب گوریلا نما عفریت نے اُسے پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیکن جیسے ہی وہ اپنی کار میں داخل ہوا۔ اس نے گوریلا کا دزنی پاؤں اٹھتے ہوئے دیکھ لیا ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر اور زمین پر پیٹ کے بل لیٹ کر کہنیوں کے ذریعہ کار کے پیچھے کی طرف کھسکتے لگا۔ کیونکہ وہ کار کے ساتھ بالکل چپکتا ہوا رینگ رہا تھا۔ اس لئے گوریلا اُسے نہیں دیکھ سکا۔ پھر جب اس نے غصے میں بل کھاتے ہوئے اپنے وزنی پیر کے ذریعہ کار کو کچل دیا تو عمران اس کے پیر کی زد سے دور ہو کر اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے رینگتا ہوا اسکے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ اور لیفٹیننٹ یہ سمجھ کر کہ کار کے ساتھ ہی عمران بھی کچلا جا چکا ہے، واپسی کیلئے مڑ گیا تھا۔

عمران بھی جو اب گوریلا کے دوسرے پیر کی آڑ میں ہو چکا تھا یہی چاہتا تھا کہ لیفٹیننٹ اپنی آرڈر کار کو واپس موڑ لے۔ اس طرح گوریلا نما



کے علاوہ ہر ساحل کے ساتھ ساتھ دور پہاڑوں تک چلے گئے تھے اور کسی آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔

یہ واحد سڑک بھی جو شمالی ساحل کو چولان شہر سے ملاتی تھی بائیں بند اسکوڑ کے بے پناہ فائر کی وجہ سے جگہ جگہ سے شکستہ ہو گئی تھی۔ اس میں جا بجا بموں کی وجہ سے گہرے گہرے گڑھے پڑ گئے تھے۔ عمران گڑھوں کو پھلانگتا تیزی سے ساحل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ فاصلہ پر اُسے وہ پہاڑ نظر آ رہے تھے جہاں پلانٹیم کی کانیں موجود تھیں۔ تیزی سے فاصلہ طے کرتے ہوئے اس کے ذہن میں اس گوریلا نما عفریت کے متعلق بے شمار خیال آ رہے تھے جو اب چولان میں داخل ہو گیا ہوگا۔ اور اُسے اب ہر مائی نس کے پرسنل سیکریٹری کی اس بات پر مطلق شبہ نہیں رہا کہ وہ جب بھی شہر کا رخ کرنا ہے بے پناہ تباہی و بربادی پھیلاتا ہے۔ اُسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ ہزاروں جانوں کو ضائع ہوتے سے بچانے اور کرداروں کی المیہ کو تباہ ہونے سے روکنے کیلئے کتنی بھاری ذمہ داری اس پر آ پڑی ہے۔ اس نے اپنے دل میں مُصمم ارادہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے چولان والوں کو اس گوریلا نما عفریت سے ضرور نجات دلائے گا یا پھر اس مقصد کیلئے اپنی جان دے دے گا۔

وہ تیز رفتاری سے چلتے ہوئے جلد ہی ساحل تک پہنچ گیا۔ سمندر کی لہروں نے اسکا استقبال اس کے قدموں کو چوم کر کیا۔ وہ ساحل

کے ساتھ کنارے ا

پلانٹیم کی کانیں تھیں۔ کبھی کسی اندرونی جذبے سے چلنے ہر مائی نس کے پرسنل سیکریٹری کا اور گردن کو ذرا سا خم دیا۔ ہلکا سا شبہ ہوا تھا کہ کہیں اس ساری نو دیکھ سکتا تھا۔

کی کانیں تو نہیں ہو سکتا ہے کسی فخر سے زائد نہیں تھا۔ لیکن عمران کرنے کیلئے یہ سب گھڑاگ پھیلایا ہو۔ نظروں سے پوشیدہ تھا۔ اپنے اس شبہ کی بناء اس نے ان پہ کی طرح نیلی وردی پہنے کیا تھا۔ دوسری صورت میں اس کے پاس کچھ لہجہ لگائے بیٹھا سگریٹ دست پہلے وہ اپنے شبہ کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ٹرائی سے پہنچ کر وہ کچھ دیر کھڑا ادھر ادھر کی سن گن لیتا رہا۔

شور لہروں کے علاوہ اُسے کچھ سنائی نہیں دیا۔ نے دوسری وہ آہستہ آہستہ آواز کے بغیر پہاڑ کی ڈھلوانوں میں لگا۔ جس جگہ سے وہ اوپر کی جانب جا رہا تھا۔ پہاڑ والے زبردست نہیں تھا لیکن اس کی ڈھلوان سطح بہت چکنی تھی اس لئے اُسے اوپر چڑھنے میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

پہنچے جہاں تک قدم رکھتے ہوئے بلا تھوڑے پہاڑ کے اس حقے میں پہنچ گیا۔ جہاں سے وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور دونوں حصوں کے درمیان خلا سا پیدا ہو گیا تھا۔ چکنا چٹ بھی کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی تھی اور خلا کے آس پاس اور چوٹی تک کا حصہ کھردرا تھا۔



نظر آگیا۔

اس شخص کو دیکھتے ہی عمران کی آنکھیں کسی اندرونی جذبہ سے چمکنے لگیں۔ عمران نے خلا میں ایک قدم آگے بڑھایا اور گردن کو ذرا سا خم دیا۔ اب وہ اچھی طریقے سے اس شخص کو دیکھ سکتا تھا۔

اسکا عمران سے درمیانی فاصلہ پندرہ گز سے زائد نہیں تھا۔ لیکن عمران بلندی پر ہونے کی وجہ سے کسی حد تک اس کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اسٹین گن تھی اور وہ فوجیوں کی طرح نیلی وردی پہنے ہوئے تھا۔ بالکل کان کے دانے پر ٹرائی کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا رگڑے کے گہرے گہرے کش لینے میں مصروف تھا اسٹین گن اس نے ٹرائی سے لگا کر کھڑی کر دی تھی۔

عمران اپنی جگہ بیٹھا کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے دوسری جانب وادی میں اترنے کیلئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کے حساس کالوں میں "دھم دھم" کی آوازیں آئے لگیں۔ اس نے چرتک کر اپنا اٹھا ہوا قدم واپس لے لیا اور دوبارہ خلا کے درمیان اپنے جسم کو پوشیدہ کر لیا۔ دھم دھم کی آوازوں سے وہ سمجھ گیا تھا کہ گوریلا نما عفریت شہر میں تباہی مچا کے بعد اب واپس آرہی ہے اور اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کی تیز آواز ظاہر کر رہی تھی کہ اسکا رخ اسی سمت ہے۔ اور پھر عمران نے دُور ہی سے گوریلا نما عفریت کو آتے دیکھ لیا۔ جو ایک شان بے نیازی سے ساحل کی جانب چلا آ رہا تھا۔

کے علاوہ جو ساحل کے ساتھ ساتھ رزکا اس نے اپنے دونوں پاؤں پہلے کسی آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔ جمائے اور ہتھیلیاں اُن کی اوپری سطح پر یہ واحد سڑک بھی جو شمالی بکتر بند اسکواڈ کے بے پناہ فائر تھی۔ اس میں جا بجا بموں کی بجا بجا بڑی بڑی دیو ہیکل مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ عمران گڑبھوں کو پھلانگ رہا تھا۔ اور وہاں بظاہر کسی مستفس کا نام اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ یہ بات عمران کیلئے غیر متوقع تھی۔

پلاٹینم کی کانیں موجود تھیں۔ درمیان اطمینان سے بیٹھ گیا اور گہری نظروں سے ایک ذہن میں اس گوریلا نما بے پناہ لگا۔ جلد ہی اُسے وہ کانیں بھی نظر آ گئیں جن اب چولان میں داتا پڑے تھے۔ اُن کے قریب ہی بجلی سے چلتے والی بڑی ٹرکی سیکریٹری کی اس تھیں۔ جنھیں یقیناً پلاٹینم کو وادی سے نکال کر باہر ہے بے پناہ کیلئے استعمال کیا جاتا ہوگا۔

یہ کانیں ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر تھیں لیکن ایک ہی پہاڑ میں کھدائی گئی تھیں۔ وہ پہاڑ جس میں یہ تینوں کانیں تھیں دیگر دوسرے پہاڑوں سے کافی اونچا تھا۔ عمران کی نظریں اطراف کا جائزہ لیتے آئے اس کان پر آکر ٹھہر گئی جس کا فاصلہ عمران سے زیادہ نہیں تھا اور پھر اچانک ٹرائی سے پھسلتی ہوئی اس کی نظریں اس شخص پر پڑیں۔ جو بالکل کار کے دروازے پر بیٹھا تھا لیکن ٹرائی کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے وہ عمران کو نظر نہیں آیا تھا۔ لیکن جب اس نے اپنا زاویہ بدلا تو وہ اُسے فوراً



دھم دھم کی آواز کافی بڑھ چکی تھی۔ عمران نے جھک کر گوریلا کے آواز کا رد عمل کا نیچے بیٹھے ہوئے شخص پر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہایت اطمینان سے اس طرح بیٹھا تھا جیسے اُسے گوریلا نہا عفریت کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ حالانکہ عمران کو یقین تھا کہ وہ گوریلا کے چلنے سے جو دھمک پیدا ہو رہی ہے ضرور سن رہا ہوگا۔ لیکن اُس پر اس کا کوئی رد عمل نہیں ہوا تھا۔ جس پر عمران کو بہت نغصہ ہوا۔ گوریلا نہا عفریت اب سمندر کے کنارے پہنچ چکی تھی۔ عمران حالانکہ ایک بندر سی جگہ پر بیٹھا تھا لیکن وہ جگہ گوریلا نہا عفریت کے کاندھے سے بھی نیچی تھی۔ عمران سانس روکے اُسے دیکھتا رہا۔

گوریلا نہا عفریت کچھ دیر کھڑی سمندر کی لہروں کو گھورتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ پانی میں اترنے لگی۔ جیسے جیسے وہ سمندر میں آگے بڑھتی جا رہی تھی پانی میں اسکا جسم چھپتا جا رہا تھا۔

بالآخر وہ سمندر میں کافی آگے جا کر عمران کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بڑی بڑی دیو ہیکل موجوں نے اُسے اپنے اندر پوشیدہ کر لیا تھا۔ عمران کچھ دیر ٹٹکی باندھے اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں گوریلا نہا عفریت غائب ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے سر موڑا اور دوبارہ وادی میں دیکھنے لگا۔ لیکن نہایت غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود اُسے وہ شخص نظر نہیں آیا جسے اس نے چند منٹ پہلے ٹٹالی کے قریب بیٹھے

ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جگہ اب خالی پڑی تھی۔ عمران خلا سے نکل کر آگے بڑھ گیا اس کا رخ اب دوسری کان کی طرف تھا۔ چند پُر پیچ گھائیوں کو عبور کرنے کے بعد وہ عین اس کان کے سر پر پہنچ گیا جو پہلی کان سے فاصلے پر تھی۔ عمران کو یہاں بھی کوئی مستفس نظر نہیں آیا۔

اس نے سیرت سے سر ہلایا اور تیسری کان کی طرف بڑھ گیا۔ جو ان دونوں کانوں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ عمران کو چونکہ پہاڑوں پر سے ہو کر گزرتا پڑ رہا تھا اس لئے فاصلہ طے کرتے ہوئے اس نے صرف وقت کا سامنا کرتا پڑ رہا تھا بلکہ اتنے سے فاصلے کو طے کرتے اور تیسری کان تک پہنچنے میں اُسے کافی وقت لگ گیا تھا۔

خوش قسمت سے اُسے یہاں بھی پہلے کی طرح دو چٹانوں کے درمیان ایک خلا مل گئی۔ یہ خلا کان کے قریب ہی تھی۔ عمران بتی کی چال چلتا۔ ہوا خلا تک پہنچا اور اس میں داخل ہو کر کان کی طرف دیکھنے لگا۔

لیکن یہاں بھی اُسے بالواسی ہوئی کیونکہ یہاں بھی حسب سابق کسی مستفس کا نام و نشان نہیں تھا۔ عمران نے خلا میں کھڑے ہو کر ایک لمحے کیلئے کچھ سوچا اور خلا سے باہر آکر وادی میں اترنے لگا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ تین نمبر کان میں ضرور داخل ہوگا۔

اس کان کو اس نے اسلئے منتخب کیا تھا کہ اول تو یہ کان دوسری۔ دونوں کانوں سے فاصلے پر تھی دوسرے یہ وادی کے عین سرے پر ہونے کی وجہ سے پہاڑ کی دھلوان پر پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی آڑ بھی



مہیا ہو سکتی تھی —

خلا چھوڑنے کے بعد اس نے نیچے کی جانب قدم رکھا اور آہستہ آہستہ قدم اترنے لگا۔ اس کی نظریں چوکتے انداز میں سر پر چوٹ آگئی ہے۔ وہ زخمی ہے اور اُسے ملٹری —

سپتال میں داخل کر لیا گیا ہے۔ میں اور تنویر بالکل ٹھک ٹھاک ہیں۔

اب اس سے دس گز کے فاصلے پر تھی۔

”اوہ۔ خطرے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ اور: ”اسنے تشویش سے

اس نے ایک پتھر کی آڑ لی اور چیتے کی سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

دیکھا اور تیزی سے دوڑ کر ایک دوسرے پتھر کی آڑے لی —  
یہ پتھر کان کے دبانے سے بہت قریب ہی تھا —  
”نہیں، مسمولی چوٹ ہے لیکن غون زیادہ بہہ گیا ہے جسکی وجہ سے —  
میں پر بیہوشی طاری ہے — اور؟“

یہ پٹھرکان کے دہانے سے بہت قریب ہی تھا۔

اس نے پتھر کی آڑ میں بلیٹھ کر کلائی سے واچ ٹرانسمیٹر اتاری  
جہاں باہر کھینچنے کے بعد فریکوئنسی سیٹ کرنے لگا۔ واچ ٹرانسمیٹر ہوں جن کے دامن میں پلاٹینم کی کانیں واقع ہیں۔ تم تنویر سے کہو کہ وہ  
گھر گھر کی آوازیں آنے لگیں۔

”ہیلو جولیا۔ عمران کاتنگ یو، ہیلو جولیا.....“

وہ واچ ٹراسمیٹر کو منہ کے قریب کر کے دوہراتا رہا۔ —

”یس جو لیا اٹلنگ۔ عمران تم کہاں ہو۔ خیریت سے تو ہو، اور وہ صفدر کے بغیر حل نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن صفدر چونکہ زخمی تھا اسلئے

جوہا کی بچپن آواز پر وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

”میں تو بالکل خیریت سے ہوں تم سناؤ گوریے نے شہر میں کیا کی وجوہات کسی حد تک وہ سمجھ چکا تھا۔ اُسے تنویر کا انتظار تھا۔“

جس کے آنے کے بعد ہی وہ اگلا قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے یقین

”اوہ عمران خدا کی پناہ وہ گوریلا ہے یا کوئی بلا۔ اس نے آن دھاکہ اس نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔“



لیبارٹری کا دروازہ خود کار تھا جو اندر آنے اور باہر جاتے دالوں کیلئے خود بخود کھل جاتا تھا۔ مختلف چھوٹی بڑی اور پیمپسوں مشینوں پر بہت سے آدمی اٹھے انہیں آپریٹ کر رہے تھے۔ اُن تمام لوگوں نے سفید گون پہن رکھے تھے ہر ایک کے سینے پر ایک چمکار ستارہ بھی لگا ہوا تھا۔

لیبارٹری کی آہنی دیواروں کے ساتھ درجنوں چھوٹی بڑی اسکرینیں لگی ہوئی تھیں۔ ان اسکرینوں کے نیچے ڈیش بورڈ بنے ہوئے تھے جن پر بے شمار مختلف رنگوں کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ ان اسکرینوں پر پانی سے اندر اور باہر کے بہت سے مناظر نظر آ رہے تھے۔ مختلف کمپیوٹروں پر روشن ہونے والے اعداد و شمار اُن کے قریب کھڑے ہوئے سفید گون میں ملبوس آدمی اپنی کاپیوں میں درج کر رہے تھے۔

ان سب سے الگ ٹھکانگ لیبارٹری کے انتہائی سرے پر ایک بڑی اسکرین روشن تھی۔ ایک آدمی اسکے ڈیش بورڈ پر جھکا مختلف بٹن دبائے میں مصروف تھا۔ اس اسکرین پر چولان شہر کی متعدد سڑکیں نظر آرہی تھیں۔ اس نے والیوم گھمانا شروع کیا اب اسکرین پر شہر کے مختلف حصے دکھائی دے رہے تھے۔ بعض حصوں پر شدید تباہ کاری کا عالم طاری تھا۔ بلڈنگوں کے بلے کے اوپر دوڑتے بھاگتے لوگ، فوجی گاڑیاں ایمبولینس سب کچھ ایک عجیب طرح کا احساس دلا رہا تھا لیکن ڈیش بورڈ پر بیٹھا ہوا۔ شخص ہر طرح کے جذبات سے عاری معلوم ہوتا تھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لئے والیوم گھماتا شہر کے مختلف حصوں کو اسکرین پر لاتا اور سامنے پڑی

وہ

انتہائی جدید لیبارٹری تھی۔ جو جدید ترین سائنسی آلات سے بیس تھی یہ لیبارٹری سطح سمندر سے سات سو فٹ کی گہرائی میں ایک آبدوز پر واقع تھی۔ اس آبدوز پر بھی اُن چھ جہازوں کی طرح جو ایم وی سلطان کی عزتآبی کا باعث بنے تھے۔ کسی قسم کا نام یا کوئی نشان نہیں تھا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ کس ملک کی ملکیت ہے۔ سطح سمندر سے اس قدر گہرائی میں ہونے کے باوجود آبدوز پر کوئی تحریک نہیں ہو رہی تھی حالانکہ عام آبدوزیں اتنے گہرے پانی کے دباؤ سے ایک جگہ ساکت نہیں رہ سکتیں۔ لیکن یہ آبدوز نہ صرف اپنی جگہ بالکل ساکت تھی بلکہ انتہائی مؤثر طریقے سے ایک چٹان پر ٹکی ہوئی تھی۔ آبدوز زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اسکا زیادہ تر حصہ لیبارٹری نے گھیر رکھا بقیہ حصوں میں انجن روم آبدوز کے کیپٹن کا کیبن اور جہز اور کیبن جو متفرقہ لوگوں کے استعمال میں آئے تھے۔ بنے ہوئے تھے۔

آبدوز سے بڑی بڑی تاریں اور ایئر لائنیں نکل کر پانی میں پھیل گئے تھے جن کی وجہ سے آبدوز کے گرد ایک جال سا بن گیا تھا۔



ہوئی نوٹ بیک پر کچھ لکھتا اور پھر والیوم گھما کر سین تبدیل کر دیتا۔  
کافی دیر تک شہر کے مختلف مناظر اسکرین پر لاتا رہا۔ جب اُسے اطمینان  
ہو گیا کہ شہر کا کوئی حصہ جہاں سے وہ گوریلانا عفریت گزری تھی اس کی زد  
سے نہیں بچا ہے تو اس نے والیوم کو اُلٹا گھمانا شروع کر دیا۔ اسکرین پر  
اب مشرقی ساحل اور اس سے محلقہ پہاڑ نظر آ رہے تھے۔

آپریٹر نے والیوم کچھ اور گھمایا ساتھ ہی ایک نیلے بٹن کو دبا دیا۔  
اسکرین پر تمام پہاڑ اور وہ وادی جہاں بڑی بڑی مشینیں تھیں اس کے  
علاوہ تینوں کانیں صاف نظر آنے لگیں۔ اس نے ایک دوسرے بٹن کو  
دبا کر اس سین کو اسکرین پر جام کر دیا۔ اسکرین پر ہر چیز صاف نظر  
آ رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھا بغور اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
دفعاً ایک ہیولا سا دو چٹانوں کے خلاء کے درمیان سے نکلا اور  
دوسری طرف جانے لگا آپریٹر نے چونک کر سرخ رنگ کا بٹن دبایا جسکے  
ساتھ ہی ہیولا واضح ہوتا چلا گیا۔

آپریٹر نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا اور تیزی سے ہیڈ فون کانوں  
پر چڑھا کر ایک دوسرا بٹن دبایا فوراً ہی ایک سرخ رنگ کا بلب جلنے اور  
بگھنے لگا۔

”یس کمانڈوز“

ایک بھاری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”سرمان نمبرون کے اوپر ایک آدمی نظر آ رہا ہے“

”اوہ آپریٹر اُسے فوکس کئے رہو۔ اور تمام ماسٹوں کو خطرہ کا سگنل  
دے دو“

”آل رائٹ سر“

آپریٹر نے مختصر جواب دیا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ پر لگی ہوئی ایک فولڈ  
پرفی کو گھما دیا۔ فوراً ہی ایک خانہ برآمد ہوا۔ آپریٹر نے اس میں ہاتھ ڈال  
کر ایک بٹن کو پش کر دیا۔ تینوں کانوں پر بیٹھے ہوئے اسٹن گن بردار افراد  
چونکے اور وہ تیزی سے کانوں میں گھستے نظر آئے۔ آپریٹر اس شخص کے  
ساتھ ساتھ جواب ایک گھاٹی میں اتر رہا تھا والیوم گھماتا رہا۔  
”ہیلو آپریٹر۔ اب اس کا رخ کس طرف ہے“

”مانن نمبر ٹو کی طرف سر“

اس نے جواب دیا۔ اور بدستور اس شخص پر کیمہ فوکس کئے رکھا۔ پھر  
جب وہ کان نمبر ۲ پر پہنچا تو اس نے فوراً اسکی اطلاع کمانڈوز کو دیدی۔  
کمانڈوز نے اُسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی اور دوسری طرف مصروف  
ہو گیا تھا۔ جسکا مطلب تھا کہ اُسے اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔

اسکرین پر اب وہ سب سے آخری کان کے قریب نظر آ رہا تھا وہ  
ایک پتھر کی اڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھر آپریٹر نے اسکرین پر اُسے اپنی گھڑی  
اتار کر منہ کے قریب کرتے ہوئے دیکھا۔ اسکے لب ہل رہے تھے۔

آپریٹر نے تیزی سے ایک بٹن دبایا۔ اسکرین پر تصویر کے ساتھ  
ساتھ اب ہواؤں اور دوسری چیزوں کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔



آپرٹیٹر بٹن کے ساتھ ہی لگے ہوئے والیوم کو گھمایا جس کے ساتھ ہی وہ شخص جو گھڑی سلتے کئے کچھ کہہ رہا تھا اس کی گفتگو سنائی دینے لگی۔  
وہ عمران ہی تھا جو اس وقت جولیا سے گفتگو کر رہا تھا۔ گفتگو چونکہ انگریزی میں ہو رہی تھی اس لئے آپرٹیٹر کو سمجھنے میں چنداں دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ اس نے ایک مالک اٹھا کر اس جالی کے قریب رکھ دیا۔ جسکے نیچے سے عمران اور جولیا کی گفتگو کی آوازیں آرہی تھیں۔ جو وہ واضح ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک دوسرے سے کر رہے تھے۔

اس طرح اب ان لوگوں کی گفتگو اسپیشل روم میں بیٹھے ہوئے کمانڈرز بھی سن سکتے تھے۔

عمران نے جولیا کو تنویر کو بھیجنے کی ہدایت کی اور جیسے ہی واضح ٹرانسمیٹر کو آف کر کے کلائی میں پہنا۔ آپرٹیٹر نے اسکے ساتھ ہی والیوم آف کر دیا۔ اسکرین پر اب اسکی خاموش تصویر تھی جس میں وہ ایک بڑے سے پتھر کی اڑ میں اکرٹوں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

”آپرٹیٹر اب وہ کیا کر رہا ہے“

ہیڈ فون پر کمانڈرز کی آواز ابھری۔

”مردہ ایک پتھر کی اڑ میں بیٹھا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُسے اس شخص کا انتظار ہے جس کا اس نے نام لیا ہے۔“

”ٹھیک ہے آپرٹیٹر یہ شخص کسی بھی حال میں بچ کر نہیں جانا چاہیے تم ڈیپنر اسکوڈ کو آرڈر دے دو کہ وہ ہر صورت میں اُسے گرفتار کر کے یہاں

لے آئیں اور تم اس کارروائی کی نگرانی کرو گے۔ تمہیں ڈیپنر اسکوڈ کے ذریعے اسکے ساتھی کو بھی جو دست منٹ میں وہاں پہنچ جائے گا اٹھا کر یہاں لانا ہے۔  
کمانڈرز ہیڈ فون پر آپرٹیٹر کو ہدایت دی۔

”سر کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ اُس کے ساتھی کے آنے تک انتظار کیا جائے اور دونوں کو ساتھ ہی پکڑ لیا جائے؟“  
”آپرٹیٹر تمہیں جو کہا جا رہا ہے صرف وہ کر دو مشورے دینے کی ضرورت نہیں؟ کمانڈرز کی آواز انتہائی سخت تھی۔

”سوری سر“

اس نے ندامت سے کہا اور ہیڈ فون اتار کر اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک دوسری مشین کے آپرٹیٹر سے کچھ کہا۔ اس آپرٹیٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چند بٹن گھمانے کے بعد اسکی مشین پر لگی ہوئی اسکرین پر مائن نمبر تھری کی تصویر ابھر آئی۔ یہ ایک لمبی سُرنگ نما کان تھی اس نے ایک والیوم گھمایا اسکرین پر کان کے متناظر تبدیل ہوتے ہوتے ایک جگہ رُک گئے۔ اس جگہ کان کے اندر ہی ایک متوازی سوراخ تھا جس میں ایک کم پاور کا بلب سوراخ سے اندھیرا دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا سوراخ میں کم و بیش بیس اسٹین گتوں سے مسلح افراد بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ اُن کا کمانڈرز جسکی وردی پر تین ستارے لگے ہوئے تھے قریب ہی کھڑا سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا۔ آپرٹیٹر نے ایک بٹن دبایا جسکے ساتھ ہی تیز سیٹی کی آواز سوراخ نما کمرے میں گونج اُٹھی جسے سننے ہی



تمام افسراد اپنی اپنی اسٹین گتیں سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کمانڈر نے بھی سگریٹ ایک جانب پھینک دیا تھا اور استہفامیہ نظروں سے ایک جانب لگے ہوئے اسپیکر کو دیکھ رہا تھا۔  
 • کمانڈر اٹینشن پلیز •

آپرٹیٹر نے مائک منہ کے سامنے کرتے ہوئے اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ جہاں کمانڈر اور دوسرے افسراد آواز سنتے ہی اٹینشن ہو گئے۔

”آپ کی مائن کے قریب ہی ٹرالی نمبر فور کے پاس پڑے ہوئے پتھر کے پیچھے ایک آدمی چھپا ہوا ہے۔ تمہیں اُسے ٹریس کر کے ہیڈ کوارٹر پہنچانا ہے۔“ آپرٹیٹر نے کمانڈر کو ہدایت دی۔ جس کے ساتھ ہی کمانڈر تے اثبات میں سر ہلایا اور مسلح اسٹین گن برداروں کے ساتھ سوراخ سے باہر آگیا۔ اس کا رخ کان کے دہانے کی طرف تھا۔

بڑے اسکرین والا آپرٹیٹر اس اثناء میں اپنی نشست پر دوبارہ بیٹھ چکا تھا۔ بڑے اسکرین پر بھی اب مائن نمبر تھری نظر آرہی تھی۔ جس کے دہانے سے اس وقت مسلح ایس گن بردار نکل رہے تھے۔

آپرٹیٹر نے دوبارہ کیمرا عمان پر فکس کر دیا۔ اور غور سے ڈینجر اسکوڈ کی نقل و حرکت دیکھنے لگا۔

ڈینجر اسکوڈ نے اب اپنے کمانڈر کے اشارے پر اس بڑے سے پتھر کو چاروں جانب سے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ جسکی نشاندہی

اُسے مائن کے اندر اسپیکر کے ذریعے کرا دی گئی تھی۔

یہ عمان کی چھٹی جس ہی تھی جس نے اُسے بر وقت خطرے سے مطلع کر دیا تھا۔ اس نے اپنی جگہ ساکت ہو کر کان اُن آہٹوں پر لگا دیئے جو بظاہر بہت مدھم تھیں لیکن عمان کے حساس کانوں نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ بہت سے قدموں کی آواز ہے۔ اس نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔

کان کے اندر سے اسٹین گن بردار ایک دوسرے کے پیچھے نکل رہے تھے۔ عمان نے اُن کے کمانڈر کو بھی دیکھ لیا تھا جو انہیں اشاروں سے اُن کی پوزیشن بتا رہا تھا۔ عمان کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اُسے گھبرا جا رہا ہے۔ وہ کچھ سوچ کر اپنی جگہ جما انہیں اپنی جانب بڑھنے دیکھتا رہا لیکن اس نے اپنے آپ کو اس پوزیشن میں ضرور کر لیا تھا کہ کسی بھی خطرناک صورتحال سے با آسانی نمٹ سکے۔

ڈینجر اسکوڈ نے جب اُسے مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا تو کمانڈر آگے بڑھا اس کا رخ عمان ہی کی طرف تھا وہ پتھر کے قریب پہنچ کر رکا۔

”تم جو کوئی بھی ہو فوراً باہر آجاؤ ورنہ جسم گولیوں سے چھلنی کر دیا جائیگا کیپٹن نے اپنی اسٹین گن سیٹھی کرتے ہوئے وارننگ دی۔  
 عمان نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔ اور واچ ٹرانسمیٹر کی چابی باہر کیچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”لگ۔ کیا کہہ رہے ہو بھائی۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟“



اس نے احمقانہ لہجے میں کہا —  
 کمانڈر نے پلکیں جھپکتے ہوئے اُسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھا۔  
 ”آپ ہاتھ اوپر اٹھا لو“  
 ”کمانڈر نے دوسرا حکم دیا —

”کیوں بھائی صاحب کیا میں نے آپ کی بکری چرائی ہے۔ آپ یقین  
 لکریں میں بہت شریر..... شریک — دھات تیرے کی کیا کہتے ہیں۔  
 اُسے؟“ اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ کر احمقانہ انداز میں کمانڈر کی طرف دیکھا۔  
 ”میں تم سے دوبارہ کہہ رہا ہوں کہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ اس  
 کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا؟“  
 ”اماں اچھے خدائی فوجدار ہو“

عمران تے کندھے اُچکا کر بے چارگی سے کہا اور اپنے دونوں ہاتھ  
 اوپر اٹھا دیئے۔

”بس اسی طرح چلتے ہوئے نیچے اتر آؤ“

کمانڈر کے حکم پر عمران خاموشی سے نیچے اتر آیا تھا۔

پھر وہ لوگ اُسے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے مائے مہر تھری میں  
 داخل ہو گئے۔

کمانڈر اُن کے آگے آگے ہی تھا۔



تئویر، —

جولیا کی ہدایت پر اس وقت سفید کردلا میں شمالی ساحل کی جانب  
 تیز رفتاری سے اڑا چلا جا رہا تھا۔ یہ کار ہر لمائی نس کے پرسنل سکریٹری  
 سجاد نے لیفٹیننٹ کے ذریعے فوری طور پر ملٹری ہسپتال پہنچائی تھی۔  
 تئویر اُس گوریلا نام عفریت کی تباہ کاریوں سے بے حد متاثر ہوا تھا  
 سینکڑوں جانیں اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے لہو میں نہاتی اور ٹپتی  
 دیکھی تھیں۔ جو گوریلا نما عفریت کی زد میں آگئے تھے۔ تئویر بھلا  
 اس دلخراش منظر کو کیسے بھول سکتا تھا۔

بے پناہ درندگی اور معصوم جانوں کے ضائع ہونے پر اس کا خون  
 کھول اٹھا تھا۔ اس کے بس میں نہیں تھا ورنہ وہ اُس گوریلا نما عفریت  
 کو ایک منٹ ضائع کئے بغیر جہنم واصل کر دیتا۔

انسانی ہمدردی کے اس بے پناہ جذبے ہی تے تئویر کو جولیا کا  
 حکم بے چوں و چراں ماننے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ وہ ہر بات میں اڑنے کا  
 عادی تھا۔ خصوصاً عمران کے کسی بھی معاملے میں اس کی ضد حد سے



زیادہ تجاوز کرتی تھی —

لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہوا۔ اور جیسے ہی جولیا نے اسے شمالی پہاڑوں میں عمران کی پوزیشن سمجھاتے ہوئے اُسے وہاں جانے کو کہا۔ وہ بغیر کسی جھٹ کے راضی ہو گیا۔

پھر اس نے جولیا کو صفدر کی نگرانی پر چھوڑا اور خود ہر ہائی ٹس کی فراہم کردہ کروڑا لے کر ساحل کی طرف چل دیا تھا۔

اس کی کروڑا ساحل کی سمت جانے والی شکستہ ٹرک پر اچھلتی کودتی چلی جا رہی تھی۔

تنویر نے اسٹیرنگ مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور ماہرانہ انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

ابھی ساحل کافی فاصلے پر تھا کہ اُسے کلائی پر جھٹکا محسوس ہوا اس نے چونک کر ریٹ واچ کی طرف دیکھا اور پھر ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ تھامتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے گھڑی کی چابی باہر کھینچ لی۔ فوراً ایک سبز نقطہ جلنے بجھنے لگا۔

اس نے کلائی کان کے قریب کر لی۔ ہواؤں کے شور میں ایک مدھم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”تم جو کوئی بھی ہو فوراً باہر آ جاؤ ورنہ جسم گولیوں سے پھٹنی کر دیا جائے گا“ جواب میں اُسے عمران کی آواز سنائی دی تھی۔ جو احمقانہ طریقے سے اس کی بات کا جواب دے رہا تھا۔

تنویر بدستور ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے دوسری جانب ہونے والی گفتگو غور سے سن رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پر چند لکیریں نمودار ہو گئی تھیں جو اسکی گہری سوچ کی غمازی کر رہی تھیں۔ کچھ دیر عمران میں اور انجانی آواز میں گفتگو ہوتی رہی پھر وہ لوگ عمران کو لینے ہوئے ماٹن میں داخل ہوئے جس کے ساتھ ہی واچ ٹرانسمیٹر سے آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ اسکا مطلب ہے عمران کو پکڑ لیا گیا ہے، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟ وہ سوچتا رہا۔

لیکن اس کی سوچ کا سلسلہ جلد ہی ٹوٹ گیا۔ کیونکہ کلائی پر ایک مرتبہ پھر جھٹکا محسوس ہوا تھا۔

اس نے تیزی سے کلائی کان کے قریب کر لی۔

”ہیلو تنویر۔ جولیا از کالنگ۔ یو۔ اور۔“

”یس تنویر از اسٹڈنگ۔ جولیا۔ اور۔“

”تنویر۔ عمران خطرے میں ہے۔ وہ لوگ اُسے پکڑ چکے ہیں۔ اور۔“

”ہاں میں نے بھی اُن کی گفتگو سے یہی اندازہ لگایا ہے۔ اور۔“

”مجھے اب کیا کرنا چاہئے؟“

”تم اُن پہاڑیوں سے ابھی کتنے فاصلے پر ہو جہاں عمران کو ٹریس کیا گیا ہے؟“ جولیا نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

”مجھے وہ پہاڑیاں اب نظر آتے لگی ہیں۔ فاصلہ اندازاً کوئی سات میل ہو گا۔“ تنویر نے ونڈ اسکرین پر دور پہاڑیوں پر نظر جاتے ہوئے جواب دیا۔



عمران نے کی تھی —

پہاڑ پر چڑھتے ہوئے اس نے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔  
تھوڑی دیر بعد وہ اس خلا میں نظر آ رہا تھا۔ جس میں اس سے

کچھ دیر پہلے عمران موجود تھا —

تویر نے خلا میں سے اس تاہموار چٹیل میدان کا جائزہ لیا جو

ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا —

یہاں بھی اُسے کوئی آدمی نظر نہیں آیا — وہ اپنی جگہ بیٹھا کچھ

دیر تک اُن دیو ہیکل مشینوں کو گھورتا رہا — اور پھر پُر سوچ انداز میں

سر ہلاتے ہوئے نیچے اترنے لگا — وہ ہلتی کی سی چال سے پیچوں کے پر

تیزی سے نیچے اتر رہا تھا —

لیکن جیسے ہی اس کے قدم زمین پر ٹکے — ایک اسٹین گن کی نالی

اس کی پشت سے آگئی —

”خاموشی سے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو“

نہایت سرد لہجے میں کہا گیا —

تویر نے جھٹکا کھا کر گھومنے کی کوشش کی — لیکن اسٹین گن کی

نالی جیسے اس کے گوشت میں گھسنے لگی —

”زیادہ بہادر بننے کی کوشش مت کرو“

اُسے دوسری بار تنبیہ کی گئی —

اس نے بیچارگی سے کندھے اُچکائے اور اپنے دونوں ہاتھ سر سے

”ٹھیک ہے تم اس جگہ پہنچ کر اندازہ لگاتے کی کوشش کرو جہاں  
کی عمران نے نشانہ ہی کی ہے — ہو سکتا ہے کوئی کلیو مل جائے — اور“  
”آل رائٹ جولیا — اور“

”کسی بھی خطرے کے پیش نظر واچ ٹرانسمیٹر آن رکھنا تاکہ ہمیں  
پتہ چل سکے — اور اینڈ اسٹاپ“

واچ ٹرانسمیٹر سے جولیا کی آواز آنی بند ہو گئی — تویر نے ایک ٹھنڈی  
سانس لے کر اپنا ہاتھ دوبارہ اسٹیرنگ پر رکھ دیا — واچ ٹرانسمیٹر کو اس  
نے آن ہی رہنے دیا تھا —

شمالی پہاڑیاں اب سامنے ہی نظر آرہی تھیں — تویر نے تیز رفتاری سے  
ڈرائیونگ کرتے ہوئے سات میل کا فاصلہ چند منٹوں میں طے کر لیا تھا —  
ساحل سے ذرا فاصلے پر سڑک ختم ہو جاتی تھی — یہاں سے ریتلا میدان  
پھیلا ہوا تھا — تویر نے اپنی گاڑی سڑک کے ایک جانب ریتلے میدان میں  
اند کر کھڑی کر دی — اور نیچے اتر آیا —

ساحل پر اُسے کوئی مستنفس دکھائی نہیں دیا —

سورج کی تمازت سے تپتی ریت پر دور دور تک ویرانوں نے ڈیرے  
ڈال رکھے تھے — اپنی گاڑی سے اترنے کے بعد اس نے ان پہاڑیوں کا جائزہ  
لیا جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ساحل کے ساتھ دور تک پھیلی ہوئی تھیں  
وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اُن پہاڑوں کی طرف بڑھ گیا — اور ساحل کی  
پسنت سے ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ پہاڑی کے قریب پہنچ گیا جس کی نشانہ



بند کر دیئے —

دو ہاتھ اس کی پشت کی جانب سے بڑھے اور اس کی تلاشی لینے لگے  
ریوالور سمیت انہوں نے اس کی جیب سے تمام چیزیں برآمد کر لیں —  
پھر وہ لوگ اُسے لینے ہوئے گھومے — اُن کا سچا ہٹن نمبر تھری ہی  
کی طرف تھا —

تئویر کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا — اُسے ان اسٹین گنوں کی  
زیادہ پردہ نہیں تھی، وہ تو موقع کی تلاش میں تھا —  
وہ اُن کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا —  
یہاں تک کہ کان کا دبانہ اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر  
رہ گیا —

اچانک وہ تیزی سے گھوما اور — اپنی پشت میں چھپنے والی اسٹین  
گن کو پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا — اسٹین گن اس کے ہاتھ میں آگئی جبکہ  
اسٹین گن بردار قلا بازیاں کھاتا ہوا دُور جا گرا — تئویر نے بجلی کی طرح  
اُچھل کر ایک لات، اس شخص کے منہ پر ٹکرا دی جو اپنی اسٹین گن کا سیفٹی  
کچ کھینچ چکا تھا — اس کے ساتھ ہی اس نے ایک مشین کی طرف پھلانگ  
لگا دی جو اس سے دو گز کے فاصلے پر کان کے دہانے کے قریب کھڑی ہوئی  
تھی —

فضا میں تڑتڑ کی آواز گونجی — اور سینکڑوں گولیاں مشین گنوں سے  
نکل کر اس کی طرف لپکیں — لیکن تئویر اُن کی زد سے دُور ہو کر مشین کی

اڑ لے چکا تھا —

اس کے ہاتھ میں دشمن سے چھپتی ہوئی اسٹین گن دبی ہوئی تھی جسے  
اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا — اس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت اور  
جذبات سے عاری ہو گیا تھا —  
ڈیجیٹر اسکواڈ نے بھی اب اپنے کمانڈر کی ہدایت پر مورچے سمجھال لئے  
تھے —

تئویر نے مشین کے پیچھے سے سر نکال کر دیکھا — فوراً ایک مشین گن  
کایرسٹ اس کی جانب آیا — اس نے تیزی سے گردن اندر کر لی —  
اس نے اسٹین گن بغل میں دابی اور پیٹ کے بل لیٹ کر کہتیوں  
کے ذریعے چلتے ہوئے مشین کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا —  
یہاں اُسے دو آدمی اسٹین گنیں تھامے آہستہ آہستہ مشین کی جانب  
بڑھتے نظر آئے — تئویر نے اپنی اسٹین گن سیدھی کی — دوسرے ہی لمحے  
وہ دونوں زمین پر تڑپ رہے تھے — تئویر کی اسٹین گن سے نکلنے والی گولیوں  
نے اُن کے جسموں میں کئی رنگین سوراخ کر دیئے تھے —

ڈیجیٹر اسکواڈ کے میراب اس کے چاروں طرف پھیل گئے تھے اور  
بڑی ہوشیاری سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے — اپنے دو ساتھیوں کے  
عبرت ناک انجام سے انہیں کسی قدر خوفزدہ کر دیا تھا —  
تئویر نے چپتے کی طرح چاروں طرف نظر دوڑائی — اور لیٹے ہی لیٹے  
مشین کے ساتھ لگی ہوئی ایک آہنی زنجیر کو پکڑ کر لٹک گیا —



یہ ایک بڑی سی مکسپر ٹائپ کی مشین تھی جس میں زنجیر کے ساتھ ہی ایک موٹا سا پائپ لگا ہوا تھا۔

تنویر نے قلابازی کھائی اور اسٹین گن سمیت پائپ میں داخل ہو گیا۔ وہ لیٹے ہی لیٹے پائپ میں آگے بڑھتا رہا۔

یہ پائپ آگے جا کر ایک چوکور سے ڈبے میں ختم ہو گیا تھا۔ ڈبے میں مختلف اوزار پڑے ہوئے تھے۔ تنویر پیٹ کے بل رہنمائی ہوا ڈبے میں داخل ہو گیا۔ ڈبہ بہت تنگ تھا اس لئے تنویر کو حرکت کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

لیٹے ہی لیٹے اس نے کروٹ بدلی اور گردن کو ذرا خم دے کر باہر دیکھنے لگا۔ اس جانب بھی اُسے ایک اسٹین گن کی نال اپنی جانب اٹھی دکھائی دی۔ اس نے بازو کے نیچے سے اسٹین گن نکالی اور اسکا رخ اس جانب کر کے ٹریگر دبا دیا۔

دوسرے ہی لمحے ٹرٹر کی آواز کے ساتھ ایک انسانی چیخ ابھری اور معدوم ہو گئی۔

ڈینجرز اسکوڈ کے تین رکن مارے جا چکے تھے۔ کمانڈر نے ان کی پوزیشن تبدیل کی اور وہ پھر محتاط طریقے سے آگے بڑھنے لگے۔

تنویر نے ایک بار پھر ڈبے میں سے اپنا سر نکالا۔ اس مرتبہ اُسے اپنے بہت قریب ایک شخص نظر آیا جس کے سینے پر تین ستارے چمک رہے تھے۔ تنویر نے اسٹین کا رخ اس کی جانب کیا مگر کچھ سوچ کر اس نے

اسٹین گن دوبارہ بازو میں دبائی اور ڈبے میں سے لیٹے ہی لیٹے پائپ کو پکڑ کر اچھلا۔ دوسرے ہی لمحے وہ پائپ کے اندر تھا۔ وہ رہنمائی ہوا پائپ کے سرے پر پہنچ گیا۔ اٹھ بڑھا کر زنجیر پکڑی اور اس سے لٹکتا ہوا جیسے ہی نیچے پہنچا۔ اس کے کندھے میں جیسے دو دھتے ہوئے انگارے اتر گئے اس نے فوراً دوسرے اٹھ سے اپنا کندھا دبایا۔ لیکن درد کی شدت سے اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ اسٹین گن اس کے اٹھ سے چھوٹ کر دور جا گری اور وہ خود زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

دراصل جیسے ہی وہ پائپ کے ذریعے باہر آیا تھا اور اس نے زنجیر تھامی تھی۔ آہٹ پا کر کمانڈر گھوما تھا ساتھ ہی اس کی اسٹین گن کا دامن کھل گیا تھا۔ لیکن تنویر کی قسمت ہی اچھی تھی جو ساری گولیاں اس کے قریب سے نکل گئیں اور صرف دو گولیاں اس کے کندھے میں لگی تھیں۔

تنویر جیسے ہی زمین پر بیٹھا کمانڈر تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔ وہ اُسے جانچنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس اشار میں ڈینجرز اسکوڈ کے دوسرے لوگ بھی آگئے۔ کمانڈر نے اس کا شانہ ہلا کر دیکھا۔ لیکن اس کا کوئی رد عمل نہیں ہوا۔ تنویر کا جسم اس کے اٹھ پر آرا۔ کمانڈر نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔

انہوں نے اپنی اسٹین گنیں کندھے سے لٹکائیں اور آگے بڑھ کر تنویر کو کندھوں پر اٹھا لیا۔

وہ درد کی شدت سے کب کا یہ ہوش ہو چکا تھا۔



وہ لوگ اُس کے بے ہوش جسم کو اٹھائے کان میں داخل ہوئے اور  
کمانڈر کی قیادت میں چلتے ہوئے اس سوراخ نما کمرے کی جانب بڑھ گئے۔  
جہاں سے وہ آئے تھے۔

سوراخ نما کمرے میں پہنچ کر انہوں نے تنویر کو ایک جانب ڈالا  
عمران نے۔ جسے ان لوگوں نے پہلے ہی باندھ کر ایک کونے میں  
ڈال دیا تھا۔ تشویش زدہ نظروں سے زخمی تنویر کو دیکھا۔ وہ چاہتا تو  
بڑی آسانی سے یہاں سے نکل سکتا تھا۔ لیکن یہ اس کی پلاننگ نہیں  
تھی۔ تنویر کے زخمی ہونے سے اُسے سخت صدمہ ہوا تھا۔ کیونکہ تنویر  
بہر حال اس کا ماتحت تھا۔ عمران نے صرف تشویش زدہ نظروں سے اُسے  
دیکھنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ کیونکہ اس کے منہ پر پہلے ہی ان لوگوں نے  
ٹیپ چپکا دیا تھا۔ کمانڈر نے فرسٹ ایڈیکس کھول کر تنویر کے کاندھے پر  
ایسی دوا چھڑکی جس سے خون فوراً بند ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اس  
کی ڈریسنگ کر دی تھی۔

”کمانڈر ان دونوں کے ہاتھوں سے گھڑیاں اتار کر انہیں ہیڈ کوارٹر پہنچا  
دو۔ کمانڈر جیسے ہی ڈریسنگ سے فارغ ہوا۔ سوراخ کی چھت سے لگی  
ہوتی جالی سے آواز خارج ہوئی۔ کمانڈر نے مودبانہ انداز میں سر کو خم دیا  
اور آگے بڑھ کر پہلے اس نے تنویر کے ہاتھ سے اور پھر عمران کے ہاتھ سے  
اُن کی رسیٹ واپز اتار لیں جو درحقیقت واپز ٹرانسمیٹر تھیں۔

کمانڈر نے اس کام سے فارغ ہو کر دیوار میں لگا ایک بٹن دبایا۔ فوراً

ہی اس جگہ سے دیوار کا اتنا حصہ کھل گیا جس سے بیک وقت دو آدمی  
گزر سکتے تھے۔

اُن لوگوں نے تنویر اور عمران کو کاندھوں پر اٹھایا اور اس دروازے  
میں داخل ہو گئے۔ دروازے میں داخل ہونے سے پہلے عمران کی آنکھوں پر  
پٹی باندھ دی گئی تھی۔

یہ ایک لمبی سڑنگ تھی جب وہ سڑنگ کے انتہا کو پہنچے تو کمانڈر  
نے یہاں بھی دیوار میں لگی ہوئی ایک چرخی کو گھمایا۔ سڑنگ کا منہ اس جگہ  
سے کھل گیا۔ سڑنگ کے منہ کے ساتھ ہی شیشے کا ایک چوکور کیبن تھا  
جس کی دوسری طرف پانی ہی پانی تھا۔

کمانڈر عمران اور تنویر کو لے کر اس کیبن میں داخل ہوا، اس کے ساتھ  
ہی دو محافظ بھی کیبن میں داخل ہوئے تھے۔ کمانڈر نے کیبن میں داخل  
ہو کر سڑنگ میں کھڑے ہوئے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ اس نے چرخی  
گھمادی جس کے ساتھ ہی سڑنگ کی دیوار اپنی جگہ پر آ گئی۔ کمانڈر نے کیبن  
میں بیٹھا ہوا ایک بٹن دبایا۔

کیبن کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور وہ سڑنگ سے دور ہٹتا چلا گیا۔



”اس کا مطلب ہے گوریلا نما عفریت کی آرٹ میں مجرم کوئی کھیل کھیل

ہیں؟ جولیا کے خاموش ہونے پر اس نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

”میرا اپنا بھی یہی خیال ہے“

جولیا نے بھی اس کی تائید کی۔

وہ دونوں اپنی موجودہ پوزیشن اور کیس کی نوعیت کے بارے

میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ کہ ایک نرس ان کے قریب آئی۔

”بس آپ کا فون ہے“

اس کا اشارہ جولیا کی طرف تھا۔ جولیا نے استہفامیہ نظروں سے

مفدر کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پا کر نرس کے ساتھ کمرے سے باہر

نکل گئی۔

نرس اُسے لئے ہوئے اسٹاف روم میں داخل ہوئی۔ یہاں پہنچ کر

اس نے رسیور جولیا کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو جولیا اسپیکنگ“

”اوہ میڈم میں سجاد ہوں۔ آپ خیریت سے تو ہیں۔ مجھے مفدر

صاحب کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا“

”شکریہ سجاد صاحب سب خیریت ہی ہے۔ مفدر بھی ٹھیک

ہے۔ آپ نے کیسے زحمت کی؟“

”وہ دراصل عمران صاحب کی کار گوریلا نما عفریت کے پاؤں تلے آکر

گچھلی گئی ہے۔ ایک بیفٹینٹ کا بیان ہے کہ اس نے عمران کو بھی کار کے

تئویر، —

کے رخصت ہونے کے بعد جولیا۔ مفدر کی طرف متوجہ ہو گئی

تھی جواب ہوش میں آکر آنکھیں کھول رہا تھا۔ وہ کچھ دیر پالکیں جھپکاتا رہا

اور پھر آنکھیں پوری طرح کھول کر جولیا کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں کہاں ہوں جول؟“ اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

”تم اسپتال میں ہو۔ ہوٹل کا ملبہ گرتے سے تمہارے سر میں چوٹ

آگئی تھی اور تم بے ہوش ہو گئے تھے“ جولیا کے یاد دلانے پر اُسے یار

آیا کہ کس طرح وہ ان دونوں کو بچاتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔ گوریلا نما

عفریت کے تصور ہی سے اُسے جھڑجھڑی آگئی۔

”تم تو خیریت سے ہو۔ تئویر کہاں ہے۔ عمران صاحب کا کچھ بہتہ چلا“

یادداشت واپس آتے ہی اس نے عمران اور تئویر کے متعلق پوچھا

جواب میں جولیا نے اُسے عمران اور تئویر کے متعلق تمام تفصیل اس

کے گوش گزار کر دی۔ مفدر اٹھ کر بیٹھ گیا اور نشوونما زدہ نظروں سے جولیا

کو دیکھنے لگا۔



اس کے ساتھ ہی سلسلہ متقطع ہو گیا۔ جولیا نے رسیور کرپڈل رکھا اور واپس صفر کے کمرے کی جانب مڑ گئی۔  
"کون تھا؟"

"ہنرانی نس کا پرسنل سکریٹری سجاد۔ عمران کے متعلق پوچھ رہا"

"تم نے کچھ بتایا تو نہیں؟"

صفر نے پریشانی سے پوچھا۔

"نہیں میں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کیا؟"

صفر نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ

عمران کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہو۔ عمران کی سختی سے ہدایت تھی کہ

اپنے معاملات میں کسی کو بھی مداخلت نہ کرنے دو۔ صفر بھلا کس طرح

اس کی ہدایت سے روگردانی کرتا۔

"کیا تم چل سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"کچھ دیر میں ہنرانی نس کے آدمی ہمیں لینے کے لئے آ رہے ہیں"

صفر نے اس کی بات سن کر خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ وہ

ان پُرپیچ حالات میں کوئی فیصلہ کرنے سے کترا رہا تھا۔

وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ جولیا نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب

ساتھ مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن جب پولیس وہاں پہنچی تو وہاں عمران صاحب کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس سلسلے میں اگر آپ کو کچھ علم ہو تو ازراہ کرم بتا دیں۔ ہنرانی نس اسی کی جانب سے بہت فکر مند ہیں۔"

جولیا کچھ دیر رسیور تھامے یوں ہی کھڑی سوچتی رہی۔ اس کے پیش نظر دو باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ عمران اور تنویر کے متعلق انہیں لا

رکھے۔ اس صورت میں مجرموں کے ہوشیار ہونے کا امکان کم تھا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ انہیں اب تک ہونے والی تمام کارروائی سے آگاہ

کر دیتی۔ لیکن اس میں قباحت یہ تھی کہ یہ لوگ بھی کیس میں ٹانگ اڑا

دیتے۔ جسے عمران کسی صورت میں پسند نہیں کرتا۔ اس نے چند لمحوں

میں فیصلہ کر لیا۔

"سجاد صاحب ہم لوگ خود بھی لا علم ہیں کہ وہ کہاں ہیں؟"

اس نے تشویش زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"خیر کوئی بات نہیں آپ بے فکر رہیں۔ ہم انشاء اللہ انہیں جلد

ڈھونڈ نکالیں گے۔ ہم نے آپ کے قیام کا بندوبست ایک دوسری جگہ

کر دیا ہے اگر مناسب سمجھیں تو وہاں شفٹ ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے سجاد صاحب آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ ہم

تیار ہیں۔" اس نے رضامندی ظاہر کی۔

"میں آپ کی شفقنگ کے لئے آدمی بھیج رہا ہوں۔ آپ ان کے

ساتھ آجائیں۔ میں یہاں آپ کا منتظر ہوں گا۔"



نہیں سمجھا — وہ خاموش ہو کر خود بھی عمران کے متعلق سوچتے لگی۔  
 دراصل جب سے وہ چولان میں داخل ہوئے تھے انہیں کوئی لمحہ سکون کا میسر نہیں آ سکا تھا اور کیس بھی اس نوعیت کا تھا کہ اُسے سمجھنا ہی اس کے لئے کارِ وارد ہو گیا تھا۔ عمران آتے ہی اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ کیس کے متعلق کچھ بتا ہی نہ سکا۔ اور اب تو یہ ایک نازک مرحلے میں داخل ہو گیا تھا جہاں پر ذرا سی اوجِ بیچ شدید نقصان کا باعث ہو سکتی تھی۔

اُسے عمران کے پکڑے جانے کی فکر نہیں تھی وہ جانتی تھی کہ اس میں بھی عمران کی کوئی مصلحت ہی کارِ فرما ہوگی۔ ورنہ وہ اتنا ترنوالہ نہیں تھا کہ اس پر آسانی سے ہاتھ ڈالا جا سکے تنویر کو اس نے عمران کے طلب کرنے پر اس نے تنویر کو بھیج دیا تھا۔ اور جو نہی صورت حال سامنے آئی تھی وہ یہ تھی کہ — تنویر بھی مجرموں کے نرغے میں آکر یا تو ہلاک ہو چکا تھا یا زخمی ہوا تھا۔ آگے بڑھنے کیلئے اُن کے پاس راستہ تو تھا مگر وہ عمران کی ہدایت کے بغیر کوئی قدم اٹھانے سے ہچکچا رہی تھی۔

دونوں اپنے انہیں خیالوں میں گم تھے کہ کمرے میں چار افراد دھڑا دھڑ گھس آئے۔ ایک نے مڑ کر دروازہ بند کیا اور اندر سے چٹختی لگا دی۔

صفر انہیں دیکھ کر تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔ جولیا نے بھی سچو لین کا اندازہ لگا لیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اُن میں سے کوئی مزاحمت

کرتا — چاروں نے اپنے ریوالور نکال لئے — ان چاروں نے ریوالوروں سے دونوں کو کور کر لیا تھا۔  
 "کون ہو تم لوگ — اس طرح گھس آنے کا کیا مطلب ہے؟" جولیا نے چیخ کر کہا۔

"آہستہ مادام — آہستہ جیتے چلانے کی ضرورت نہیں — کچھ دیر بعد آپ کی سمجھ میں آ جائے گا کہ ہم کون ہیں اور ہمارے یہاں کتنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ بس سیدھی طرح ہمارے کہنے پر عمل کرتے جائیں۔ ورنہ — آپ کے انجام پر ہمیں افسوس ہی ہوگا۔"

اس کا قد کافی لمبا تھا جسم سے بھی کافی مضبوط تھا۔ اس کے لمبے کی سختی بتا رہی تھی کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر عمل کرنا بھی جانتا ہے جولیا نے لاپرواہی سے کاندھے اچکائے اور صفر کی جانب دیکھتے لگی۔

"مٹر آپ پلنگ سے نیچے اتر آئیں اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جائیں۔ میڈم آپ بھی ایسا ہی کریں۔"

سخت گیر آدمی کی ہدایت پر صفر پلنگ سے نیچے اتر آیا اور دیوار سے طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

جولیا بھی اس کے ساتھ ہی دیوار کی طرف منہ کئے کھڑی تھی۔  
 "جیفرسن — ان کی تلاشی لو! سخت گیر آدمی نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی اس نے آگے بڑھ کر صفر اور جولیا کی تلاشی



لے کر اُن کے پاس سے برآمد ہونے والی تمام چیزیں اپنے قبضے میں کر لیں۔  
 ”آپ دونوں کو اب خاموشی سے ایک دوسرے کا ساتھ اس طرح  
 باہر چلنا ہوگا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اگر کوئی چالاک دیکھانے کی کوشش  
 کی تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔“  
 اس نے سخت لہجہ میں دوسرا حکم دیا۔

صفدر اور جولیا نے معنی خیر لہجے میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔  
 اُن کے مہم سے اشارے کو کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکا تھا۔  
 وہ دونوں دروازے کی طرف گھومے۔ فوراً ہی چیخنی کھول دی  
 گئی۔ اور وہ دوستانہ انداز میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے  
 کمرے سے باہر آ گئے۔

جبکہ اُن کو کور کرنے والے چاروں آدمیوں نے ریوالور اپنے  
 جیبوں میں رکھ کر اس طرح انہیں کور کیا تھا کہ کوئی اور دیکھتا تو اُسے  
 کسی قسم کا شک نہ ہوتا۔

صفدر اور جولیا ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے اسپتال کی  
 عمارت سے باہر آ گئے۔ وہ چاروں اُن کے اطراف فاصلے سے موجود تھے  
 جیسے ہی انہوں نے اسپتال کا پھاٹک پار کیا۔ ایک بڑی سی  
 دین اُن کے قریب آ کر رُکی۔ سخت گیر آدمی نے انہیں اس میں بیٹھنے  
 کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں خاموشی سے آگے بڑھے اور دین میں بیٹھ گئے۔ اُن

کے ساتھ ہی وہ چاروں افراد بھی دین میں بیٹھ چکے تھے جنہوں نے انہیں کور  
 کیا تھا۔

دین میں بیٹھتے ہی انہوں نے دوبارہ اپنے پستول نکال لئے تھے۔  
 اُن سب کے بیٹھتے ہی دین آگے بڑھ گئی۔ اس کا رخ شمالی ساحل  
 کی سمت جہتے والی بڑک ہی طرف تھا۔

صفدر اور جولیا کے گرد وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ اُن کا حرکت  
 کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

صفدر اور جولیا اپنی جگہ مطمئن تھے۔ اور نہایت اطمینان سے پیچھے  
 کی طرف بھاگتی عمارتوں اور درختوں کو دیکھ رہے تھے۔

دین قراٹے بھرتی شمالی ساحل کی طرف گامزن تھی۔ وہ دونوں اپنے  
 اپنے خیالوں میں گم اپنے آپ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کیلئے تیار کر  
 رہے تھے۔





کر دکا۔ جھٹکے سے عمران سمجھ گیا تھا کہ اُن کی منزل آگئی ہے۔

کمانڈر نے کہیں میں لگے ہوئے بٹن کو دبایا۔ جس سے کہیں کا دروازہ کھل گیا۔ پہلے کمانڈر باہر نکلا اس کے بعد دو محافظوں نے عمران کو دھکا دے کر باہر نکلا اُن کے پیچھے ہی دو آدمیوں نے تنویر کے جسم کو لپٹے کندھے پر لادا اور کہیں سے باہر نکل آئے۔ وہ پیٹ فارم عبور کرتے ہوئے زینوں کے قریب پہنچ گئے۔ زینے طے کرنے کے بعد کمانڈر انھیں لئے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں چھت پر ایک سرخ بلب لگا ہوا تھا۔ جو ان لوگوں کے اندر داخل ہوتے ہی جل اٹھا۔ اُن لوگوں نے عمران اور تنویر کو کمرے میں چھوڑا اور خود وہاں سے باہر نکل گئے۔

اُن کے باہر جاتے ہی دو دوسرے آدمی جنھوں نے سفید گاؤں پہن رکھے تھے۔ کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ وہی فرسٹ اور سیکنڈ آپریٹر تھے جنھوں نے عمران کو پہاڑیوں پر چیک کیا تھا۔ فرسٹ آپریٹر نے آگے بڑھ کر عمران کی آنکھوں سے پٹی ہٹا کر منہ سے ٹیپ نکال لیا۔ جبکہ سیکنڈ آپریٹر تنویر کے قریب کھڑا۔ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

آنکھوں سے پٹی ہٹتے ہی عمران نے پلکیں جھپکا کر چند صیالی ہوئی نظریا سے اُسے دیکھا آپریٹر نے اس کے ہاتھ بھی کھول ڈالے تھے۔

”کسی قسم کی حرکت کرتے سے پہلے اتنا یاد رکھنا کہ یہاں سے تم کسی صورت میں بھی بچ کر نہیں جا سکتے؟ آپریٹر نے اس کے ہاتھ کھولنے کے بعد تنبیہ کی۔

عمران —

آنکھوں پر پٹی بندھے ہونے کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن اس نے کہیں کی حرکت سے یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ وہ پانی کے اندر سفر کر رہے ہیں۔ منزل کے متعلق عمران کو علم تھا کہ وہ لوگ اُسے اور تنویر کو کسی ہیڈ کوارٹر لئے جا رہے ہیں۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی اُن دیکھی آواز سے سن چکا تھا جو کمانڈر کو حکم دے رہی تھی کہ یعنی ہیڈ کوارٹر منتقل کر دیا جائے ظاہر ہے اس حکم کی تعمیل کے طور پر وہ ہیڈ کوارٹر ہی لے جائے جا رہے تھے کہیں میں عمران کے ہاتھ پشت پر باندھ کر ایک جانب کھڑا کیا گیا تھا اس کے دونوں جانب ڈیجیٹل اسکوڈ کے دو مسلح شخص کھڑے تھے۔ عمران کو تنویر کے بارے میں علم نہیں تھا کہ وہ کسی حالت میں ہے۔ شیشے کا کہیں اس آبدوز کے قریب جا کر ٹھہر گیا جس پر کسی ملک کا نام و نشان نہیں تھا۔ گھر گھر کی آواز پیدا ہوئی اور آبدوز کے سامنے کے حصے میں ایک مستطیل خلاء پیدا ہو گیا۔ کہیں اس میں داخل ہوا۔ کہیں کے اندر پہنچتے ہی وہ خلاء برابر ہو گئی۔ شیشے کا کہیں بیک پیٹ فارم کے قریب جا



عمران نے گاؤدی انداز میں سر ہلکا دیا —  
 ”اُس کی حالت کیسی ہے؟“

اس نے سیکنڈ آپریٹر سے پوچھا — جو تنویر کے قریب کھڑا تھا —  
 ”خطرے سے باہر ہے جلد ہی ہوش آجائے گا“  
 ”ٹھیک ہے آؤ چلیں“

فرسٹ آپریٹر نے کہا — پھر وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے تھے —  
 عمران اُن کے جاتے ہی تیزی سے تنویر کے قریب پہنچا — اور اس کے  
 سر ہاتے کھڑے ہو کر تشویش سے اس کی جانب دیکھنے لگا — تنویر کے پوٹے ہلے  
 اور اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں — اس نے غور سے عمران کی طرف اور پھر  
 اطراف میں نظریں دوڑائیں —

”ہم لوگ کہاں ہیں؟“

اس کی آواز میں نقاہت نمایاں تھی —

”سسرال میں“

عمران نے بے ساختہ جواب دیا — ”سسرالیوں کو ہم سے بہت محبت ہے  
 نا اس لئے یہ لوگ ہمیں اٹھا کر یہاں لے آئیں ہیں“  
 ”کیا بکواس ہے؟“

”بکواس؟“ عمران احمقانہ انداز میں اُسے گھورا — ”محقوڑی دیر ٹھہر جاؤ ابھی  
 تم خود اپنی آنکھوں سے سسرالیوں کو دیکھ لو گے“  
 عمران کا لہجہ معنی خیز تھا — تنویر نے چونک کر اسکی طرف دیکھا —

”تمہارا مطلب ہے ہم؟“

”مطلب و مطلب کو چھوڑ دیا — یہ بتاؤ تم نے گل بکاؤلی کی کہانی سنی  
 ہے — جس میں ایک دیو، شہزادی کو اُٹھا کر لے جاتا ہے اور پھر شہزادہ گلکام  
 شہزادی کو دیو سے چھپڑا کر اس سے شادی کر لیتا ہے — اور“.....  
 کافی دیر چپ رہنے کے بعد عمران کی زبان پھر چل نکلی تھی — لیکن  
 کمرے میں لگے ہوئے سُرخ بلب کو بار بار اسپارک ہوتا دیکھ کر وہ خاموش ہو کر  
 بلب کو گھورنے لگا تھا —

”اس سے پہلے کہ تم دونوں سے چند سوالات پوچھے جائیں اپنے نام بتاؤ“  
 بلب سے بھرائی ہوئی آواز خارج ہوئی —

عمران جو ٹٹکی باز صے بلب کو گھور رہا تھا — اس بلب سے آواز نکلتے ہی  
 خون زدہ ہو کر اُچھلا اور خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا —

”ب..... ب بھوت — تنویر بھائی آؤ بھاگ چلیں“

”آہا ہا..... بلب سے قہقہہ کی آواز بلند ہوئی —

”بہت خوب — بہت ہے تو کوشش کر دیکھو“

”ک..... ک کون ہو بھائی — کیوں ڈرا کر ہمارا خون خشک کر رہے ہو

سامنے آکر بات کرو“

”تم نے ابھی تک اپنے نام نہیں بتائے“

”مم.... میرا نام گل بکاؤلی ہے اور یہ شہزادہ مکھڑ ہے“

مکھڑ کے نام پر تنویر نے عمران کو گھور کر سر جھکا لیا تھا —



وے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ چاند پر سب سے پہلے اپالو دہم گیا تھا کہ اپالو نہم  
"ہوں تم لوگ یوں نہیں مانو گے"

بلب سے آواز آئی جس کے ساتھ ہی بلب بچھ گیا۔

عمران نے تنویر کو دیکھ کر احمقانہ انداز میں آنکھ دبائی۔ جو نہایت بیزاری  
سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے پیارے۔ کچھ تو گھل افشانی کرو۔"

"تمہاری طرح میری زبان فالتوا نہیں ہے۔ مجھ سے مخاطب ہونے کی

بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔" تنویر نے بھاڑ کھانے والے لہجے میں جواب دیا۔

اُسے عمران کی حرکتوں پر سچ جج غصہ آگیا تھا۔ جو موقع محل دیکھے بغیر

اپنی ٹرٹر شروع کر دیتا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی

ترکیب سوچے۔ اپنی احمقانہ بکواس ہی کئے جا رہا تھا۔

اسی احمقانہ پن کے سبب تو وہ عمران سے شدید نفرت کرتا تھا۔

لیکن عمران پر بھلا اس کی باتوں کا کیا اثر ہوتا۔

وہ اس کے قریب پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا تھا اور چھیڑنے والی نظروں

سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"یار تقدیر تم نے کبھی لٹن سپہوان کی مٹھائی کھائی ہے؟"

"تقدیر کے بچے میں کہتا ہوں خاموش رہو۔ ورنہ گردن توڑ دوں گا۔"

"اونہ۔ گردن توڑ دوں گا۔"

عمران نے اسکی نقل اتاری۔

"تم بتاؤ نوجوان تمہارا کیا نام ہے؟"

بلب سے آتی ہوئی آواز اب کہ تنویر سے مخاطب تھی۔

"میں نام بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ نہ ہی میں تمہارے کسی سوال کا جواب

دوں گا۔" تنویر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہ سوالوں کے معاملے میں کمزور ہے اسی لئے ہر امتحان میں فیل ہو

جاتا ہے۔ آپ مجھ سے سوال کیجئے انشاء اللہ ایسے جواب دوں گا کہ

طبیعت صاف ہو جائے گی۔"

"تم دونوں کو شاید اپنے انجام کا علم نہیں ہے۔ ورنہ یوں اُلٹی سیدھی

بکواس کبھی نہ کرتے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنے متعلق سب کچھ بتا

و۔ ورنہ ہم گونگوں سے بھی اگلوانا جانتے ہیں۔"

"اٹاں کیوں خواہ مخواہ تیری دیئے چلے جا رہے ہو۔ تم سے کہہ تو دیا ہے

سوال تو کرو۔" عمران نے احمقانہ انداز میں ہاتھ پچلتے ہوئے جواب دیا۔

"اپنے نام بتاؤ۔ بالکل درست۔"

"بتا تو دیتے ہیں یار۔ میرا نام گل بکاولی اور اس کا نام شہزادہ مکھڑ۔"

"تم لوگ کون ہو؟"

نادیدہ ہستی کا دوسرا سوال تھا۔

"عینک لگاؤ یار۔ تمہاری آنکھیں کمزور ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"تمہیں کیا ہم چاند کی مخلوق دکھائی دے رہے ہیں۔ ویسے بائی دی



”کبھی شکل بھی دیکھی ہے آئیے میں۔ صورت سے آلو بخارہ معلوم ہوتے ہو“

تنویر نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا لیکن کمرے کا دروازہ کھلتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ عمران بھی اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

دروازہ کھلا اور نیلی وردی میں ملبوس دو آدمی اندر داخل ہوئے انہوں نے اسٹین گنوں سے انھیں باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

”عجیب ہو تم لوگ بھی یار ایک جگہ چین سے بیٹھنے بھی نہیں دیتے؟“ عمران منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا کمرے سے نکلا۔ ایک اسٹین گن بردار نے

اُسے پیچھے سے کور کر لیا تھا۔ جبکہ تنویر بھی دوسرے اسٹین گن بردار کی نگرانی میں عمران کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا۔

دونوں اسٹین گنوں سے تنویر اور عمران کو کور کئے ہوئے ایک راہداری میں داخل ہوئے۔

یہاں قطار میں کہیں بتے ہوئے تھے۔

وہ دونوں انھیں لئے ہوئے انتہائی سرے والے کہیں کے قریب پہنچے جیسے ہی وہ دروازے کے سامنے پہنچے۔ وہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔

انہوں نے اسٹین گنوں سے انہیں کمرے میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا

عمران نے گھوم کر دروازے کی طرف دیکھا جو اب بند ہو چکا تھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

”تقدیر بھائی یہ سب کیا اسرار ہے یار اپنی سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا“ آئے گا بھی کیسے تمھاری عقل میں تو بھٹس بھڑا ہے۔ اور ہاں اگر اٹھ رہے تم نے میرا نام غلط بیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔“ تنویر نے جملے کٹے پہچے ہیں جواب دیا۔

یہ کمرہ جس میں انھیں اس وقت لایا گیا تھا گوتا تھا ہی بڑا تھا جس میں انہیں پہلے رکھا گیا تھا۔ لیکن اس کی ایک دیوار پر اسکرین بھی.... آویزاں تھا۔ جبکہ یہاں سرخ بلب کی جگہ دو تیز پاور والے بلب جل رہے تھے۔

عمران نے اس کا پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ۔ نہ صرف انہیں دیکھا جا رہا ہے بلکہ اُن کی باتیں بھی سنی جا رہی ہیں۔ وہ موقع کا منتظر تھا کہ کس طرح ان لوگوں کے مقاصد کا پتہ چل جائے۔

لیکن ابھی تک کوئی ایسی صورت حال سامنے نہیں آئی تھی جس سے۔ اُسے اس مشکل کو حل کرنے میں مدد ملتی۔ اسی لئے وہ اتنے پاؤں مار کر کامیابی کی راہیں تلاش کرنے میں مصروف تھا۔

اُسے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کوئی غیر ملکی گروہ ہے جو جدید سائنسی حربوں سے اپنے مذموم عزائم کی تشکیل کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کا ٹارگٹ سہراب پور کے وہ کانیں تھیں جن سے پلاٹینم نکالا جاتا تھا لیکن

عمران کے خیال میں اس کے ساتھ ہی مجرموں کے کچھ اور مقاصد تھے جو ہنوز پوشیدہ تھے۔



اچانک دیوار میں لگا ہوا اسکرین روشن ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی کمرے میں لگے ہوئے دونوں بلب بجھ گئے۔  
تئویر اور عمران اسکرین کی طرف دیکھنے لگے۔ جہاں ایک شخص کا چہرہ نمودار ہوا۔ جس کی شکل بالکل بےینوی تھی کلین شیو کے علاوہ بھنوں کے بال بھی غائب تھے۔ وہ ایک خربوزے کی مانند ہی نظر آ رہا تھا جس پر آنکھیں ناک کان اور ہونٹ چپکا دیئے گئے ہوں۔

وہ اپنی گول گول آنکھوں سے ان دونوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔  
”تم لوگوں نے اپنے نام درست نہیں بتائے تھے۔ لیکن اس کے باوجود میں تمہارے نام جانتا ہوں۔ اور اُن کے نام بھی جانتا ہوں جو اب سے تھوڑی دیر بعد یہاں پہنچ جائیں گے؟“

اس نے مسکرا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

عمران اس کی بات سن کر بے اختیار اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”تم ہمارے متعلق اور کیا کیا جانتے ہو بھائی؟“

”اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تمہارا نام عمران اور اس کا نام تئویر ہے تمہارے دونوں ساتھی جنہیں ہمارے آدمی ملٹری ہسپتال سے اٹھا کر لا رہے ہیں۔ اُن میں سے عورت کا نام جولیا اور مرد کا نام صفدر ہے۔ آگے کی معلومات تم فراہم کرو گے۔ کہ تمہارا تعلق ریاست ہی سے ہے یا کہیں باہر سے بلوائے گئے ہو۔ اور تمہیں اس کام کے لئے کس نے مامور کیا ہے؟“  
”اماں نیند میں تو نہیں ہو کیا بے پر کی ہانک رہے ہو؟“

”کوئی بات نہیں تم تو کیا تمہارے فرشتے بھی اُگل دیں گے۔ ذرا تمہارے ساتھیوں کو آجانے دو۔ جب تم لوگ ہماری طاقت کا مظاہرہ دیکھو گے تو خود بخود راستے پر آ جاؤ گے۔ مگر وہ لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔ اپنے آپ کو اس لمحے کے لئے تیار رکھو۔“  
خربوزے کی مانند چہرے والے نے کہا۔ جس کے ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گیا۔

عمران نے دانت بھینچتے ہوئے اسکرین کو کُمہ دکھایا۔  
اچانک دروازہ کھلا اور صفدر اور جولیا کو کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔

”آہ۔ دفتر بھائی۔ جونی ڈارلنگ۔ آئیے آپ ہی کا انتظار ہو رہا تھا“  
عمران نے باجھیں پھیلائیں۔

لیکن اس کی بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔

وہ تینوں ایک دوسرے کو ہونٹوں کی طرح دیکھ رہے تھے۔





ہماری نظروں میں آئے بغیر کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ اور ریاست  
کی انتظامیہ کا یہ حال ہے کہ اُسے ہمارے گوریلے سے نمٹنے سے ہی  
مرست نہیں مل رہی۔“

”ان سب باتوں سے مجھے انکار نہیں لیکن میں پھر بھی یہ کہونگا  
کہ ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ یوں بھی ایم دی سلطان کی عرق آبی  
ریاست کی حکومت کا ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ پھر ہمیں ان جاسوسوں  
کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے ان کے کچھ اور ساتھی ہوں  
جو ہمارے لئے بعد میں پریشانی کا باعث بن جائیں۔ پھر ہمیں ابھی یہ  
علم نہیں کہ وہ جاسوس ریاست کے ہیں یا ریاست نے اُن کی خدمات  
کی ملک سے حاصل کی ہیں۔“

”تمہارا خیال بالکل درست ہے جیسن پہلے ہمیں اُن جاسوسوں سے  
معلومات کرنی چاہئے اس بعد دوسرا حصہ شروع کرنے پر غور کریں گے۔“  
ایک معمر کمانڈو نے جیسن کی تائید کی۔ نیلی آنکھوں والا کمانڈو  
جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

”جارج طامی تمہارا کیا خیال ہے؟“  
معمر کمانڈو نے دوسرے دونوں کمانڈوز سے پوچھا جو ابھی تک خاموش  
تھے۔ انھوں نے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

”آپ کی بات درست ہے۔ لیکن جہاں تک مشن کے دوسرے  
تک کو شروع کرنے کا تعلق ہے تو مجھے یقین ہے کہ ہم کسی مزاحمت کے

آہدوز۔“

کے آپریشن روم میں ایک گول میز کے گرد پانچوں کمانڈوز بیٹھ  
اپنے سامنے لگی ہوئی اسکرین پر دیکھ رہے تھے۔ جہاں شمالی پہاڑوں کے  
دامن میں واقع تینوں کانیں صاف نظر آرہی تھیں۔

”ہمارے مشن کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا ہے میرے خیال میں اب  
دوسرے حصے پر کام شروع کرنا چاہئے۔“

ایک قوی ہیکل اور نیلی آنکھوں والے کمانڈو نے کہا۔  
”جارج تم ہر کام میں جلد بازی کا ثبوت دیتے ہو۔ حالانکہ تمہیں

معلوم ہے کہ پہلے حصے کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہی کئی دشواریاں ہماری  
راہ میں حائل ہو گئی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ جاسوس ہیں جو ہماری ٹوہ  
میں یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔“

ایک دوسرے کمانڈو نے پہلے کی تجویز رد کرتے ہوئے کہا۔  
”نیلی آنکھوں والے کمانڈو نے اُسے گھور کر دیکھا۔

”تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ شمالی ساحل پر کالوں کے علاقوں میں



بغیر اس حصے کو آسانی تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ جارج نے اپنی رائے پیش کی۔

”اس سلسلے میں — میں آپ سے بالکل متفق ہوں ہمیں پہلے ان جاسوسوں سے نمٹ لینا چاہئے“

اس مرتبہ ٹامی نے خیال آرائی کی تھی —

مہر کمانڈو کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر میز کے نیچے لگے ہوئے بیٹن کو دبایا —

”یس سر“

فوراً ہی انٹرکوم پر آواز ابھری —

”اُن چاروں کو آپریشن روم میں پہنچاؤ“

”رائٹ سر“

انٹرکوم سے آواز ابھری جس کے ساتھ ہی مہر کمانڈو نے سوئچ آف کر دیا —

اسکرین پر مہنوز تینوں کاتیں نظر آرہی تھیں — اور پانچوں کمانڈوز اپنے اپنے خیالوں میں گم اسکرین کو گھورنے میں مصروف تھے —

اُن کے درمیان خاموشی کا یہ طویل سلسلہ اس وقت ختم ہو گیا جب چار نیلی وردی میں ملبوس افراد جولیا عمران صفدر اور تنویر کو اسٹین گنوں سے کور کئے آپریشن روم میں داخل ہوئے —

پانچوں کمانڈوز اُن کی جانب گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اسٹین

گنوں سے مسلح افراد نے اُن چاروں کو ایک دیوار سے لگا کر کھڑا دیا تھا۔ عمران کمرے میں داخل ہوتے ہی اسکرین پر شمالی پہاڑ اور پلانٹینم کی کانوں کے منظر کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں سر ہلایا — اور پانچوں کمانڈوز کو باری باری گھورتے ہوئے احمقانہ انداز میں منہ چلانے لگا —

”تم شمالی پہاڑوں میں کیا کر رہے تھے؟“

مہر کمانڈو نے سکوت توڑتے ہوئے عمران سے پوچھا —

”اپنی مرضی تلاش کر رہا تھا۔ کمبخت دو دنوں سے بغیر کچھ کہے گھر

سے غائب ہے — آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟“

عمران نے اُسٹ سوال کیا۔

صفدر اس کے جواب پر زیر لب مسکرانے لگا تھا۔ جبکہ پانچوں

کمانڈوز اُسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے —

”جیکسن یہ بہت چالاک دکھائی دیتا ہے ایسے نہیں مانے گا۔“

یہ مہر کمانڈو کی آواز تھی — وہ عمران کو غور سے دیکھتے

رہے اپنے بائیں جانب بیٹھے ہوئے کمانڈو سے مخاطب تھا —

”مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے — دوسروں سے پوچھیں یہ کیا کہتے

”تمہارا نام جولیا ہے“

اب کمانڈو جولیا سے مخاطب تھا —



”جولیا ہو یا خو پیا تم سے کیا۔ خبردار جو تم نے اس کا نام اپنی گندی زبان سے لیا“

جولیا کی جگہ عمران نے ہاتھ پچاتے ہوئے جواب دیا۔ غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔  
”شٹ آپ“

مہر کھانڈو زور سے چیخا: ”ایکے اگر تم نے زبان کھولی تو گدسی سے کھینچ لوں گا“

”اماں جاؤ۔ آتے بڑے رستم کی اولاد۔ ذرا مقابلے پر تو آؤ۔ مار مار کر بھگس نہ نکال دیا تو میرا نام نہیں“

عمران کے تاؤ دلانے پر مہر کھانڈو کے بائیں جانب بیٹھا ہوا.... جارج جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھا۔ لیکن مہر کھانڈو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔

”بس اتنا ہی دم تھا“

عمران نے حقارت سے کہا۔

”تم سے تو اچھا میرا لوکر سلیمان ہے جو پیاز کاٹنے کی چھری سے مرغا ذبح کر دیتا ہے“

”سریہ میری تو ہیں ہے“

جارج دوبارہ کرسی پر کلبلیا۔ اس کے علاوہ دوسرے کھانڈو کے چہرے بھی غصے کی زیادتی کی وجہ سے بگڑ گئے تھے۔ اور وہ پھاڑ

کھانے والی نظروں سے عمران کو دیکھ رہے تھے۔ مہر کھانڈو کے چہرے پر بھی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ لیکن اس نے کمال پھرتی سے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پُر سکون رہنے کا اشارہ کیا۔ اور دوبارہ عمران کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو ان لوگوں سے لا تعلق سا ہو کر سامنے والی دیوار کو گھورنے میں مصروف تھا۔

”شاید تم نہیں جانتے کہ تمہاری وقعت ہمارے سامنے چیونٹی کے برابر بھی نہیں۔ ہم جس وقت چاہیں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں“  
”تم ایسا کبھی نہیں کر سکتے“

عمران نے مسکرا کر جواب دیا۔ مہر کھانڈو اُسے تمسخرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”تمہیں شاید ریاست سے کسی مدد کی توقع ہے۔ لیکن یاد رکھو.... ریاست اب ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ ہم جب چاہیں اُسے کھنڈر میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ جس چند جھلکیاں تم نے چولان میں دیکھ ہی لی ہوں گی“

”تمہارا اشارہ اس دیو قامت گوریلے کی جانب ہے۔ جسے تم نے اپنے مذموم عزائم کیلئے بطور ہتھیار استعمال کیا ہوا ہے“

”ہاں ذلیل ایشیائی کیڑے۔ وہ ہمارا ایک ادنیٰ سا کارنامہ ہے۔ اگر تمہیں ہمارے متعلق کچھ اور معلوم ہو جائے تو تم دہشت کے مارے



یہیں مرجاؤ گے ؟

”بڑا ناز کر رہے ہو اپنے آپ پر لیکن یاد رکھو میں کبھی تمہارے مذہب سے الگ نہیں ہونے دوں گا سفید سوڑ“

عمران نے بھی ترکی بہ ترکی تلخ لہجے میں جواب دیا۔ جسے سنتے ہی معمر کمانڈو غصے سے چراغ پا ہو گیا۔ اس نے تیزی سے میز میں لگا ہوا انٹرکوم کا بٹن دبایا۔

”یس سر“

انٹرکوم سے مودبانہ آواز ابھری۔

”اسٹیٹ منبر تھری نائین تیار ہے“

”نوسر۔ ابھی کچھ دیر لگے گی“

کمانڈو نے سر ہلا کر انٹرکام کا سوئچ آف کر دیا۔

”تم ایک وردناک موت کے لئے تیار ہو جاؤ“

اس نے عمران سے کہا جس کے ساتھ ہی اس نے مسلح اسٹین گن

برداروں کو اشارہ کیا۔ دو اسٹین گن بردار آگے بڑھے اور عمران کو دوبارہ

کور کر کے آپریشن روم سے باہر نکل گئے۔

کمانڈو اب جولیا کی جانب دیکھ رہا تھا۔

جولیا بہترین سیکرٹ ایجنٹ ہونے کے باوجود موجودہ صورتحال سے

خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ کمانڈوز کی اپنی جانب دیکھتے پا کر اس نے...

نگاہیں دوسری جانب کر لیں تھی۔

”عمران کی گفتگو سے ہمیں یہ اندازہ تو ہو گیا ہے کہ تم لوگ ہمارا سراغ

لگا کر ٹھکانے لگانے کے ارادے سے یہاں آئے ہو لیکن اس سوال کا جواب ابھی تک نہیں مل سکا کہ تمہارا تعلق سہراب پور سے ہے یا تم باہر سے آئے ہو۔ اس سوال کا جواب جولیا تم دوگی“

اس نے جولیا کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

”میری بات پر تم یقین نہیں کرو گے۔ اس لئے خاموش ہی رہنا مناسب

ہے“

”یقین کا دار و مدار ہم پر چھوڑ دو صرف میرے سوال کا جواب دو۔

تمہارا تعلق سہراب پور سے ہے یا کسی اور جگہ سے“

معمر کمانڈو نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

”ہمارا تعلق کسی سے نہیں۔ ہم صرف سیاح ہیں۔ اور سیاحت

ہی کیلئے سہراب پور آئے تھے صرف تحسہ ہی کی خاطر ہم نے پلاٹینم کی کالوں

کی طرف دلچسپی لی تھی۔ لیکن گوریلا نما عنقریب کی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے

ہم چاروں نے عہد کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے اس اسرار کا پتہ ضرور

لگائیں گے جس نے چولان کو موت کے شہر میں تبدیل کر دیا ہے“

جولیا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

”لیکن جو واج ٹرانسمیٹر تمہارے پاس سے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ

تمہارے جواب کی تردید کرتی ہیں۔ ایسی واج ٹرانسمیٹر ہم نے صرف مختلف

مکانوں کی سیکرٹ سروس یا انٹرپول والوں کے پاس دیکھی ہیں“



”ہو سکتا ہے آپ نے ایسی وائچ ٹرانسمیٹرز اور جگہوں پر بھی دیکھی ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ وائچ ٹرانسمیٹرز ہم نے اپنے ایک دوست سے حاصل کی ہیں جو بین الاقوامی تنظیم مافیا کا ایک سرکردہ رکن ہے۔ اور انہیں حاصل کرنے کا مقصود یہ تھا کہ ہم چاروں کا ایک دوسرے سے ہر صورت میں رابطہ قائم رہے۔ آپ سیاحت کی پیچیدگیوں سے تو ضرور واقف رہے ہونگے؟“ جویا کی حاضر جوابی پر صفر اُسے دل ہی دل میں داد دیتے بغیر نہیں رہ سکا۔

معر کمانڈو سمیت چاروں کمانڈوز جویا کے مفصل جواب کے بعد کچھ سوچنے لگے تھے۔

اچانک جیکسن سوچتے سوچتے سر اٹھایا اور غور سے ان تینوں کو دیکھنے لگا۔

”سر یہ لڑکی تو سوئڈش معلوم ہوتی ہے جبکہ یہ تینوں ایشیائی ہیں“ جیکسن کی بات پر معر کمانڈو نے چونک کر انہیں دیکھا۔ جبکہ صفر نے جیکسن کی بات سن کر پہلو بدل کر تنویر کو اشارہ کیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ تنویر منہ کھولتا۔ جویا جلدی سے بول پڑی۔

”میرے ماں باپ سوئڈش تھے مگر وہ کافی عرصے پہلے جب میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھی نقل مکان کر کے ایشیا میں آباد ہو گئے تھے“ جویا کے جواب پر معر کمانڈو نے اپنے چاروں ساتھی کمانڈوز کی طرف استہفامیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ چاروں ابھی تک کسی الجھن میں

بتلا تھے۔

”جارج تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ان لوگوں نے اپنے متعلق درست بتایا ہے؟“

”نوسر ان کی باتوں پر مجھے اب بھی شک ہے۔ یہ لڑکی بھی اتنی چالاک دکھائی دیتی ہے۔ اور آپ نے اس کے متعلق تو سن ہی لیا ہوگا کہ اسے پکڑنے میں ہماری ڈیجیٹل اسکواڈ کے تین آدمی ضائع ہو گئے“ جارج نے تنویر کی طرف اشارہ کیا۔

”سر میرے خیال میں ان تینوں کو اسٹیم نمبر تھری تھری میں ڈال دیا جائے“

ایک دوسرے کمانڈو نے رائے دی۔

معر کمانڈو خاموشی سے اپنے ساتھی اور ماتحت کمانڈو کی رائے سنتا رہا۔ جبکہ صفر، تنویر اور جویا اپنی اپنی جگہ کھڑے اس کے فیصلے کے منتظر رہے۔ تینوں کے چہرے سے کسی قسم کی پریشانی یا گھبراہٹ نمایاں نہیں تھی۔ ان کے چہروں پر چھایا ہوا سکون ان کے قلبی اطمینان کا پتہ دے رہا تھا۔ معر کمانڈو اپنے ساتھیوں کی رائے سننے کے بعد کچھ دیر خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔

”فی الحال ان تینوں کو کیبن نمبر نائنٹی تھری میں قید کر دیا جائے اور مشن کے دوسرے حصے پر عمل شروع کر دیا جائے۔ میں انہیں زندہ حالت میں ہیڈ کوارٹر لے جانا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہاں ان کی اصلیت کا پتہ چل سکے“



معمد کھاڈو نے فیصلہ سنایا جس کے ساتھ ہی اس نے محافظوں کو اشارہ کیا۔

محافظ اُن تینوں کو کور کئے آپریشن روم سے باہر نکل گئے۔ اُن کا رخ کیبن نمبر نائنٹی تھری ہی کی جانب تھا۔ ان کے جانے کے بعد اُس نے چاروں کھاڈوز کو بھی جانے کا اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ پا کر وہ اپنی اپنی نشستوں سے اُٹھے اور ایک ایک کر کے آپریشن روم سے باہر نکل گئے،

دونوں —

محافظ عمران کو لئے ہوئے راہداری سے گزرتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے کے سامنے جا کر رُکے۔ جس کے دروازے پر ڈیوڑھ روم کے الفاظ کندہ تھے۔

ایک محافظ نے آگے بڑھ کر دروازے پر تین بار دستک دی اور پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلک۔ دروازہ کھولتے والا وہی فرسٹ آپریٹر تھا۔ اس نے ایک تنقیدی نظر عمران پر ڈالی اور دروازے سے ہٹ کر محافظوں کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ محافظ اُسے لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اس کمرے میں ایک بڑی سی مشین لگی ہوئی تھی۔ جس میں سینکڑوں سوئچ اور ان گنت میٹر لگے ہوئے تھے جن کی سوئیاں مختلف ہندسوں پر متحرک رہی تھیں۔ مشین کے وسط سے ایک ۲۰ اینچ قطر کا پائپ نکل کر کمرے کی چھت کی طرف چلا گیا تھا۔ مشین سے گھر گھر کی آواز بلند ہو رہی تھی اور اُس کے سرے پر لگے ہوئے دو سُرخ اور پیلے بلب بار بار جل اور بجھ رہے تھے۔ فرسٹ آپریٹر کے اشارے



پر دونوں محافظوں نے عمران کو مشین کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا۔

”بھائی کیا یہ ڈبل روٹی بنانے کی مشین ہے؟“

عمران نے مشین کو غور سے دیکھتے ہوئے فرسٹ آپریٹر سے پوچھا۔  
فرسٹ آپریٹر کے لبوں پر اس کا سوال سن کر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ ”نہیں یہ ڈبل روٹی کے سلاٹس بنانے کی مشین ہے۔“ تمہیں بھی یہاں سلاٹس ہی بنانے کے لئے لایا گیا ہے؟“

”نہیں بھائی مجھے سلاٹس کھانے کا اتنا شوق نہیں۔ تم ایسا کرو میری بجائے ان دونوں کو سلاٹس بنا دو۔ ان کی سلاٹس بڑے مزے دار ہونگے؟“  
عمران نے اپنے دائیں بائیں کھڑے ہوئے دونوں محافظوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن مجھے تو تمہارے سلاٹس بنانے کا آرڈر دیا گیا ہے؟“  
فرسٹ آپریٹر نے مشین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔  
”بس ایک آدھ منٹ کی بات اور ہے؟“

عمران نے خوف زدہ نظروں سے دونوں محافظوں کی طرف دیکھا۔  
فرسٹ آپریٹر اس اثناء میں میٹروں میں مقرر کھراتے والی سوئیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جو اب ایک ساتھ سُرخ نقطے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پھر جیسے ہی تمام سوئیاں سُرخ نقطوں پر پہنچی۔ آپریٹر نے تیزی سے چند بٹن دبائے۔ مشین سے گھوں گھوں کی آواز بلند ہوئی اور اس میں سے ایک شکنجہ سانکل کر باہر آگیا۔ آپریٹر نے چند بٹن اور دبائے اور عمران

کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں محافظ اب زیادہ مستعد ہو گئے تھے اور عمران اپنے اوپر آتے ہوئے شکنجے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ شکنجہ جیسے ہی اس کے سر پر آیا۔ عمران نے پھرتی سے فرسٹ آپریٹر کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا یا اور خود اچھل کر دور ہو گیا۔

آپریٹر نے گھبرا کر اٹھنا چاہا۔ لیکن اس اثناء میں شکنجہ اُسے جکڑ چکا تھا۔ دونوں محافظ سنبھل کر پلٹے۔ لیکن عمران پہلے ہی ہوشیار ہو چکا تھا وہ اس سے پہلے کہ اُن کی گتوں کا رُخ اسکی سمت ہوتا اُڑتا ہوا اُن کے قریب پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے دونوں کی گردنیں اسکے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھیں۔ اس نے بلا تاخیر ایک زور دار جھٹکا دیا۔ دونوں محافظوں کے سر ایک دوسرے سے آواز کے ساتھ ٹکرائے۔ ٹکراتی زور دار تھی کہ وہ دوبارہ اٹھ نہیں سکے۔ عمران نے ہمدرد چھپکیوں کی مانند انھیں ایک جانب پھینکا اور فرسٹ آپریٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جسے اب شکنجہ کافی اوپر اٹھا چکا تھا۔ شکنجے کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی آنکھیں اپنے حلقوم سے باہر نکلی پڑ رہی تھیں اور وہ ماہی بے آب کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔  
مشین کے اوپر عین وسط میں پہنچ کر شکنجہ یکھت کھٹا اور فرسٹ آپریٹر بھیا نک چنچ کے ساتھ مشین میں جاگرا۔ اس کے گرتے ہی عمران نے ہاتھ جھاڑے اور دونوں بے ہوش محافظوں پر تنقیدی نظر ڈالتا ہوا ڈیوٹر روم سے باہر آگیا۔ یہاں اس نے پہلے اس کا دروازہ بند کیا۔ راہداری کو اُس نے پہلے ہی چیک کر لیا تھا۔ جو بالکل سناں پڑی ہوئی تھی۔



راہداری میں دبے پاؤں چلتے ہوئے وہ دوسرے کیبن تک پہنچا اور دروازے سے کان لگا کر سن گئی۔ لینے کی کوشش کی۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔ جس کا مطلب تھا کیبن میں کوئی بھی موجود نہیں۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ مختلف کیبنوں کے سامنے سے گزرتا ہوا وہ زینوں تک پہنچ گیا، اس نے ابھی زینوں پر ایک قدم ہی رکھا تھا کہ اس کے حساس کانوں نے وہ آہٹیں سن لیں جو زینوں کے اوپر سے آرہی تھیں۔ عمران تیزی سے زینوں کے نیچے کے خالی حصے میں دیک گیا۔

دو آدمی زینے اتر رہے تھے۔ عمران سانس روکے انہیں اپنے قریب سے گذرتے دیکھتا رہا۔ ان دونوں نے بھی فرسٹ آپریٹر کی طرح سفید گون پہن رکھے تھے۔

عمران اپنی جگہ پر اس وقت تک دبکا رہا جب تک وہ لوگ گیلری سے ہوتے ہوئے ایک کیبن میں داخل نہیں ہو گئے۔ وہ اسی کیبن میں گئے تھے جسے عمران کچھ دیر پہلے خالی دیکھ آیا تھا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے اور دروازہ بند ہوا۔ عمران اپنی جگہ سے نکل آیا وہ تیزی سے زینے چڑھتے ہوئے اوپر پہنچ گیا۔ یہاں پر اُسے ایک وسیع و عریض کمرہ دکھائی دیا۔ جس کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ دروازہ گو بند تھا لیکن اندر سے بہت سی مشینوں کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس بڑے سے ہال نما کمرے کے عین سرے پر بھی ایک کیبن موجود تھا۔ عمران دیے پاؤں اس کیبن کے نزدیک پہنچا۔ اس کی قسمت ہی اچھی تھی جو اس وقت کسی نے اُسے نہیں دیکھا جب وہ

عین ہال نما کمرے کے دروازے کے سامنے سے گذر رہا تھا۔ عمران نے ہال کے سرے پر بنے ہوئے کیبن کے قریب پہنچ کر کان اس کے دروازے سے لگا دیئے۔

اندر سے کسی کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ عمران اپنی جگہ کھڑا کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر بالکل محافظ کی طرح دروازے کو تین بار تھپتھپایا۔

”کون ہے۔“

اندر سے آواز آئی۔

”فرسٹ آپریٹر“

عمران نے فرسٹ آپریٹر جیسی آواز میں جواب دیا۔ جس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا بھی صحیح طریقے سے اُسے دیکھ بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے اُسے دھکا دیا اور خود جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

یہ کیبن معمر کمانڈو کا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی عمران نے اس کی ایک جھلک دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ اس غیر متوقع بات نے اس کے کام کو آسان بنا دیا تھا۔ کیونکہ اُسے اسی معمر کمانڈو کے کمرے کی تلاش تھی جو عمران کے خیال میں ان تمام لوگوں کا سرغنہ تھا جو بچولان میں خونیں سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ عمران چونکہ بالکل غیر متوقع طور پر اس کے کمرے میں گھس آیا تھا۔ اس لئے معمر کمانڈو اپنی حیرت پر قابو نہ پاسکا وہ منہ پھاڑے



عمران کو گھور رہا تھا۔

”تم تم۔“ اسنے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے عمران کی طرف انگلی اٹھائی۔

”ہاں میں کمانڈو۔“ میں نے نہیں کہا تھا کہ تمہیں کسی صورت میں بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا؟ عمران اس کے بالکل سامنے پہنچ کر زہر خند لہجے میں بولا۔

”تم ڈیغبر روم سے بچ کر کس طرح نکل آئے؟“

معمر کمانڈو ابھی تک اپنی حیرت پر قابو نہیں پاسکا تھا۔

”اُسے چھوڑو۔“ اپنے متعلق کہو تمہارا کیا خیال ہے؟

”تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے؟“

کمانڈو نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔ اب وہ کمرے میں رکھی ہوئی میز سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اسکا ہاتھ آہستہ آہستہ میز پر لگے ہوئے بیٹن کی طرف کھسک رہا تھا۔

”اپنا ہاتھ سنبھال کر رکھو کمانڈو؟“

عمران کی تنبیہ پر کمانڈو نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے عمران پر چھلانگ بھی لگا دی۔ عمران اسکے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ تیزی سے جھکائی دیکر ایک طرف کو ہو گیا۔ کمانڈو اپنی ہی جھونک میں فرش چاٹنے لگا۔ لیکن سنبھل کر پھر پھرتی سے اٹھا۔

ایکے وہ آہستہ آہستہ عمران کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عمران اپنی جگہ

جما اُسے قریب آتا دیکھتا رہا۔

کمانڈو عمران کے قریب پہنچ کر اچھلا لیکن عمران نے اپنے دونوں ہاتھ پھرتی سے اس کی کمرے گرد حائل کر کے اس کے فضا میں اٹھے ہوئے جسم کو ایک زور دار چکر دیا۔ اور دھب سے زمین پر ٹپک دیا۔

”تم مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے ہیں تمہارا خون پی جاؤں گا؟“

کمانڈو زمین پر پڑا ہوا حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ عمران نے تشویش سے اسکی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر ایک مخصوص ہاتھ اس کی گڈی پر جما دیا۔

اس پیچیں عمران کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔

”کٹاک“ کی آواز ہوئی جس کے ساتھ ہی کمانڈو کی گردن کا منکا ٹوٹ

گیا اور وہ فرش پر اڑیاں رگڑنے لگا۔ عمران اُسے اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کمرے میں میز کرسی کے علاوہ ایک پینک بھی بچا ہوا تھا اور کھونٹیوں سے لٹکے ہوئے کپڑوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کمرہ معم کمانڈو کے ذاتی استعمال میں تھا۔ عمران جب اُس کی طرف پلٹا تو وہ تڑپ تڑپ کر ٹھٹھا ہو چکا تھا۔ اس کی گھلی ہوئی آنکھیں چھت پر مرکوز تھیں۔

عمران نے پیر کی ٹھوک سے اُس کے مردہ جسم کو ایک کونے میں کر دیا۔ اور کرسی پر بیٹھ کر میز کا جائزہ لینے لگا۔ میز میں اسی طرح کا بیٹن لگا ہوا تھا جیسا عمران اس سے پہلے آپریشن روم میں دیکھ چکا تھا یہ انٹر کوم کا بیٹن تھا۔ عمران نے کچھ سوچ کر سر ہلایا اور انٹر کوم کے



ہٹن کو پیش کر دیا۔

”یس سر“

انٹرکوم سے آواز ابھری۔

”چاروں کمانڈوز اور تمام لیبارٹریز اسسٹنٹوں سے کہو کہ دس منٹ کے اندر اندر آپریشن روم میں پہنچ جائیں مجھے اُن سے بہت ضروری گفتگو کرنی ہے“

عمران نے بالکل مہم کمانڈوز کے لہجے میں کہا۔

اور ہٹن کو دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر وہ کرسی سے اٹھ کر کمانڈو کے کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ ایک الماری سے اُسے بہت سے کاغذات ملے جن میں کمانڈوز مشن سے متعلق تفصیلات درج تھیں، عمران نے سرسری نظروں سے اُن کا جائزہ لیا اور تمام کاغذات کو جیبوں میں ٹھونس لیا۔ اس کے تلاش کرنے پر کمرے میں غوطہ خوری کے کئی لباس اور مختلف قسم کے ہتھیاروں کا ایک ذخیرہ بھی مل گیا۔ عمران نے سارا اسلحہ لا کر میز کے قریب ڈھیر کر دیا۔ غوطہ خوری کے لباس اس نے میز پر رکھ دیئے تھے۔ جیسے ہی دس منٹ پورے ہوئے وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اُسے یقین تھا کہ مہم کمانڈوز کے حکم پر آبدوز پر موجود تمام لوگ آپریشن روم میں جمع ہو چکے ہوں گے۔

کمانڈو کے کمرے سے نکل کر عمران لیبارٹری کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ اس کے جاتے ہی کھل گیا تھا۔ عمران لیبارٹری

میں داخل ہوا۔ حسب توقع وہاں کوئی نہیں تھا۔ ساری لیبارٹری خالی پڑی تھی۔ تمام اسکرین روشن تھے اور اُن پر مختلف جگہوں کی تصویریں آرہی تھیں۔ ایک اسکرین پر عمران کو گوریلا نما عفریت شمالی ساحل کے قریب کھڑا ہوا نظر آیا اس کا رخ دوبارہ شہر کی طرف تھا۔ عمران تیزی سے اس اسکرین کے ڈیش بورڈ کے قریب گیا اور مختلف سوئچوں کو آف کر دیا جس کے نتیجے میں گوریلا نما عفریت اب ایک جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ عمران اب ایک دوسرے اسکرین کے قریب پہنچا یہ آپریشن روم کا اندرونی منظر تھا۔

چاروں کمانڈوز سمیت تمام افراد آپریشن روم میں تشویش زدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

عمران کے لبوں پر سفاک مسکراہٹ آگئی۔ اس نے اس اسکرین کے نیچے لگے ہوئے ڈیش بورڈ کے مختلف بٹنوں کو دبایا۔ آپریشن روم کا دروازہ بند ہو کر خود بخود لاک ہو گیا۔ دروازہ لاک ہوتے ہی اُن میں سے کئی ایک ہراسیمہ انداز میں اس کی طرف دوڑے تھے۔ لیکن عمران اب اس اسکرین سے ہٹ کر ایک دوسرے اسکرین کے قریب پہنچ گیا۔

اس میں ایک کیبن کا اندرونی منظر نظر آ رہا تھا جس میں صفر تنویر اور جولیا خاموش بیٹھے تھے۔

عمران نے ایک سوئچ آن کیا جس پر اسپیکر لکھا ہوا تھا اور ہیڈ



عمران جذباتی لہجہ میں کہہ رہا تھا —

”میں نے تمہارے سرعنہ اور چیف کمانڈر کو پہلے ہی اس طرف روانہ

کر دیا ہے جہاں کھوڑی دیر بعد تم لوگ جاتے والے ہو۔ میں تمہاری

ابدوز کے ہر حصے میں ٹائم بم فٹ کر رہا ہوں۔ لہذا خاموشی سے اپنی

پنی موت کا انتظار کرو۔ جو تم سے بہت قریب ہے“ عمران نے بات

ختم کی اور ساتھ ہی سوچ دیا کہ اسکرین آف کر دیا۔ جب وہ ہیڈ فون

دوبارہ ڈیش بورڈ پر رکھ کر پٹا تو تنویر، جولیو اور صفدر لیباری میں پہنچ

چکے تھے۔ وہ ان تینوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گیا

اس کا رخ چیف کمانڈر کے کیبن کی طرف تھا کیبن میں داخل ہو کر اس نے

جولیو اور تنویر کے ہاتھ میں غوطہ خوری کے لباس پکڑائے۔ اور صفدر

کو ٹائم بم اٹھانے کی ہدایت کر کے اس نے خود بھی بہت سے ٹائم بم اٹھا

لئے لیبارٹری کے سامنے پہنچ کر اس نے جولیو اور تنویر کو زینوں کی

طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود صفدر کے ساتھ لیبارٹری میں مختلف مشینوں

اور جگہوں پر ٹائم بم رکھتے لگا۔ ان بموں پر اس نے تین منٹ کا ٹائم پہلے

ہی فکس کر دیا تھا۔

دونوں نے بہت قلیل عرصے میں لیبارٹری اور اس سے ملحقہ کیبنوں

اور انجن روم میں ٹائم بم رکھے۔ اور دوڑتے ہوئے زینوں کی طرف بڑھ

گئے۔

فون جو ڈیش بورڈ کے ساتھ ہی ایک ہیڈنگ میں لٹکا ہوا تھا اتار کر

سر پر چڑھا لیا۔

”جولیو، تنویر، صفدر الٹ — میں دروازہ کھول رہا ہوں تم لوگ

جلدی سے باہر نکل کر زینوں کے ذریعے اوپر لیبارٹری میں آ جاؤ“

عمران کے مخاطب کرتے پر وہ لوگ چونک کر کھڑے ہو گئے تھے۔

عمران نے ایک دوسرا سوچ دیا اور اسکرین پر دیکھنے لگا۔ جہاں

کیبن کا دروازہ خود بخود کھل رہا تھا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا وہ تینوں

تیزی سے باہر نکلتے چلے گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر عمران دوبارہ

اسی اسکرین پر آ گیا جس پر آپریشن روم کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

”ہیلو کمانڈر مجھے یقین ہے اب تک صورتحال تمہاری سمجھ میں آ چکی

ہو گی“

اس نے ہیڈ فون سر پر چڑھاتے ہوئے مانک میں کہا۔

وہ لوگ حیرت زدہ سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ عمران سمجھ

گیا تھا کہ آپریشن روم میں لگے ہوئے اسکرین پر وہ صاف نظر آ رہا ہوگا

”تم لوگوں کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا ہوگا۔ جن چیزوں کے بل

پر تم لوگوں نے ہزاروں جانیں لے ڈالیں اور بربادیوں کے سوا کچھ نہیں

چھوڑا۔ آج میں تمہاری انہیں چیزوں سے تمہیں ہلاک کروں گا، تاکہ

تمہاری طرح اپنی سائنس اور ترقی پر تازاں دوسرے لوگ کبھی اپنے ہی جیسے

انسانوں کی تباہی کا سبب نہ بن سکیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اُسے غور



زینے طے کر کے وہ پہلی منزل پر آئے۔ یہاں سے انہوں نے عمران کو رہبری میں کوریڈور عبور کیا۔ سامنے ہی دوسرے زینے تھے وہ ان زینوں کو عبور کرتے ہوئے ایک گول دروازے کے سامنے رُکے۔ عمران نے انہیں غوطہ خوری کا لباس پہننے کا اشارہ کیا اور خود بھی تیزی سے غوطہ خوری کا لباس پہننے لگا۔ چاروں غوطہ خوری کا لباس پہننے گول دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ عمران نے دیوار میں لگی ہوئی ایک چرخ کو گھمایا۔ آہنی دروازے پر شور آواز کے ساتھ کھلا۔ دوسری جانب پانی ہی پانی تھا۔ اس نے پہلے تنویر کو پانی میں اترنے کا اشارہ کیا تنویر فوراً دروازے سے باہر نکلا گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ یکے بعد دیگرے پانی میں اترے اسب سے آخر میں عمران آبدوز سے باہر آیا تھا۔ پانی میں پہنچتے ہی وہ چاروں تیزی سے آبدوز سے دُور ہوتے گئے۔ اُن کے اور آبدوز کے درمیان فاصلہ بڑھتا رہا۔

اچانک ایک زیر دست دھماکہ ہوا سمندر زیر دست روشنیوں سے جگمگا اُٹھا۔ عمران نے مڑ کر آبدوز کی طرف دیکھا جو آگ کا سُرخ گولہ نظر آ رہی تھی۔ اس کے لبوں سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی اس نے اپنا رخ سطح کی طرف کر دیا تھا۔ صفر جو لیا اور تنویر اس کے ساتھ ہی تھے۔

شمالی ساحل،

پر آرٹڈ کور کا دستہ دوبارہ اپنی پوزیشن سنبھال چکی تھی۔ ایسی آرٹڈ کار پر دُور بین گئے میں ٹکائے لیفٹیننٹ نہایت بیچارگی سے اس گوریلا نما عفریت کو دیکھ رہا تھا جس کا رخ ایک بار پھر شہر کی جانب تھا۔ لیفٹیننٹ جانتا تھا کہ کسی قسم کا فائر اس گوریلا نما عفریت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس کی آرٹڈ کار کے دستے کی فائرنگ سے صرف اس قدر فائدہ ہوتا تھا کہ گوریلا نما عفریت کو شہر میں داخل ہونے میں کچھ دیر لگ جاتی اور شہر بڑی تعداد میں پناہ گاہوں میں چھپ جاتے۔ اس کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں تھا اس کے باوجود کہ گوریلا سے ہر مرتبہ مزاحمت کے دوران آرٹڈ کور کا کافی نقصان ہوتا تھا۔ اُسے بدستور ساحل پر تعینات رکھا گیا تھا تاکہ مؤثر دفاع تک آرٹڈ کور کے دستے کی مدد سے گوریلا نما عفریت کی تباہ کاریوں کو کم سے کم کیا جاسکے۔ لیفٹیننٹ اور اس کے ساتھیوں کے پہرے پر چھائی ہوئی اُداسی بھی بے وجہ نہیں تھی۔ انہیں اپنے ہم وطنوں کے بے پناہ جانی اور مالی نقصان پر دلی رنج تھا اور وہ اُن کے محافظ ہوتے ہوئے بھی



اُن کیلئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

گوریلا نما عفریت ساحل چھوڑ چکا تھا اور اب وہ آہستہ آہستہ فائر کی رینج پر آ رہا تھا۔ لیفٹیننٹ نے فائر کا آرڈر دینے کیلئے ہاتھ اٹھا لیکن اچانک ایک جھماکا سا ہوا اور گوریلا نما عفریت آگ کے شعلوں میں گھر گئی۔ لیفٹیننٹ کا اٹھا ہوا ہاتھ واپس گر گیا۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے گوریلا نما عفریت کو آگ کے شعلوں میں جلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ یہ شعلے سینکڑوں فٹ بلند تھے اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

لیفٹیننٹ ابھی اپنے تھیمپر پر قابو نہیں پاسکا تھا کہ اُن شمالی پہاڑوں کے قریب جہاں پلانٹیم کی کانیں واقع تھیں اس کے قریب سمندر میں زبردست دھماکے ہوئے اور آگ کی ایک چادر سی پانی پر پھیل گئی۔ لیفٹیننٹ نے فوراً وائرلیس آپریٹر کو اشارہ کیا۔ وائرلیس آپریٹر نے اس کے اشارے پر یہ اطلاعات فوج کے ہیڈ کوارٹر کو پہنچا دی۔ اطلاع ملنے کے چند منٹ بعد ہی اعلامہ فوجی و سول افسران ساحل پر پہنچ گئے۔

انھوں نے اپنی آنکھوں سے گوریلا نما عفریت کو جل کر خاک ہوتے دیکھا۔ آگ اب مدھم ہو رہی تھی۔ مدھم ہوتے ہوتے آگ بالکل بجھ گئی اور ساحل پر چلنے والی ٹھنڈی ہوا گوریلا نما عفریت کی بچی کچھی راکھ کو اپنے ساتھ اڑا لے گئی۔

یہ اس قدر تھیمپر انگیز واقعہ تھا کہ تمام سول اور فوجی افسران ہکا بکا سے کھڑے رہ گئے تھے۔ پہاڑوں کے قریب پانی پر پھیلی ہوئی آگ کی چادر بھی اب آہستہ آہستہ سمٹ رہی تھی۔

اچانک ان سب کی نظریں اُن چاروں غوطہ خوروں پر پڑیں جو ساحل پر آنے کے بعد اپنے چہروں سے ماسک ہٹا رہے تھے۔

ہنرمائی نس کے پرسنل سیکرٹری سجاد جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ عمران، صفدر، تنویر اور جولیا کو دیکھتے ہی تیزی سے اپنی کار میں اُن کی طرف لپکے۔ اُن لوگوں کے قریب پہنچ کر وہ بے ساختہ آگے بڑھے۔ اور عمران کو گلے لگا لیا۔ اُن کی آنکھیں جذبات کی شدت سے نم ہو چکی تھیں۔

”آپ نے جو گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ ہم پر اتنا بڑا احسان ہے کہ ہم چاہیں بھی تو اُسے نہیں اُتار سکتے“

اُن کے رقت آمیز لہجے پر عمران متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ”سجاد صاحب احسان کس بات کا آپ ہمارے بھائی ہیں، بھائی کی مدد کرنا

فرض ہے احسان نہیں“

عمران نے اُن کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

پرسنل سیکرٹری سجاد نے اس کے بعد صفدر، تنویر اور جولیا سے ہاتھ ملایا۔ اور انہیں اپنی کار میں بٹھا کر بڑی مشکل سے انہیں اس بھیڑ سے نکالتے ہیں کامیاب ہوئے جو عمران وغیرہ کے گرد لگ چکی تھی۔

لوگوں کا ایک بے پتہ اژدہام تھا جو ساحل کی طرف بڑھا چلا آ رہا



تھا۔ آٹا قاتا یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل چکی تھی کہ گوریلا نما عفریت جل کر خاک ہو چکی ہے۔ اس خبر کے سچے ہوتے کی دلیل ایک تو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی وہ آگ تھی جو چولان کے تقریباً ہر شہری نے دیکھی تھی۔

پرسنل سجاد کی کار کو جس میں عمران وغیرہ سوار تھے فوج کی مدد سے بمشکل پھیر کے نرسے سے نکالا گیا۔ جب کار شہر جانے والی ٹرک پر پہنچی تو اس کے پیچھے سول و فوجی حکام اور شہریوں کی گاڑیوں کا ایک طویل جٹلوس تھا۔

پھر جیسے ہی وہ شہر میں داخل ہوئے، لوگوں نے زبردست نعرے لگا کر ان کا استقبال کیا۔ راستے میں جا بجا ان کی کار پر گل پاشی بھی کی گئی۔ یہ جٹلوس ہزائی نس کے محل پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ کیونکہ پرسنل سکریٹری اپنی کار کو محل کے پورٹیکو میں لے جا چکے تھے۔ لوگ کچھ دیر محل کے باہر کھڑے عمران وغیرہ کی زبردست شجاعت کو نفروں کے ذریعے خراج تحسین پیش کرتے رہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ بھڑچھٹ گئی۔ پرسنل سکریٹری نے عمران، صفدر، تنویر اور جولیا کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا۔

ہزائی نس نے انھیں رات کی ضیافت دی تھی۔ اس لئے پرسنل سکریٹری انھیں مہمان خانے میں چھوڑ کر ضیافت کے انتظامات میں مصروف ہو گیا تھا۔ فرصت ہاتھ آتے ہی عمران، صفدر، تنویر اور جولیا نے

فصل کیا اور ایک ہلکا سا ناشتہ لے کر سونے چلے گئے۔ رات کی ضیافت سے پہلے چند گھنٹے ان کو آرام کے مل گئے تھے۔

رات —

ہوتے ہی محل کا وسیع و عریض سبزہ زار، روشنیوں سے جگمگا اٹھا ایک لمبی سی میز پر طرح طرح کے کھانے چُنے ہوئے تھے۔ میز کے اطراف میں — ہزائی نس کے علاوہ تقریباً تمام عہدائی حکومت موجود تھے۔ عمران، جولیا، تنویر اور صفدر معزز مہمانوں کی حیثیت سے ہزائی نس کے مقابل بیٹھے تھے۔

عشایہ کی تقریب کا افتتاح ہزائی نس کے پرسنل سکریٹری کی تقریر سے ہوا۔ جس میں انھوں نے عمران، صفدر اور تنویر کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ہزائی نس کو تقریر کی دعوت دی، ہزائی نس نے اپنی تقریر میں گوریلا نما عفریت کی مکمل تباہ کاریوں کا (جس میں جانی اور مالی نقصان دونوں شامل تھے) تخمینہ پیش کرتے ہوئے — عمران وغیرہ کے کارنامے کو سنہری الفاظ میں سراہتے ہوئے ان کی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

ہزائی نس کا مختصر تقریر کے بعد پرسنل سکریٹری نے عمران کو دعوت



دی کہ وہ مانگ پر آکر اُن خوفناک واقعات کے پس منظر سے نقاب کشائی کریں۔

عمران نے کھڑے ہو کر تالیوں کی گونج میں کہنا شروع کیا۔  
 ”یہ دراصل ایک مغربی ملک کی گھنٹاؤنی سازش تھی۔ جسے اس نے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے سائنسدانوں کو استعمال کیا۔ گوریلا نما عفریت سائنس دانوں ہی کا ایک کارنامہ تھی۔ اس میشن کو پانچ افراد پر مشتمل کمانڈرز کے سپرد کر دیا گیا۔ میشن کے تین حصے تھے اس ملک نے میشن کی کامیابی کیلئے بے دریغ دولت خرچ کی تھی۔ ایک پورا بحری بیڑا تیار کیا گیا تھا جن میں آبدوز، جنگی جہاز اور مال بردار جہاز شامل تھے۔ انھوں نے اپنے عزائم کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک آبدوز کو جس میں بہت بڑی لیبارٹری کے علاوہ بہت سی خصوصیات تھیں۔۔۔۔۔ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ نیچے ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کیا اس سے وہ نہ صرف گوریلا نما عفریت کو کنٹرول کرتے تھے بلکہ اُن کی کنٹرولنگ کا دائرہ شمالی ساحل پر دور دور تک پھیل گیا تھا۔ اس سازش میں گوریلا نما عفریت کو جو خالص مشینی تھا کلیدی کردار ادا کرنا تھا۔ سازش کے پہلے مرحلے میں مجرموں کا پلان یہ تھا کہ گوریلا نما عفریت کے ذریعے چولان میں خوب تباہی مچائی جائے۔ اُس کی دہشت سے پلاٹینم کی کانوں میں کام بند ہو گیا۔ مجرم بھی یہی چاہتے تھے۔ انھوں نے کام بند ہونے ہی ایک سرنگ کھودی اور کانوں کو سمندر سے ملا دیا اس طرح انھیں

کانوں سے نکالے جانے والے پلاٹینم کی سمندر کے ذریعے منتقلی میں آسانی پیدا ہو گئی۔ دوسرے مرحلے میں ملک میں وسیع پیمانے پر انتشار پھیل کر حکومت کو کمزور کر دینا تھا۔ تیسرا اور آخری مرحلہ سب سے اہم تھا جس میں حکومت پر قبضہ کرنا شامل تھا۔ اس سے اس ملک کو نام نہاد بے شمار مالی فائدے ہوتے بلکہ وہ یہاں اپنے اڈے قائم کر کے سہراب پور کے پڑوسی ملکوں کو اپنے ہنوس ملک گیری کا شکار بھی بنا سکتے تھے۔ اس ضمن میں انھوں نے تخریبی سرگرمیوں کا آغاز ایم وی سلطان کو غرق کر کے کیا۔ پلاٹینم جیسی قیمتی دولت کے حصول کے لئے اس مغربی ملک نے انتہائی بھیاں سازش تیار کی تھی، لیکن آپ لوگوں کی دعاؤں اور خدا کے فضل و کرم سے ہم نے نہ صرف اُن کی سازش کو ناکام بنا دیا ہے۔ بلکہ اُن کے مایہ ناز کمانڈرز کو سمندر کی تہ میں دفن کر دیا۔  
 عمران نے اپنی تقریر ختم کی اور تالیوں کے زبردست شور میں اس نے وہ کاغذات جو اس نے آبدوز سے حاصل کئے تھے ہڑبائی نس کو پیش کر دیئے۔

== ختم شد ==



# ایس قریشی کہ عمر آن سیریز

کے آنے والے نئے ناول

بونا جاسوس  
لیڈی ٹائیگر  
اپنا تے سمیٹر  
شکاری فتنہ  
فتنہ کا ہنگامہ  
بوغاکی واپسی  
ڈاکٹر سلیمان  
طاقت کی واپسی

عمر آن کے یہ دلچسپ اور سنسنی خیز ناول آفسٹ کی لکھائی صاف ستھری چھپائی اور آٹھ رنگوں کے حسین ترین سروق کے ساتھ جلد شائع ہو رہے ہیں  
خط و کتابت ڈاکٹر بھیجنے کا پتہ

ایوب ایڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ یاقوت آباد کراچی ۱۹

# ایس قریشی کی سیکرٹ سروس

آنے والے نئے اور کٹھن پر مود کے ایکشن سے بھرپور ناول

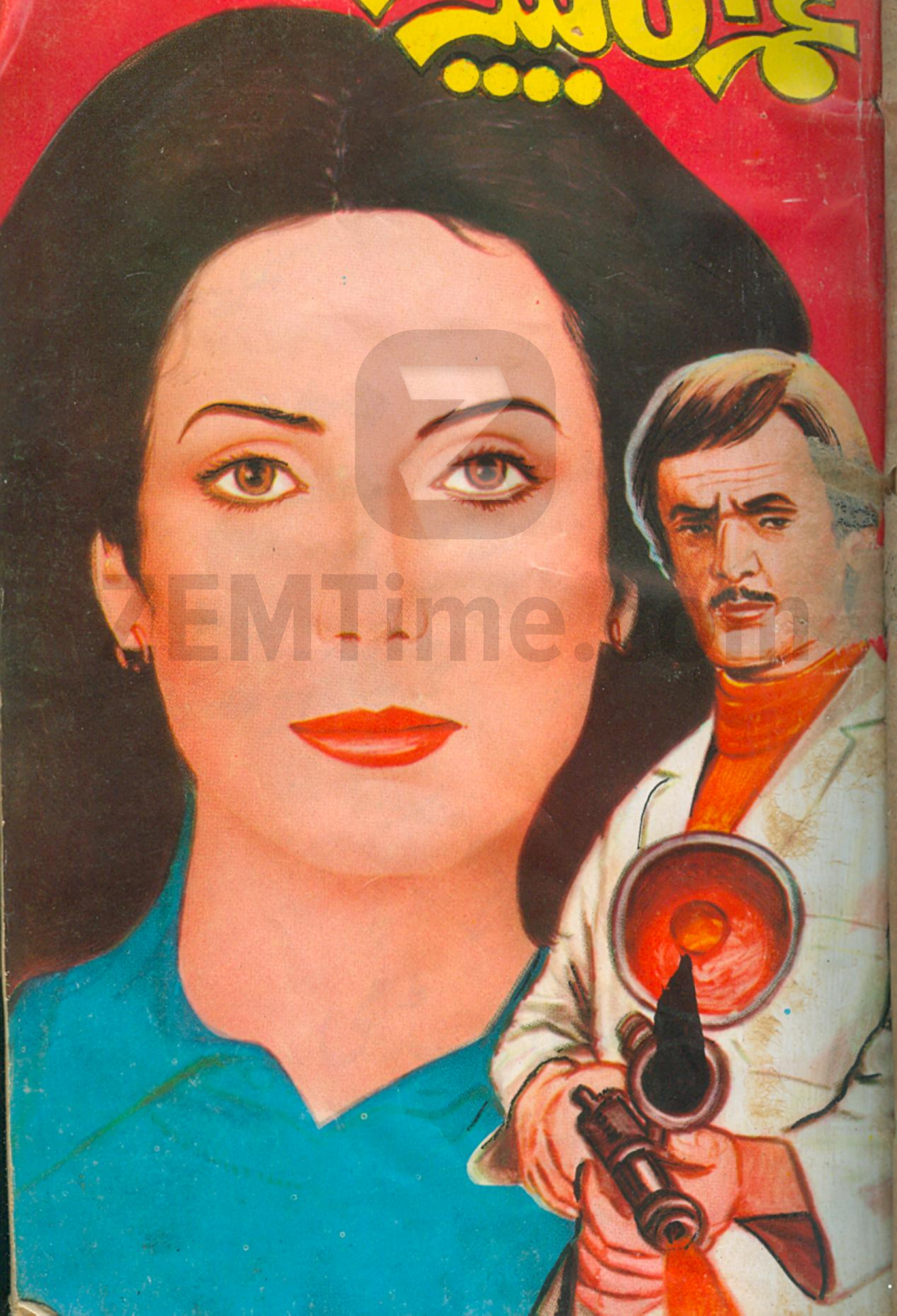
مشن آف مرڈر  
ڈانس آف ڈیٹھ  
ہارڈ سٹون  
بلیک سٹریٹ  
یورنیم فراڈ  
ٹریپ کر اس  
ریڈ پاور  
شعلے اور دھماکے

کیٹپٹے پر مود کے ہنگامہ خیز سس پنیں اور ایکشن سے بھرپور ناول  
آفسٹ کی کتابت طباعت آٹھ رنگوں کے دیدہ زیب سروق ہے۔ آج ہی آرڈر روانہ کیجئے  
خط و کتابت ڈاکٹر بھیجنے کا پتہ

ایوب ایڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ یاقوت آباد کراچی ۱۹



# عجائبیہ





# نغمہ صفی کی امان سیریز

مکمل ناول

## غفریت

مصنفہ — نغمہ صفی  
قیمت — 21 روپے

خط و کتابت کا پتہ



ایوب اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ — لیاق آباد — کراچی ۱۹



حیدر آباد دکنی پنڈام مصنف محفوظ ہیں۔ اس ناول کے تمام نام مقام کردار  
واقعات اور تشبیہ دہانے والی چیزیں فرضی ہیں کسی سے مطابقت محض  
التفادیر ہوتی ہیں۔ اسے مصنف پر مشتمل پبلیشرز ناشر یا ادارہ ذمہ دار  
نہیں۔

اس ناول کو نسل کر کے چھاپنے فلانے یا طبع ڈالنے کے لئے استحقاق رکھنے  
لئے مصنف کی تحریری اجازت منسلک ہے۔ اس کتاب سے کسی اور کو کاپی  
لے کر اسے شائع کرنا یا اس کے نام سے کسی اور کتاب شائع کرنا جائز  
نہیں۔

فضلی سنز آف سٹ پریس اردو بازار  
کراچی میں چھپی

خلو کتابت کاپی

ایڈیٹر ایڈیٹر میاں تاج آباد کراچی

## پیش لفظ

نہ صفحہ کا ایک اور تیس سے بھر لو  
ناول پیش خدمت ہے اس سے پہلے آپ  
نہ صفحہ کے ناول برادرز کلب، کلب کا ہنگامہ  
گینگ لیڈر، غمناک ٹیکس اور دوسرے ایک سو سے  
زیادہ ناول پڑھ چکے ہیں۔ "عرفیت" نہ صفحہ کا  
ایک شاہکار ناول ہے۔ ایسا ناول جسے پڑھنے کے  
بعد آپ غمناک دراز تک اسے نہیں چھو سکیں گے۔  
اس سے پہلے ایکشن تھیں اور سب سے پہلے  
اسرار و سرخ تھیں اور قہقہے تھیں اور پھر اسے  
سب چیزوں کے ساتھ مقصدیت تھیں۔ "انے  
بھی ہے اور بے جا قہقہے و غارت گری سے نہ تھیں  
نے دامن چاکر رکھا ہے۔ "انے نام کا ناول  
ہے نہ تھیں یہ جو ایکشن رکھتا ہے نہ تھیں  
ناول تھیں کہ اس سے ایک تھیں نہ تھیں  
اور قاری کو محض یہ ٹھکانا ہی نہیں دے گا  
وہ تھیں اور بے مقصد ایکشن تھیں نہ تھیں  
تھیں کہ یہ تھیں نہ تھیں  
عرفیت، پڑھیں اور خود تھیں نہ تھیں  
تھیں کہ یہ تھیں نہ تھیں نہ تھیں

"ادارہ"



# ایسٹ قریشی

کے سامنے کے صفحہ پر دیتے گئے سارے ناول اب

کراچی بک ڈپو - ۲۸ - اردو بازار پر مل سکتے ہیں

Shahen  
Laboratory

سہراب پور،

جنوب میں ایک خود مختار ریاست تھی۔ ریاست زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے وہ دنیا کی ان چند اہم ریاستوں میں شمار ہوتی تھی۔ جنہیں بنیادی طور پر براعظموں کے ستون ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے علاوہ ریاست سہراب پور پلاٹینم کی کانوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور تھی۔ یہاں کی کانوں سے نکلنے والا پلاٹینم اپنی قسیم کا واحد اور بہترین پلاٹینم کہلاتا تھا۔

یہاں کے بلند و بالا پہاڑوں کے دامن میں بنجر اور بے آب و گیاہ زمین کا سینہ چیر کر سہراب پور کے جھاکش باشندوں نے دنیا کی انتہائی قیمتی دھات دریافت کی تھی۔ اس ضمن میں پرنس شکیل کی گراں قدر خدمات، قابلِ تعریف ہی تھیں۔

جنھوں نے سہراب پور اسٹیٹ میں پلاٹینم کی موجودگی کا پتہ چل جانے کے بعد اپنی مثال جو جدوجہد اور انتھاک محنت سے کھدائی کے کام کو آگے بڑھایا تھا۔

اس کام کے لئے انھیں بہت سے مشکل ترین مراحل سے بھی گزرنا پڑا تھا۔ کانوں کی کھدائی کے لئے ان کے پاس افرادی قوت کی کمی نہیں تھی۔ لیکن جدید ترین سائنسی آلات اور مشینری کے لئے سرمائے کی فراہمی اور فنی ماہرین جیسے اہم اور پیچیدہ مسئلوں

# ایس قریشی کے اب یہ ناول مل سکتے ہیں

|       |                         |      |                |      |                 |
|-------|-------------------------|------|----------------|------|-----------------|
| ۲-۰۰  | ایجنٹ سیون              | ۶-۰۰ | خط ناک آدمی    | ۹-۰۰ | عمارت میرپور    |
| ۲-۰۰  | سیکریٹ سروس (ریٹن پرود) | ۶-۰۰ | دھوئیں کے شکار | ۹-۰۰ | گولڈن سن        |
| ۲-۰۰  | ڈیجیٹل آف ڈیول          | ۶-۰۰ | سبارہ کی تباہی | ۹-۰۰ | نورانی          |
| ۲-۰۰  | خط ناک مہم              | ۶-۰۰ | پہاڑی کا نغمہ  | ۹-۰۰ | نقشہ نگاری      |
| ۲-۰۰  | بلائیٹ سپاٹ             | ۶-۰۰ | موت کا جزییرہ  | ۹-۰۰ | سنگ بجلی واپسی  |
| ۲-۰۰  | پرمود کی موت            | ۶-۰۰ | پیارا آواز     | ۶-۰۰ | موت کا سایہ     |
| ۶-۰۰  | مڈل ایکٹ                | ۶-۰۰ | لامبوتی آواز   | ۶-۰۰ | نیل اشیا        |
| ۶-۰۰  | ملک پاور                | ۶-۰۰ | آئینی چہرہ     | ۶-۰۰ | X شعلے کا شکار  |
| ۶-۰۰  | ملک ناوس                | ۶-۰۰ | ملک ڈیجیٹ      | ۶-۰۰ | X پراڈمی        |
| ۶-۰۰  | دندہ کی واپسی           | ۶-۰۰ | ایجاد کی تیوری | ۶-۰۰ | مختار مصور      |
| ۶-۰۰  | سورجنگ                  | ۶-۰۰ | آگ بابا        | ۶-۰۰ | دور کی کتب خانہ |
| ۶-۰۰  | برفانی جہنم             | ۵-۵۰ | پراسرار آگ     | ۶-۰۰ | خداوں کا شکار   |
| ۶-۰۰  | اصلی جہد                | ۵-۵۰ | بد صورت فتنہ   | ۶-۰۰ | سج دھبے         |
| ۶-۰۰  | بے چین دشمن             | ۵-۵۰ | ملک سرکلی      | ۶-۰۰ | گمشدہ چہرہ      |
| ۶-۰۰  | سیاہ کچھو               | ۹-۵۰ | روڈ نو ڈیجیٹ   | ۶-۰۰ | سہیلی انکلیاں   |
| ۶-۰۰  | بوریٹ                   | ۹-۵۰ | نیل نشان       | ۶-۰۰ | خط ناک تھواری   |
| ۱۰/۵۰ | مہنگیوں کا موجد اول     | ۲-۰۰ | بنک وومن       | ۶-۰۰ | بیابان سناہ     |
| ۱۰/۵۰ | ناٹ کرل دوم             | ۲-۵۰ | بنک ناٹ        | ۶-۰۰ | مذکر محل        |
| ۱۰/۵۰ | اول دوم                 | ۲-۵۰ | نیل آرٹ        | ۶-۰۰ | پہلا اشارہ      |
| ۱۰/۵۰ | صل آف ڈیجیٹ             | ۲-۵۰ | نیل آرٹس       | ۶-۰۰ | آواز کی چوڑی    |
| ۲-۰۰  | موت کا تھوڑا            | ۲-۵۰ | نیل آرٹس       | ۶-۰۰ | اوجھل شہری      |
| ۱۲-۰۰ | خط ناک موٹر             | ۲-۵۰ | نیل آرٹس       | ۶-۰۰ | انٹی ڈش         |
| ۲-۵۰  | آپریشن سپاٹ             | ۲-۵۰ | نیل آرٹس       | ۶-۰۰ | بھٹپٹے          |
| ۲-۵۰  |                         | ۲-۵۰ | نیل آرٹس       | ۶-۰۰ | موت کی چوڑی     |

موجود تعداد میں موجود ہیں۔ آج ہی طلب کیجئے کراچی میں  
کراچی بک ڈپو - ۲۸ - اردو بازار کراچی سے طلب کیجئے

ایوب ایڈمی بیات آباد کراچی ۱۹



سے نمٹنا۔ ایک کارنامہ ہی تھا۔

یہ بات بھی سہراب پور اسٹیٹ کے رہنے والوں پر روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ پرنس شکیل نے اپنے والد پرنس امین کی وفات کے بعد کتنے سنگین بحران کے درمیان عمانِ حکومت سنبھالی۔ انتظامی امور میں اقربا پسند اور جی حضور قسم کے لوگوں کے گھس آنے کی وجہ سے اسٹیٹ کی انتظامیہ تقریباً ناکارہ ہو کر رہ گئی تھی۔ کیونکہ انتظامیہ میں اکثر لوگ ایسے تھے جو کسی قابلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی افسر سے رشتہ داری کے سبب یا بڑی بڑی رشوتیں دے کر ملازم ہوئے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کی اکثریت کی وجہ سے ریاست ایک طرف معاشی زبوں حالی کا شکار تھی۔ اور دوسری جانب ان کی نااہلی کے سبب کاروبارِ سلطنت بالکل ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔

پرنس شکیل کے والد پرنس امین نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اُن مسائل کو سلجھا سکیں جو بہت زیادہ گہرے چکے تھے لیکن اس طرح اُن کی اپنی تمام کوششیں رائیگاں ہی گئیں کہ۔ مفاد پرست ٹولہ جو اپنے ذاتی مقاصد کیلئے ملک و ملت کے نقصان کا بھی خیال نہیں کرتا۔

دوستوں کی شکل میں دشمن۔ اور انسان کے روپ میں فرشتے کس جگہ موجود نہیں ہوتے پرنس امین کی ہر ممکن کوشش کے باوجود انسان نما بھیڑیوں کا پھیلایا ہوا فتنہ اثر دکھانے لگا سازشوں کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

چار دیواری کی سازشوں نے زور پکڑ لیا۔ اور بالآخر یہ سازش اور محلاتی سازشیں رنگ لائیں۔ پرنس امین کو اُن کی خواب گاہ میں کسی اندیکھے قاتل نے قتل کر دیا۔

پرنس امین کے قتل کے بعد اصولی طوع پر اُن کے دونوں بیٹے، پرنس شکیل اور پرنس عقیل، سہراب پور اسٹیٹ پر حکومت کے حقدار تھے۔ پرنس شکیل کا حق بڑے ہونے کے ناطے تخت پر پہلے تھا لیکن یہاں بھی سازشوں کی چالیں کامیاب ہو گئیں اور پرنس شکیل کی جگہ پرنس عقیل کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ پرنس عقیل کسی بھی صورت میں اسٹیٹ پر حکومت کرنے کا اہل نہیں تھا۔ دوسرے اس کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ بڑے بھائی کا حق مارا گیا ہے۔

ریاست کے پیچیدہ مسائل اور جی حضور یوں میں گھر کر پرنس عقیل اپنے اند جو کچھ صلاحیتیں تھیں وہ بھی کھو بیٹھا۔ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے حق میں حرف شکایت زبان پر لائے بغیر بخوشی تخت سے دست بردار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر چکا تھا۔ لیکن ریاست کی زبوں حالی اور چھوٹے بھائی کی انتہا کو پہنچی ہوئی مشکلات اس کے دل میں کاٹنا بن کر چبھنے لگتیں۔ وہ بے اختیار بھائی کو سمجھاتا زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتا۔ خوشامدیوں سے دُور رہنے کی تلقین کرتا اور چھوٹے بھائی کو مجبور اور بے بس پا کر خاموش ہو کر واپس چلا آتا۔ پرنس عقیل کی نادانیوں کے سبب مفاد پرستوں نے خوب خوب قائدہ اٹھایا۔ عام آدمی کی زندگی اجیران ہو گئی۔ معاشی حالت کی پسماندگی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

پرنس عقیل نے جب دیکھا کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں تو اس نے چھت کے کنبے میں رسی کے ذریعے پھندہ لگا کر۔ خودکشی کر لی۔ اور مرنے سے پہلے پرنس شکیل کے حق میں اسٹیٹ کے تخت سے دست بردار ہو گیا۔



ہو گیا۔ دولت کی فراوانی نے ریاست کے جو علاقے بنجر اور غیر آباد پڑے تھے۔ انہیں خوبصورت نخلستانوں میں تبدیل کر دیا۔ خوبصورت کشادہ سڑکیں سر ہفلک عمارتیں، پھلوں کے بیشمار باغات نے ریاست سہراب پور کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ جہاں اسٹیٹ میں اقتصادی اور معاشی طور پر انقلاب آفرین تبدیلیاں ہوئیں وہیں پرنس شکیل نے سرحدوں کی حفاظت کا معقول بندوبست کر کے اپنی زمین میں چھپے ہوئے بیش قیمت خزانوں کو دیگر حرصیں ممالک سے کسی حد تک محفوظ کر لیا۔ اس ضمن میں انھوں نے عمان کے ملک کے جنگی ماہرین کی خدمات حاصل کیں اور جدید ترین ہتھیاروں سے اسٹیٹ کی افواج کو مسلح کر دیا۔

وہ ایک بہت ہی خوشگوار صبح تھی۔ ریاست کا مرکزی شہر نیند سے پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے روز مرہ کے معمولات میں مشغول ہو گئے تھے۔

ریاست کی واحد بندرگاہ پر جہازوں سے مال اتارنے اور چڑھانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ گودی سے ذرا فاصلے پر بنی ہوئی مختلف چیک پوسٹیں اپنا کام شروع کر چکی تھیں۔ اچانک سمندر کی پرسکون موجوں میں طلسم پیدا ہو گیا اُن میں اتنی سرکشی آگئی کہ وہاں پر لنگر انداز جہاز تنکوں کی طرح ڈولنے لگے۔ لوگ برتھ پر کھڑے سراسیمہ انداز میں سمندر کے اس نئے رُوپ کو دیکھ رہے تھے۔ پور ٹرسٹ کی انتظامیہ کے کارکنوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نئی افتاد سے کیسے نمٹا جائے۔ سمندر کی موجوں میں اس طرح خونخاک ہلچل مچ رہی تھی جیسے کوئی نادیدہ ہاتھ اس میں کار فرما ہو۔

پرنس شکیل نے جب اقتدار سنبھالا تو ایک جانب مرحوم بھائی کا غم اور دوسری جانب محلاتی سازشوں کا جال تیسری جانب معاشی اور اقتصادی مسائل اور چوتھی جانب پڑوسی ممالک کی ریشہ دوانیاں۔ اُن کے سامنے چیلنج کی صورت میں کھڑی تھیں۔ انہیں اسٹیٹ کی زبوں حالی اور اپنی نازک پوزیشن کا پورا پورا احساس تھا۔

وہ ان تمام مسائل سے نمٹنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے سینہ سپر ہو گئے اُن کی مخلصانہ اور بے باک قیادت کے سبب جلد ہی اسٹیٹ پر سے تاریکی کے بادل چھٹنے لگے۔ انھوں نے ایک جانب انتظامیہ کو بدعنوانی سے عناصر سے پاک کیا اور دوسری جانب ریاست کو جدید خطوط پر چلانے کے لئے مختلف انتظامی امور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیئے جن میں اس کی پوری صلاحیتیں موجود تھیں۔ ریاست کے عوام میں آہستہ آہستہ خود اعتمادی پیدا ہونے لگی اور وہ پرنس شکیل کی قیادت میں آہستہ آہستہ ترقی کے راستے پر چلنے لگے۔ سونے پر سہاگر ریاست کی قسمت کا ستارہ اس وقت پوری آب و تاب سے چمک اٹھا جب ریاست میں پلاٹینم کے ذخائر کا پتہ چلا۔

پرنس شکیل نے پلاٹینم کے ذخائر کا پتہ چلتے ہی اپنی زیادہ تر توجہ اسی جانب مبذول کر دی۔ پہاڑوں کو کھود کر پلاٹینم نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ریاست کے جفاکش لوگوں نے اپنی انتھک محنت کے ذریعے اس کام کو بھی آسان بنا لیا تھا۔

پلاٹینم کی دریافت کے بعد ریاست کی ترقی میں حیرت انگیز طور پر اضافہ



ڈولتے جہازوں کو اُن کا عملہ قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جہازوں میں موجود اجناس و دیگر اشیاء نہایت بے ترتیبی سے سمندر اور ہاربر پر گر رہی تھی۔ افراتفری کا عالم اپنے عروج پر تھا۔ لیکن ایک سخت ماحول پر سکون چھا گیا۔ جس کی نظر بھی سمندر کے اس حصے پر پڑی۔ جہاں سے ایک دیو ہیکل بلا سر اُبھار رہی تھی۔ وہ حیرت زدہ اور گنگ سا ہو کر اسی جانب ہلکی باندھے دیکھنے لگا۔ جو ابھی تک اس مہیب بلا کو دیکھ نہیں پائے تھے اپنے ساتھیوں کو اس جانب دیکھتا پا کر اُن کی نظریں بھی غیر اختیاری طور پر اسی جانب اُٹھ جاتیں اور وہ بھی سکتے کی حالت میں اس جانب دیکھنے لگتے۔

موجوں کے بے پناہ فتور میں بندرگاہ پر جہازوں سے گرتی ہوئی بے شمار اشیاء کی آوازوں نے قیامت برپا کر دی تھی۔ لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر ہاربر پر موجود ہر شے نہایت حیرت اور دہشت کے عالم میں ہلکی باندھے اس بلا کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

وہ سمندر کا سینہ چیرتا ہوا اُبھر رہا تھا۔ سمندر میں شدید ارتعاش اسکے لمبے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ جنہیں وہ پانی میں ادھر سے ادھر حرکت دے رہا تھا۔ اسکا سر بلاشبہ ایک بڑی قبیل کے مانند تھا۔ جس پر ہر جانب گہرے سیاہ بال ہی بال نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں قدرے چھوٹی لیکن انگاروں کی طرح دکھ رہی تھیں۔ ناک کی جگہ صرف اُبھار سا نظر آ رہا تھا۔ جبکہ اسکا منہ بہت بڑا تھا جس میں سے جھانکتے ہوئے سفید سفید نوکیلے دانت بہت بھیانک معلوم ہو رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پانی سے باہر آ رہا تھا چہرے کی مناسبت

سے اسکا سینہ بھی کافی سے زیادہ کشادہ تھا۔ ہاتھوں کی طرح ٹانگیں بھی کافی لمبی تھیں ہاربر سے پچیس گز کے فاصلے پر وہ پوری طرح پانی سے باہر آ گیا۔ گو وہ اس وقت سمندر ہی میں تھا لیکن سوائے ٹخنوں کے اسکا تمام جسم پانی سے باہر تھا۔ اسکا قد اندازاً کم و بیش چالیس فٹ کے لگ بھگ تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھیں ہاربر پر جمع ہجوم پر لگی ہوئی تھیں۔ جو خوف و دہشت سے ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ دیو ہیکل عفریت "عف عف" کرتا کرتا رے پر آ رہا تھا۔ اسکے قدموں کے ارتعاش سے پانی میں بے شمار بھنور پڑ رہے تھے، لہروں کی شدت میں اضافے کے باعث بڑے بڑے جہاز تنگے کی مانند ڈول رہے تھے۔ کئی ایک چھوٹے جہاز اور لائیں تو ان طوفانی موجوں کی تاب نہ لا کر کب کی سمندر برد ہو چکی تھیں۔

بندرگاہ سے دس گز کے فاصلے پر یو، این کا ایک بڑا مال بردار جہاز کھڑا تھا۔ دیو ہیکل عفریت "عف عف" کرتا ہوا اس جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور ہاربر پر موجود لوگ خوف و دہشت سے چلاتے ہوئے بھاگے۔ اس خوفناک عفریت نے سینکڑوں ٹن وزنی اس جہاز کو کسی پلاٹک کے کھلونے کی طرح اٹھا کر پانی پر دے مارا تھا۔ سمندر میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ ڈوبنے والے جہاز کی لہروں کی زد میں آ کر کئی جہازوں کو شدید نقصان پہنچا۔

یو، این کے جہاز کو سمندر میں دے مارنے کے بعد وہ گوریلا نما عفریت اب خشکی پر پہنچ چکی تھی۔ لیکن گودی پر موجود تمام لوگ فرار ہو کر بندرگاہ



کی حدود سے دھڑا دھڑا باہر نکل رہے تھے۔ خشکی پر آنے کے بعد اس گوریلا نما عفریت نے اپنی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں سے ہاربر پر موجود بکھرے ہوئے سامان کو دیکھا۔ اور انہیں اپنے وزنی پیروں سے روتا ہوا بندرگاہ سے باہر جانے والے راستے پر آگیا۔

منوں وزنی بھاری فولادی سامان اور مختلف اشیاء اسکے پیروں کے نیچے آکر پلاسٹک کے کھلونوں کی طرح ٹوٹ رہی تھی۔

وہ عفت عفت کی آواز منہ سے نکالتا اپنے سیاہ بالوں بھرے سینے پر ہاتھ مارتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کے وزنی پیروں کی دھمک سے خوفناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

آخری چیک پوسٹ کے قریب سے گذرتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ گھمایا۔ دوسرے ہی لمحے چیک پوسٹ ملے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی قریب ہی کھڑی ہوئی تین کاریں اسکے پیروں تلے آکر پچک کر زمین سے لگ گئی تھیں۔

اس اثناء میں بندرگاہ کی حدود کو چاروں جانب سے بڑی اور بھری افواج کے دستوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔

جیسے ہی وہ گوریلا نما عفریت تباہی پھیلاتی باہر آئی۔ سینکڑوں مشین گنیں ایک ساتھ گر جیں۔ ہزاروں کی تعداد میں گولیاں اسکے جسم کو لگیں۔ اسکے جسم نے ایک جھٹکا کھایا اور بس۔

وہ خوفناک انداز میں فوجیوں کی جانب بڑھا۔ گولیاں رٹ کے چھروں

ہی کی طرح اسکے جسم سے ٹکرا کر زمین پر گری گئیں۔

لیکن فوجیوں کی اس حرکت نے اس کے اشتعال میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اس نے منہ سے عفت عفت کی آواز نکالتے ہوئے اپنا طویل و عریض ہاتھ بڑھایا اور قریب کھڑے ہوئے دو فوجی اسکے ہاتھ میں پلاسٹک کے کھلونوں کی طرح آگئے۔ اس نے انہیں اپنے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے غصیلی نظروں سے گھورا۔

دوسرے ہی لمحے اس کا بھٹا سا منہ کھلا۔ اور دو بد نصیب انسان اسکا لقمہ بن گئے۔ اس نے نہایت اطمینان سے اُن کی ہڈیاں چبائیں اور وہی کو چیتھڑوں کی صورت میں زمین پر خٹوک دیا۔

کمانڈر نے جب یہ دہشتناک منظر دیکھا تو فوجیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ اسکے چاروں طرف گھیرا وسیع ہوتا گیا۔ وہ نہایت آزادی سے گے بڑھنے لگا۔ پورٹرسٹ کی عمارتیں اسکے سامنے کھلونوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ کلاک ٹاور کی سائست منزلہ عمارت اسکے شانوں کے برابر محسوس ہو رہی تھیں۔

فوجیں بدستور پیچھے ہٹ رہی تھیں اور وہ گوریلا نما عفریت نہایت سہولت اور آسانی سے اپنی راہ میں آنے والی ہر روکاوٹ کو دور کرتی متواتر گے بڑھ رہی تھی۔

کمانڈر نے وائر لیس کے ذریعے بکتر بند گاڑیوں کو طلب کر لیا تھا۔ تیزی سے پیدل فوجیوں کی جگہ پوزیشن سنبھال رہی تھی۔



لفظ ثابت ہوا۔ دھوئیں کے باد، جیسے ہی چھٹے اور آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں۔ دیکھنے والوں کے لئے یہ نظارہ باعث حیرت رہا تھا۔ وہ ہنوز اپنی جگہ موجود تھا۔ اور اپنی آگ برساتی آنکھوں سے بکتر بند گاڑیوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے ساکت جسم میں حرکت ہوئی وہ آگے بڑھا اور اس نے ایک بکتر بند گاڑی کو اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور کسی ہلکی پھانکی شے کے مانند اُسے کلاک ٹاور کی عمارت پر دے مارا۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور کلاک ٹاور کا وہ حصہ منہدم ہو کر زمین پر آ رہا۔ پھر تو اس پر جیسے دیوانگی طاری ہو گئی وہ یکے بعد دیگرے کئی گاڑیوں کو اسی طرح اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا۔ بکتر بند دستے کے کمانڈر نے بلا تاخیر اپنی گاڑیوں کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ہاتھوں کی دسترس سے دور نکل گئیں۔ لیکن گوریلا نما عفریت کا غصہ فرو نہیں ہوا تھا۔ وہ ”دھپ دھپ“ کرتا کلاک ٹاور کی عمارت کے قریب پہنچا۔ اور اسکے ہاتھوں کے زور دار تھپیڑوں نے پلک چھپکتے میں سائنات منزلہ عمارت کو زمینی بوسہ کر دیا۔ پورٹرسٹ کی حدود میں ہولناک تباہی پھیلانے کے بعد اب اسکا ٹیخ شہر کی طرف تھا۔ لوگوں کا ہچکچاہٹ و پکار نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ فوجی حکام اور سول حکام پورٹرسٹ کی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ مل کر اُسے شہر کی طرف جانے سے روکنے کیلئے عزم کر رہے تھے۔ وہ بڑی حیرت سے اس پہاڑ نما گوریلا کو شہر کی جانب بڑھتے دیکھ رہے تھے جسکے جلو میں ہزاروں طوفان ہوشیار تھے اور وہ ان سب سے لاپرواہ دھب دھب کرتا شہر کی سمت بڑھا چلا جا رہا تھا۔

کیونکہ گوریلا نما عفریت کے پورٹرسٹ کی حدود سے نکلنے پر وسیع و عریض جانی و مالی نقصان کا خطرہ تھا اس لئے اعلیٰ فوجی حکام نے باہمی مشورے سے دوبارہ اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اب کہ پیدل فوجیوں کی بجائے بکتر بند گاڑیوں نے کارروائی شروع کی۔ جن پر میڈیم سائز کی گنیں لگی ہوئی تھیں۔

گھیرا لفظ بہ لفظ تنگ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ گوریلا کو بڑھنا مشکل گیا۔ وہ ٹھٹھک کر رُکا۔ اور بغور قریب آتی ہوئی بکتر بند گاڑیوں کو دیکھ لگا۔ اس کے انداز میں ایک استعجاب تھا۔ وہ اپنے چاروں جانب بڑھ رہی ہوئی گاڑیوں کو اس طرح دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے بچے اپنے چاچا کے کھلونے کو دیکھتے ہیں۔ حقیقتاً بکتر بند گاڑیاں اس کے سامنے چپا کے کھلونے ہی معلوم ہو رہی تھیں۔

اچانک فائر کی آواز گونجی۔ اور تمام بکتر بند گاڑیوں سے ایک سا بڑے بڑے شعلے نکل کر اسکی طرف لپکنے لگے۔ بے پناہ فائر کے باعث ارد گرد کی فضا دھوئیں اور بارود کی بو سے بھر گئی۔ کشیف دھوئیں وجہ سے اٹھ کو اٹھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

بکتر بند گاڑیوں سے تقریباً دس منٹ تک متواتر فائرنگ ہوتی اور پھر اچانک خاموشی چھا گئی فائر رُک گیا۔

دھوئیں کی تہیں کم ہونے لگیں۔ فوجی حکام کو یقین تھا کہ اس فائر ایکشن کے بعد گوریلا نما عفریت ڈھیر ہو چکی ہوگی۔ لیکن ان کا یہ



خود اُن کا چہرہ شدید تشویش کی غمازی کر رہا تھا۔

”معزز ساتھیو! آپ نے وہ رپورٹ سُن لی جو ہمارے لئے سنگین مسئلہ بن چکی ہے۔ آپ لوگوں کو اس لئے یہاں طلب کیا گیا ہے کہ اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے متفقہ طور پر کوئی مناسب تجویز سوچی جائے۔ جو اس مصیبت سے چھٹکارا دلانے میں کار آمد ثابت ہو سکے۔ بات ختم کر کے انہوں نے اپنے تمام وزیروں کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”یور ہائی نس“

وزیر داخلہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور سر کو خم دے کر بولے۔

”رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عفریت سے چھٹکارا پانا ہمارے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو گیا ہے“

”جیسے آپ سے اختلاف ہے“ وزیر خارجہ نے کہا۔ ”کیا آپ اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ اس عفریت نے اب تک ہمارے شمار مالی نقصان کر دیا ہے بلکہ جاتی نقصان کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ سیاست کی بری و بری اور ہوائی افواج مل کر بھی اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکی ہیں۔ اونچی اونچی فاک بوس عمارتوں کو وہ بوس ہاتھ کی جنبش سے گما دیتا ہے جیسے وہ لوہے اور سیمنٹ کی جگہ صرف مٹی کے تودے ہوں۔“

”ان سب باتوں کی روشنی میں میری رائے کچھ اتنی غلط نہیں“ وزیر داخلہ نے وضاحت سے وزیر خارجہ کو اپنا مفہوم سمجھایا۔

وزیر خارجہ نے اُن کی بات تحمل سے سُنی پھر وہ اپنی نشست سے

دارالجمعت، —

کے وسیع و عریض کانفرنس روم میں اس وقت پرنس شکیل کی صدارت میں ریاست کی انتظامیہ کے تقریباً تمام بڑے بڑے اور ذمہ دار افسران گوریلا نما عفریت کی پیدا کردہ خوداک صورتحال سے نمٹنے کیلئے جمع ہوئے تھے۔ کانفرنس روم میں موجود تمام نشستیں پُر ہو جانے کے بعد پرنس شکیل نے اپنے پرسنل سیکریٹری کی طرف استہقامیہ نظروں سے دیکھا۔

سیکریٹری مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا اور سامنے رکھی ہوئی فائل کھول کر گوریلا نما عفریت کے متعلق رپورٹ سنانے لگا۔

جوں جوں رپورٹ اختتام کو پہنچتی گئی پرنس شکیل سمیت تمام اہلکاران ریاست کے چہرے تشویش سے بگڑتے چلے گئے۔ پرسنل سیکریٹری نے طویل رپورٹ ختم کی اور اپنی نشست پر بیٹھ کر پیشانی پر آٹے ہوئے پسینے کو رومال سے پونچھنے لگا۔ ہال میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی ہر شخص تشویش آمیز انداز میں کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

پرنس شکیل نے سر اٹھا کر غور سے اپنے وزیروں کی طرف دیکھا۔



کھڑے ہوئے سر کو خم دے کر پرنس شکیل سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔

پرنس شکیل نے سر کی جھٹک سے انہیں اجازت دی۔

”آپ کی تمام باتیں ناقابل تردید اور حقیقت پر مبنی ہیں لیکن معزز وزیر داخلہ کیا یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ اگر عفریت سے جھٹکارا پانا ناممکن ہو جائے تو ریاست کا کیا انجام ہوگا“

”یور ہائی نس“

اس مرتبہ وزیر خارجہ نے پرنس شکیل کو مخاطب کیا۔ ”اگر ہم نے جلد ہی اُس بلا سے جھٹکارا حاصل نہیں کیا تو عین ممکن ہے ریاست سے ہمارا وجود مٹ جائے گا۔ ہمارے عوام اپنی جانوں اور مال کے نقصان پر نہ صرف رنجیدہ ہیں۔ بلکہ چاروں طرف پھیلے ہوئے خوف و ہراس نے مایوسی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ ہماری افواج کے ہر ممکن امداد کے باوجود اس عفریت کو شہر میں داخل ہونے سے نہ روکا جاسکا۔ ہمارے بہادر جوان دن رات اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔

مسلم افواج کے ناکام ہونے کے بعد ہماری افواج اور عوام دونوں کی نظریا اب آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ انہوں نے خدائے برتر کے بعد آپ سے ایک موبوم سی اُمید وابستہ کر رکھی ہے۔ انہیں یقین ہے کہ یور ہائی نس اپنے فہم و فراست سے انہیں اس بلا سے ناگہانی سے ضرور جھٹکا

دل دیں گے۔ وزیر خارجہ نے بات ختم کر کے سر کو دوبارہ خم دیا۔ اور اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

وزیر داخلہ پہلے ہی بیٹھ چکے تھے۔

”میں نے آپ لوگوں کو اسی لئے یہاں بلایا ہے کہ کیا چیز ممکن ہے اور کیا ناممکن کی بحث میں الجھنے کی بجائے کوئی معقول تجویز سوچی جائے۔ میرا اپنا ایمان ہے کہ دنیا میں ہر چیز ممکن ہے صرف جدوجہد اور ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں احسان صاحب آپ کی کیا رائے ہے“

ہر ہائی نس نے استہقامیہ نظروں سے مشیر صنعت کی طرف دیکھا۔ ”آپ کا ارشاد بجا ہے یور ہائی نس اس سلسلے میں میری اپنی رائے یہ ہے کہ اپنے دوست اور پڑوس ملک پاکستان سے مدد کی درخواست کرنی۔ چاہیے۔ کیوں کہ ہم اپنے مقدور بھر وسائل سے نمٹنے میں ناکام ہو گئے ہیں اس لئے پاکستان کی مدد اور تعاون سے ہم ضرور اس گوریلا نما عفریت سے نجات حاصل کر لیں گے۔ پاکستان نہ صرف ہمارا برادر ملک ہے بلکہ وسائل کے اعتبار سے بھی وہ ہم سے کئی گنا طاقتور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم اس سے اس معاملے میں مدد کی درخواست کریں گے تو وہ ہمارے ساتھ ضرور تعاون کریں گے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر پاکستان ہمارا مدد کر چکا ہے۔“

”ہر ہائی نس میں جناب احسان صاحب کی تجویز کی حمایت کر دوں گا۔“ مشیر برائے صنعت احسان صاحب کے بات ختم کرنے کے بعد مشیر برائے امور سلطنت نے مؤدبانہ لہجہ میں تائید کی۔ ”جناب عزت مآب یور ہائی نس، اس تجویز کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے علاوہ اگر ہم نے کسی دوسرے ملک سے مدد کی درخواست کی تو ہو سکتا ہے۔ وہ



ہماری مدد کے عوض کچھ سیاسی فائدہ اٹھانا چاہے۔ جیکہ پاکیشیا اس معاملے میں مخلص ہے جسکا تجزیہ ہم بارہا کر چکے ہیں ؛  
 مشیر برائے صنعت اور مشیر برائے امور سلطنت کی متفقہ تجویز نہ صرف قابل قبول بلکہ قابل عمل بھی تھی۔ پرنس شکیل کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے سے چمکتے لگیں۔

”اس تجویز کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے ؟“ انہوں نے۔  
 حسب معمول سب کی رائے دریافت کی۔

اُن لوگوں نے تجویز کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس تجویز کو متفقہ طور پر منظور کر لیا تھا۔ میٹنگ کا اختتام اس تجویز کی منظوری کے بعد ہوا تھا کہ پاکیشیا کو جلد ایک خط لکھا جائے جس میں گوریلا نما عفریت سے نمٹنے کے لئے اس سے مدد کی درخواست کی جائے۔

یہ صاحبِ عمران کے قریب ہی میں رہتے تھے۔ یوں تو نام ان کا شتاب تھا لیکن اپنے آپ کو شتاب گنگوری تخلص کرتے تھے۔ دُبلے پتلے چھریے جسم کے مالک حلیہ سے قدیم لکھنؤ کی یادگار معلوم ہوتے تھے۔ جیسے سے زیادہ اُن کی آنکھیں قابل دید تھیں عین الشفاء انجن کے بے دریغ استعمال کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی نشیلی معلوم ہوتیں۔ پان کے بے حد شوقین ایک وقت میں دو دو بیڑے اُن کے منہ کی زینت بنتے جسکے سبب اُن کے دونوں گل ہوا بھرے غبارے کی مانند دکھائی دیتے۔ اس شان سے جب وہ شعر کہتے تو اُن کے منہ سے اشعار تو کیا الفاظ کے ٹکڑوں کے ساتھ چھالیہ کے ٹکڑے بھی

۲۔ اسی قریبشی کے مشاہکار خاص نمبر

ایک بزنس  
 اسپائے اسمیشہ  
 گیم آف ڈیٹھ  
 موت کے ہمسفر  
 نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں !



اس طرح گرتے جیسے وہ بھی شاعری کا ایک جُز رہے ہوں سونے پر سہاگہ منہ میں بھر جانے والی پیک کے قطرے اُن کے اور قریب بیٹھے ہوئے شخص پر اس طرح پھیلا رہے جیسے اُن کے اشعار سے خوش ہو کر سامعین بے پناہ سُرخ پھولوں کی بوچھاڑ کر رہے ہوں۔ لیکن ستم تو یہ تھا کہ شتاب گنگوری کی ان دلبرانا عادتوں کی وجہ سے پاس پڑوس، ملنے جلتے والے اور عزیز و اقارب اُن سے اس طرح کئی کاٹتے جیسے یہ کوئی بھوت ہوں۔ حالانکہ بیچارے اپنے دانت میں بڑے مخلص اور صاحبِ دل شخصیت تھے۔ انہیں شکوہ تھا تو صرف اتنا کہ کوئی اُن کی قدر نہیں کرتا۔ وہ ایک ہیرا ہیں جس کی قدر ضرور جوہری جانتا ہے لیکن بد قسمتی سے ابھی تک کسی جوہری کی نگاہ شتاب گنگوری جیسے شاعر پر نہیں پڑی تھی۔ جو اپنے آپ کو بیسویں صدی کے صفِ اول کے شعراء میں شمار کرتے تھے۔ لیکن آج اُن کا یہ گلا مٹ گیا تھا اُن کو اُن کی قدر کرنے والا ایک جوہری مل گیا تھا۔ اور وہ تھا عمران۔ جو اُن کے اُٹے سیدھے اشعار پر بُری طرح گلا بچھاڑ کر داد دے رہا تھا۔

سلیمان نے باورچی خانے ہی میں رہنے میں عافیت جانی تھی۔ اس کی دانت میں عمران کے اور اس نیم پاگل کی چیخ و پکار سے ڈرائنگ روم کی چھت اڑ جانے کا امکان یقینی تھا۔ باورچی خانے کی چھت اس کے خیال میں قدرے نیچی اور مضبوط تھی اسلئے اس نے اس کو فی الحال پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا تھا۔ دراصل یہ بات بھی عمران کی حد سے بڑھتی ہوئی بوریٹ کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ وہ بیٹھا اپنی بوریٹ دُور کرنے کے محنت پہلوؤں پر غور

کر رہا تھا کہ اچانک اسکی شیطانی کھوپڑی میں اپنے پڑوسی شتاب گنگوری کا خیال آگیا۔ عمران سے اسکی رسمی علیک سلیک تھی لیکن وہ اس سے سلیمان کی زبانی پوری طرح جانتا تھا۔ ادھر اس کے ذہن میں شتاب گنگوری کا خیال آیا ادھر وہ دوسرے ہی لمحے اس کے قلیٹ پر جا پہنچا۔ دستک دینے کے ادھے گھنٹے بعد تک اُسے بوسیدہ زینے کی سیڑھی پر بیٹھ کر اُن کا انتظار کرنا پڑا۔ جب وہ تیار ہو کر باہر نکلے تو عمران اُن کی سچ دھج دیکھ کر منہ بچھاڑ کر رہ گیا۔ اس نے انہیں باہر ہی سے چیخ کر اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دیا تھی اور شتاب گنگوری یہ سمجھ کر کہ مشاعرے کی دعوت ہے اپنے بتاؤ سنگھار میں کچھ زیادہ ہی وقت لے لیا تھا کیونکہ بیچارے کو مشاعرے میں شرکت ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اور اُن کی یہ آرزو ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی۔

جب وہ شاعروں کی سی شان سے اپنے گھر سے برآمد ہوئے تو عمران نے انہیں بڑا زور دار فرشی سلام کیا تھا۔ شتاب گنگوری کی باچھیں کھل اُٹھیں۔ انہوں نے ایک ادائے خاص سے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ بڑے کر دُور سے عمران کے قلیٹ پر آئے تھے۔ عمران جیسے اُن کی راہوں میں بچھا جا رہا تھا اس نے سلیمان کو دوپہر کے لئے زبردست کھانے کا آرڈر دیا تھا۔

شتاب گنگوری کو اس نے ایک نہایت آرام دہ صوفے پر بٹھانے کے بعد اُن کی سب سے پہلے خاطر شاندار کافی سے کی۔ شتاب گنگوری نے نہایت نذیدے پن سے کافی ختم کی تھی۔

دو چار رسمی باتوں کے بعد عمران نے اُن سے عاجزی سے شعر سنانے



کی درخواست کی۔ جسے شرف قبولیت بخشے ہوئے شتاب گنگوری نے اپنے بے تکے اشعار کا دیوان کھول دیا تھا۔ وہ اپنی بھونڈی آواز میں جب ترنم سے اشعار پڑھتے تو سلیمان کو ایسا محسوس ہوتا جیسے ڈریکولا کے مسکن پر روایتی۔ چرچاڑ بیٹھی موت کا گیت گا رہی ہوں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ کب کا اس شاعر کے بچے کو اٹھا کر گندی گلی میں پھینک چکا ہوتا اور یہ صاحب ان سے تو خدا ہی سمجھے۔ سلیمان نے برا سا منہ بنایا اور مُرعی، روست کمنے میں مصروف ہو گیا۔ جو وہ عمران کے حکم پر دوپہر کے کھانے کیلئے لایا تھا۔

”اونہہ شاعر کا بچہ بڑا آیا مُرعی کھانے؟ اس نے غصے سے دانت پیسے۔“ ٹھہر جا بچہ میں ابھی تجھے ایسی مُرعی کھلاؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ سارے کو دست نہ کرا دیئے تو سلیمان نام نہیں؟“ سلیمان نے ڈرائنگ روم میں جھانکا۔

عمران قالین پر اس طرح ہاتھ باندھے موڈ بیٹھا تھا جیسے وہ شتاب گنگوری کا مرید ہو۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ نہایت تیزی سے بڑی سے عقیدت کے ساتھ داد دیتے ہیں مصروف تھا۔ اور شتاب گنگوری اس کی بے تحاشا داد پر جھک جھک کر داد لیتے اور دوبارہ ہمہ تن مصروف ہو جاتے۔ اے میری گل اندام محبوبہ

لے لے ڈیہ مٹھائی کا

ہونٹ تیرے شہد کے پیالے ہیں

ہاتھ تیرے بڑے کراہے ہیں  
”واہ۔ واہ سبحان اللہ مکرر ارشاد؟ عمران نے جھک جھک حسب معمول گلا پھاڑتے ہوئے داد دی؟“ واہ۔ واہ۔ کیا سماں باندھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مٹھائی کے ڈبے میں کرچی حلوہ رکھا ہو۔ اور محبوبہ دلنواز وہ تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے گلاب جامنیں اور پکوڑے آخر منہ میٹھا کرنے کے بعد کھارا بھی تو نہ کرنا پڑتا ہے؟“ عمران کی تشریح پر شتاب گنگوری کھل اُٹھے۔

”واہ وا صاحب کیا کہتے ہیں آپ کی وضاحت اور بلاغت کے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے علم کا ایک سمندر موجزن ہو؟“

”شکریہ شکریہ۔ ذرا نوازی ہے آپ کی؟“ عمران نے دانت نکوسے۔  
”میری مانیئے تو ہم دونوں صاحب علم مل کر ایک رسالہ نکالتے ہیں جس میں میری نظمیں ہوں گی اور آپ کے افسانے۔“ جھے یقین ہے کہ آپ نہایت شاندار افسانے لکھ سکتے ہیں؟“

”نوازش ہے آپ کی؟“ عمران نے شرماتے ہوئے لچک کر کہا۔ ”ورنہ سچ تو یہ ہے کہ آپ سے زیادہ شاندار نظمیں لکھنے والا شاعر میں نے آج تک نہیں دیکھا؟“

”قبلہ یہ تو آپ کی عنایت ہے۔ میں نے بھی آپ سے بہتر مضمون نگار آج تک نہیں دیکھا؟“ شتاب گنگوری نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔  
”آپ بہت اچھے شاعر ہیں؟“



”آپ بہت اچھے مضمون نگار ہیں“

”آپ کی نظائیں — واہ وا سبحان اللہ“

”آپ کے مضامین واہ وا سبحان اللہ، کیا کہنے ہیں سُخن فہمی کے — ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سمندر کا بج کی برنی میں بند کر دیا گیا ہو اور مچھلیاں نکلنے کے لئے بے چین ہوں لیکن راہ قرار مسدود ہے کائی زدہ پانی اُن کیلئے پیغام اجل ہے بلا آخر اُن کی موت یقینی ہے“

”واہ وا سبحان اللہ کہا کہنے“

”مضمون نگاری اُسے کہتے ہیں“

”شعر گوئی ایسی ہوتی ہے“

”یہ تو طے ہے کہ ہم دونوں مل کر ایک علمی اور ادبی پرچہ نکالیں“

عمران نے رک کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس کا نام کیا رکھا جائے۔؟“

”نام — ہاں نام تو بہت ضروری ہے میرے خیال میں کوئی شاعرانہ سا

نام ہونا چاہیئے“ شتاب گنگوری نے رائے دی۔

”جی نہیں“

”عمران نے انکار میں سر ہلایا۔“ میں اس کی جگہ ادبی نام کو ترجیح دوں گا“

”دیکھئے آپ ابھی سے اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں“

شتاب گنگوری نے شکوہ کیا۔

”آپ بھی تو اختلاف بڑھانے میں مصروف ہیں“

”چلئے ایسا کر لیتے ہیں کہ آدھا نام شاعرانہ اور آدھا ادبیانہ رکھ لیتے ہیں“ یہ مصالحانہ تجویز شتاب گنگوری ہی نے پیش کی تھی جسے عمران نے بہت جلد قبول کر لیا تھا اور وہ دونوں سر جوڑے شاعرانہ اور ادبیانہ نام تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے۔

”میرے خیال میں کرن کے آنسو ٹھیک رہے گا۔“

”لاحول ولا قوۃ — یہ بھی کوئی نام ہے“ عمران نے ناک سکیڑی۔

”کرن بھی کبھی آنسو بہاتی ہے — اس سے بہتر تو گھاس کے آنسو ہے، نہیں

تو یہ بھی مناسب نہیں“ عمران نے خود ہی اس نام کو رد کر دیا۔

”وہ مارا.....“ شتاب گنگوری اُچھلے۔

عمران انہیں خوفزدہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”آواز — کیسا رہے گا“

”اوہ بہت خوب صورت“ عمران کھل اُٹھا۔

پھر دونوں نے اپنے رسالے کا متفقہ نام ”آواز“ تجویز کیا تھا۔

اس کے بعد وہ معاملے کے دوسرے پہلوؤں پر غور کر رہے تھے کہ

ٹیلی کی گھنٹی اپنی پُر شور آواز کے ساتھ بج اٹھی۔

عمران نے چونک کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر رسیور

کر پڈل سے اٹھا لیا۔

”ہیلو ایڈیٹر آف آواز اسپیکنگ“

”ایڈیٹر کے بچے کیا کر رہے ہو“ یہ سر سلطان کی آواز تھی۔



”پنگ پانگ کھیل رہے ہیں آپ سے مطلب؟“ عمران نے ماؤتھ۔  
پیس میں آنکھیں پجاتے ہوئے کہا۔ ویسے وہ سرسلطان کے ٹیلی فون پر  
قدرے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”میرا مطلب ہے جلدی سے آفس آجاؤ ضروری کام ہے۔“

”ٹیلیفون پر کچھ بتانا پسند کریں گے؟“

”نہیں تم جلدی سے یہیں آجاؤ“ سرسلطان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

”بہتر ہے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔“

عمران نے شانے اچکاتے ہوئے کہا اور رسیور کھینچ کر شتاب  
گنگوری کی طرف مڑ گیا۔

شتاب گنگوری اسی طرف دیکھ رہے تھے۔

”خیر تو ہے کوئی تشویش کی بات تو نہیں؟“ انہوں نے الجھن آمیز لہجے

میں پوچھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل ایک صاحب کو مجھ سے کچھ ضروری

کام پڑ گیا۔“

”اوہ تو ضرور جانیئے۔ دوسروں کے کام آنا بہت بڑی نیکی ہے۔“

شتاب گنگوری نے بظاہر خوش اخلاقی سے کہا۔ لیکن اندرونی طور پر

انہیں اپنی شاندار ضیافت کے ختم ہو جانے کا شدید رنج تھا۔ کتنی مدتوں

بعد تو ایک پرستار ملا تھا۔ جس نے نہ صرف اُن کے فن کی قدر کی تھی بلکہ

اُن کیلئے شاندار کھانے کا اہتمام بھی کیا تھا جس کا اندازہ انہوں نے سلیمان

کے ہاتھوں میں موجود سودے کی تفصیلی سے لگایا تھا۔ مرغی کو ذبح ہوتے

تو انہوں نے دُور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ مدتوں بعد انہیں بہتر کھانا نصیب ہونے

والا تھا لیکن یکایک یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اور شتاب گنگوری ہاتھ ملتے

رہ گئے۔ رسالے کی تجویز بھی انہوں نے اسی لئے پیش کی تھی کہ اُن کے خیال

میں عمران کی مالی حیثیت بہت اچھی تھی اور رسالے کی آڑ میں وہ اپنی دال روٹی

ضرور پیدا کر لیتے۔ وہ جاتے کیلئے اُٹھے۔ عمران سے زور دار مصافحہ کیا۔

”مجھے اُمید ہے آپ رسالے کیلئے کچھ کریں گے۔“

چلتے چلتے انہوں نے آخری بار یاد دہانی کرائی۔

لیکن عمران کو اُن سے یا اُن کے رسالے سے کیا دل چسپی ہو سکتی تھی۔

یہ تو بس اس کیلئے وقت گزاری کا مشغلہ تھا۔ اس نے اقرار میں سر ہلا کر اُن

کو خواب دیا اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ لباس تبدیل کر کے وہ باورچی خانے کی طرف

بڑھ گیا۔ شتاب گنگوری پہلے ہی جا چکے تھے۔ سلیمان نے باورچی خانے سے

انہیں جلتے ہوئے دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا۔

”ابے کیا دیکھ رہا ہے؟“

”اس سائے کنگلے شاعر کو دیکھ رہا ہوں۔“

سلیمان نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ اگر آپ اُسے جلد نہ بھگا دیتے تو

آپ دیکھتے اس کا حشر؟“

”حشر کے پچھے دروازہ بند کر لے میں باہر جا رہا ہوں۔“

”صاحب یہ مرغی؟“



”تو کھا لینا“

سلیمان حیرت زدہ سا اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔  
لیکن عمران اس کی جانب توجہ دینے بغیر باورچی خانے سے نکل کر بیرونی  
دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اُسے، —

سر سلطان کے آفس پینچے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں گئے تھے —  
چونکہ آفس ٹائم تھا اور دفتر خارجہ سے منسلک آفیسروں کی گاڑیوں سے پارکنگ  
لان بھرا ہوا تھا۔ اس لئے عمران نے وہاں جگہ نہ ہونے کے سبب اپنی گاڑی —  
دفتر خارجہ کی عمارت سے تھوڑے فاصلے پر روکی اور وہ پیدل ہی سلطان صاحب  
کے آفس تک پہنچا تھا۔ کئی جان پہچان والے لوگوں سے علیک سلیک کرتا  
ہوا جب وہ سر سلطان کے آفس میں داخل ہوتے لگا۔ تو نہ جانے کہاں سے  
ان کا پی او آٹپکا کیونکہ عمران کی پشت اس کی جانب تھی اور وہ عمران کا چہرہ  
نہیں دیکھ سکا۔ اس لئے وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے عمران کا  
ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اُسے پکڑ کر اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔

”اماں کون ہو تم اس طرح منہ اٹھائے چلے جا رہے ہو۔ مجھے نوکری سے  
کھلانے کا ارادہ ہے کیا“

عمران بوکھلا کر پلٹا۔ چپراسی نے جیسے ہی اُسکی صورت دیکھی اُسکے چہرے  
پر شدید گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

ایس قریشی کی عہوان سیریوز فاص نمبر

بلیک بزنس  
اسپائے اسمیشر  
موت کے ہمسفر  
گیم آف ڈیٹھ

نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں



”س س — صاحب : بوکھلاہٹ کی وجہ سے اسکے منہ میں الفاظ  
اٹک کر رہ گئے۔ کبھی وہ ہاتھ میں آئے ہوئے کار کو دیکھتا اور کبھی عمران کے  
چہرے کی طرف — پھر وہ اُسے اپنی جانب خشکیوں نظروں سے گھورتے پا کر فوراً  
نظریں جھکا دیتا۔

”یہ کیا حرکت تھی ؟“

”صاحب معاف کیجئے میں کچھ اور سمجھا تھا“

چپراسی کے لہجے میں لجاجت تھی۔

”کہا سمجھے تھے تم ؟ عمران کا لہجہ حماقت آمیز ہی تھا۔

”صاحب بس غلط فہمی ہو گئی“

”غلط فہمی ہو گئی وہ بھی کار سے — آستین سے کیوں نہیں ہوئی —

مطلب ہے کار کی بجائے آستین بھی کھینچ سکتے تھے“ اس کی وضاحت تھا

آمیز ہی تھی۔

چپراسی گو اپنی حرکت پر سخت شرمندہ تھا لیکن اُسے عمران کے بارے

میں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ نوکروں کے ساتھ باپ سے بھی زیادہ شفق

کا سلوک کرتا تھا۔

”صاحب اگر آستین ہاتھ آجاتی تو ؟“

اسکا سوال سن کر عمران نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ”بڑے نامعقول ہوئے

اگر آستین چلی جاتی تو کوئی غم نہیں تھا لوگ سرت سرت کہتے مگر اب تو سر

کہیں گے“ اس کی آواز بڑی غمگین تھی۔

”ہائے اب میں کیا کرونگا۔ بچے مجھ سے ڈریں گے۔ تم نے بہت بُرا کیا

مجھے سرکٹا بنا دیا“ اب کہ عمران کی آنکھوں سے آنسو باتا قاعدہ ساون بھادوں کے  
برسات کی طرح نکل رہے تھے۔

”س س صاحب خدا کیلئے — میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں“

چپراسی نے اسکے آگے ہاتھ جوڑے۔

اور عمران جو اب زور سے رونے کیلئے اسٹارٹ لینے والا تھا اسکی

شکل دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس نے ہاتھ سے گالوں پر بہنے والے آنسو

پونچھے اور مسکرا کر چپراسی کو آنکھ مار دی — چپراسی کے سینے سے سکون کی سنس

خارج ہوئی بے چارہ مارے خوف کے نہ جانے کب سے سنس روکے بیٹھا

تھا وہ بھی حوصلہ پا کر مسکرانے لگا۔

عمران نے اس کا کندھا تہایت پیار سے پتھپتھپایا اور اسی عالم میں آفیس

میں داخل ہوا کہ قمیض کا کار غائب اور قمیض کے اوپر کے تین بٹن غائب

اسکی وجہ سے اسکی بنیان نظر آنے لگی تھی — سر سلطان اپنی میز پر کچھ لکھنے

میں مصروف تھے — انہوں نے آہٹ پا کر گردن اٹھائی اور عمران کو مجنوں

جیسے چلیے میں دیکھ کر اُن کی جان جل گئی۔

”یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے“ انہوں نے اپنے عَصے پر قابو پاتے ہوئے قدر

لہجے میں کہا۔

”ہو ہو ہو“ عمران انگوٹھا منہ میں رکھ کر بے دھتکی سے ہنسا۔

قریب پڑی ہوئی کرسی گھسیٹ کر شرماتے ہوئے اس پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا



پہ قابو نہیں پاسکتے تھے۔ — مگر ان کی رائے پر یہی فیصلہ ہوا کہ

عمران تیسری مرتبہ اٹھا اب کہ کرسی میں الجھا ضرور لگیں اس نے اپنے اس پروردگار کی بارگاہ سلطنت میں بھی گرفتار ہوا تھا اور سی

والی نظروں سے دیکھتے پاکر اس پر کپکپی دوبارہ طاری ہو گئی۔ وہ کسی ف

عمران کسی فرمانبردار بچے کی طرح ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ گو اس مرتبہ کرسی پر پاؤں نہیں رکھے تھے لیکن کیکپا ہٹ بدستور جاری تھی۔



”تمہیں سردی لگ رہی ہے۔“ اُن کے لبوں پر بڑی دلفریب اور معنی

خیز مسکراہٹ تھی۔

”نہیں۔“ اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

”تو پھر کانپ کیوں رہے ہو؟“

”بے ہودہ بد تمیز۔ اگر اب کہ تم نے کوئی شرارت کی تو اچھا نہیں ہوگا۔“ سرسلطان نے آخری بار تنبیہ کی۔

عمران سرسلطان کے موڈ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُن کی وارننگ سے عمران قدرے سنجیدہ ہو گیا ویسے بھی جس کام کیلئے سرسلطان نے اُسے یہاں بلایا تھا وہ ابھی تک اُسے معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

”آپ نے مجھے یہاں کس لئے بلایا تھا؟“ اس بار اسکا لہجہ سنجیدہ تھا۔ سرسلطان نے ٹوٹنے والی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

”سہراب پور کے متعلق کیا جانتے ہو؟“ اُسے سنجیدہ پا کر وہ مطلب کی بات پر آگئے۔

”صرف اتنا کہ وہ ہماری پڑوسی چھوٹی سی ریاست ہے اس وقت پرنس کیل کے ہاتھوں میں اسکا اقتدار ہے چند سالوں سے پلائنیم کی دریافت کے بعد ری سے ترقی کر رہی ہے کئی منصوبوں پر وہ ہمارے ملک کیلئے فائدہ بھی مہیا کر رہی ہے اور بس۔“

”اس کے علاوہ بھی بہت ساری باتیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔“

”میرے لئے اُن کا نہ جاننا ہی بہتر ہے آپ مطلب کی بات بتائیں۔“

”مطلب ہی کی تو بات بتا رہا ہوں۔“ سرسلطان نے جلدی سے کہا مبادا

اس نے دوبارہ پٹری سے نہ اتر جائے۔ ”پرنس شکیل نے ایک خصوصی خط اپنے

میر کے ذریعے آج ہی وزیرِ عظم کو پہنچایا ہے وہ خط وزیرِ عظم کی اس

بات کے ساتھ وزارتِ خارجہ کی وساطت سے میرے پاس آیا ہے کہ اس سلسلے

”آپ ماریں گے تو نہیں؟“ اس کا انداز اس شریہ بچے کی طرح تھا۔

شرارت کرنے کے بعد پٹائی کے خوف سے کانپ رہا ہو۔

سرسلطان کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

”نہیں تم اطمینان سے بیٹھو۔“ اُن کے تسلی آمیز رویئے پر اس کی کچھ

فورا ختم ہو گئی اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھنے کے بعد انہیں معصوم نظروں سے

دیکھنے لگا۔

”تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟“

عمران نے اقرار میں گردن ہلائی۔

”بھلا بتاؤ تو؟“ اُن کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

”بتا دوں؟“ اُس نے بے یقینی سے اُن کی طرف دیکھا۔

”ہاں بھئی بتا دو۔“

”ماریں گے تو نہیں۔“

”پھر وہی بکواس۔ آج کہیں تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”شکر کیجئے دماغ خراب ہوا ہے پتلون خراب نہیں ہوئی ورنہ آپ

اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔



”جی ہاں بالکل : اس نے مختصر جواب دیا۔ اُسے احساس تھا کہ حامی بھرنے

سے کتنی بڑی ذمہ داری اس کے سر پر آگئی ہے۔ خط کے معنی سے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ اپنی نوعیت کا واحد کیس ہے جسے اس کو اپنی برادر اسلامی ریاست کیلئے حل کرنا ہے۔ اسکی رضامندی کے بعد سرسلطان اس سے معاملے کے دیگر پہلوؤں پر گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ اُن کے آفس سے اٹھا تو سرسلطان مطمئن اور مسرور تھے۔ جبکہ وہ خود کسی دوسرے ہی خیال میں گم تھا۔ اُسے بہر حال ایک دو دن میں سہراب پور کیلئے روانہ ہو جانا تھا۔ وسیع انتظامات کرنے تھے۔ انہیں خیالوں میں گم اس نے انگیش میں چابی گھائی انجن انکڑائی لے کر بیدار ہوا۔ اس کی ٹوپیٹر دوسرے ہی لمحے سڑک پر فرارے بھر رہی تھی۔



ایس قریشی کے شاہکار ناول

مقامات

موت کے سنسنی

عمران سیریز کے یہ ناول نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں

میں فوراً سہراب پور کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ سرسلطان نے میز کی دراز کھولی اس میں سے سبز رنگ کا ایک بڑا سا لفافہ نکالا اور عمران کو دے دیا۔ عمران نے خط اُن کے ہاتھ سے لیا اور جلدی جلدی اس کی تحریر پڑھنے لگا۔ وہ جوں جوں اُسے پڑھتا جاتا تھا اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر اس نے خط ختم کیا۔ تہہ کر کے دوبارہ لفافے میں رکھا اور سرسلطان کو واپس دیدیا۔

”میرے خیال میں تم نے سچویش کا اندازہ کر لیا ہوگا اس سلسلے میں تمہارا کیا رائے ہے؟“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن ایک بات ظاہر ہے وہ یہ کہ معاملہ کافی خطرناک ہے اور اگر اس خط کی تحریر صرف بہ صرف درست ہے تو سہراب پور کا خدا حافظ ہے۔“

”بیٹے یہ تم کہہ رہے ہو۔ ایک تم ہی تو ہو جو ناکامیوں کی تاریکی میں کاملاً کی شمع روشن کرتے ہو۔ اور پھر وہ تو ہماری برادر ریاست ہے وہاں مسلمان آہیں۔ کیا مسلمان کی حیثیت سے مشکل وقت میں اُن کی مدد کرنا ہمارا فرض نہیں اُن کا بوجہ بے حد جذباتی تھا۔

”میں نے کب یہ کہا کہ میں اُن کی مدد کیلئے تیار نہیں۔ میں تو صرف سچویش

کی ناز کی کا احساس دلانا تھا۔“

”تو پھر تم اس سلسلے میں کیا کہہ رہے ہو۔“

”جو آپ کا حکم۔“

”تو پھر میں سمجھوں کہ تم اس کیس کو ہاتھ میں لینے کے لئے راضی ہو۔“



عمران پر لگے ہوئے تھے۔ جو جولیا کے برابر بیٹھا مسلسل اسکے سینے پر مونگ دل رہا تھا۔ جولیا بھی بظاہر عمران سے لا تعلق بیٹھی تھی لیکن اسکے چہرے پر غصے اور جھنجھلاہٹ کی سرخی پتہ دے رہی تھی کہ عمران پٹری سے اترا ہوا ہے۔ دارالحکومت سے چلتے ہوئے عمران نے، صفر، تنویر اور جولیا کو کسی مصلحت کی وجہ سے ساتھ لے لیا تھا۔ جبکہ دیگر دوسرے ممبران کو وہ بیک زیر سمیت دارالحکومت ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ مختلف سیاسی وجوہ کی بنا پر اس وقت خود اس کے ملک میں مختلف سازشیں پیدا

ایرگٹ ، —

ہو رہی تھیں جن کے سدباب کیلئے سیکرٹ سروس ہم ایک ایسا محکمہ تھا جو اب تک کار آمد ثابت ہوا تھا۔ حکومت بڑی حد تک صرف سیکرٹ سروس کی وجہ سے مختلف اندرونی اور بیرونی سازشوں کا شکار ہونے سے بچی تھی۔ عمران کو بیک زیرو کی ذہانت پر پورا اعتماد تھا کہ وہ اسکی غیر موجودگی میں اپنے ماتحتوں کو بخوبی ڈیل کر لیگا۔ مختلف جرائم کا سراغ لگانے کیلئے عمران نے اُسے خصوصی ٹریننگ دی تھی۔ اور عمران کو مکمل بھروسہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں بیک زیرو ہر کیس سے خوش اسلوبی سے نمٹ سکتا ہے جس کا اس نے دیگر کئی مواقع پر ثبوت بھی دیا تھا۔

سر سلطان کے آفس سے واپسی کے بعد وہ سیدھا دانش منزل گیا تھا۔ جہاں اس نے بیک زیرو کو تازہ کیس اور اسکی نوعیت سے آگاہ کیا۔ پھر وہ اور بیک زیرو دونوں مل کر پروگرام ترتیب دینے لگے۔ جوزف کو جب پتہ چلا تھا کہ عمران کسی مہم میں بیرونی ملک جارہا ہے تو اس نے بھی ساتھ چلنے کی ضد کی تھی۔ کافی گڑ گڑایا تھا۔ لیکن عمران ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور جوزف کو ہار مان کر خاموش ہو جانا پڑا تھا۔ باس سے جدائی کے غم کو اس نے اپنی تنہائی کی ساتھی میں ڈبو دیا۔

کا طیارہ بوئنگ 717 نہایت سبک خرمی سے اپنی منزل سہراب پور کی طرف محو پرواز تھا۔ پاکیشا کے دارالحکومت سے پرواز کئے اُسے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ سہراب پور پہنچنے میں ابھی تقریباً بیس منٹ باقی تھے۔ موسم نہایت خوشگوار تھا تیز چمکی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آسمان پر جیسے تیر رہے تھے۔ طیارے کی رفتار مناسب تھی اور کیپٹن کا خیال تھا کہ وہ ٹھیک بیسویں منٹ میں سہراب پور اسٹیٹ کے سب سے بڑے شہر چولان کے ہوائی اڈے پر لینڈ کر لیگا۔ طیارے میں یوں تو مختلف رنگ و نسل اور ممالک سے تعلق رکھنے والے بیٹھے تھے۔ یہ طیارہ چونکہ براستہ سہراب پور مشرق وسطیٰ کی طرف جا رہا تھا اس لئے عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد کی تعداد کچھ زیادہ ہی تھی۔ جن میں زیادہ تر تیل کی صنعت سے وابستہ تھے اس کا اندازہ عمران نے اُن کی گفتگو سے لگایا۔ اس کے برابر جولیا بیٹھی تھی۔ پچھلی دو نشستوں پر تنویر اور صفر بیٹھے۔ صفر سیٹ کی پشت سے سر لگائے آنکھیں موندھے کسی سوچ میں گم تھا اور تنویر بظاہر ایک رسالے کے مطالعے میں منہمک تھا۔ لیکن اسکی آنکھیں اور کان



جس کے بعد وہ پھر چاق و چوبند ہو کر ڈیوٹی دینے لگا۔ اسکے جانے کے بعد عمران نے بلیک زیرو ہی کی مدد سے مختلف تیاریاں مکمل کی تھیں۔ اپنے سہراب پور پہنچنے کے متعلق اس نے پرنس شکیل کے نام تار تورانہ کر دیا تھا مگر ساتھ ہی اُن سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اسکے لئے کسی قسم کا اہتمام نہیں کیا جائے نہ ہی پرنس شکیل اسکے ٹھہرنے کا اپنے محل میں بندوبست کریں۔ بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اجنبی کی طرح سہراب پور میں داخل ہوتا کہ کسی قسم کا رسک لئے بغیر کیس کیلئے راہ کا تعین کیا جاسکے خود اس نے پاکیشیا کے ایک بڑے بزنس مین کی حیثیت سے فون کے ذریعے چولا سے کے ایک شاندار ہوٹل میں چار کمرے پہلے ہی بک کر والے تھے۔ جہاز میں بھی وہ تاجر ہی کی حیثیت میں سفر کر رہا تھا جبکہ جولیا اسکی سیکرٹری اور تنویر و صفدر اسکے معاون کی حیثیت سے اسکے ساتھ تھے۔ روانگی سے پہلے اس نے نہ صرف اسکی اطلاع سرسلطان کو دیدی تھی بلکہ بلیک زیرو کو بھی اہم باتیں سمجھا دی تھیں تاکہ اسکی غیر موجودگی میں وہ کسی قسم کی دقت محسوس نہ کرے۔ تمام تیاریاں مکمل کرنے میں اُسے پورا ایک دن لگا تھا۔ اس نے بلیک زیرو کے ذریعے ایرگلف کے بوئنگ میں دوسرے دن کیلئے چار سیٹیں ریزرو کروالی تھیں۔ طیارے نے ٹھیک دس بجے دن دے چھوڑ دیا تھا اور اب اُسے اپنی منزل پر پہنچنے میں چند منٹ درکار تھے عمران اپنی نشست پر بیٹھا مسلسل جولیا کو تنگ کر رہا تھا۔ اور جولیا غصے میں بھنائی ہوئی خاموش بیٹھی تھی۔ وہ بمشکل اپنے آپ پر قابو پا رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ عمران کو اٹھا کر کھڑکی کے ذریعے نیچے ہی پھینک دیتی۔ عمران کی چھپر خانی کا جواب دیکر وہ طیارے میں خود کو تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ لیکن اپنے چہرے

پر ظاہر ہونے والے شدید غصے کی علامات وہ نہیں چھپا سکتی تھی جس کے سبب اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس آتش رنگت نے اُسے کچھ زیادہ ہی خوبصورت بنا دیا تھا۔

”کیا بات ہے جولی ڈار لنگ بڑی سُرخ نظر آرہی ہو۔ کہیں چمگادڑ کے خون میں ڈبکی لگا کر تو نہیں آئیں۔ ذرا اپنے رُخ روشن کو پیچھے کی طرف بھی گھما دو تاکہ رقیب روسیہ کے دل کو چین اور سُخ کو آرام نصیب ہو۔ ہائے بیچارہ۔ کتنی بیچینی سے کروٹیں بدل رہا ہے تیج تیج تیج“ اس نے تاسف سے کہا لیکن انداز چڑانے والا ہی تھا۔

”کیا تم اپنی چونچ بند کرنے نہیں رکھ سکتے؟“ تنویر نے اُگے جھک کر اسکے کان میں سرگوشی کی۔ وہ کافی دیر سے صبر کئے بیٹھا تھا لیکن بلاخر اسکے صبر کا پیمانہ چھلک ہی پڑا اھو وہ زبان کھولے بغیر نہ رہ سکا۔ ”اگر تم نے اب کوئی بد تمیزی کی تو یاد رکھو گردن توڑ دوں گا“ اس کے لہجے کی عزاہٹ نمایاں تھی۔

”اماں منہ پرے کرو کیا لونڈیوں کی طرح کھسک پھسک کر رہے ہو مردوں کے طرح بات کرو“ بھڑوں کے چھتے میں جان بوجھ کر ہاتھ ڈالتے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے یہی کچھ تنویر کے ساتھ ہوا۔ عمران نے اسکی سرگوشی کے جواب میں چیخ کر اُسے مخاطب کیا۔ اس کی آواز اتنی تیز تھی کہ طیارے میں موجود تمام لوگ چونک چوٹے۔ چونک کر اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ اس سے پہلے کہ تنویر بھی عمران کے دو بدو جواب دیتا۔ اور معاملہ بگڑتا صفدر نے تنویر کا شانہ دبا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ لوگ تجسس سے ان ہی کی جانب دیکھ رہے تھے اس لئے تنویر نے



خاموش رہنے ہی میں عافیت جانی۔ لیکن وہ اس خوفناک انداز میں عمران کو گھورتے لگا جیسے موقع ملتے ہی اُسے کچا چبا جائیگا۔ عمران پر بھلا اسکے غصے کا کیا اثر پڑتا۔ اس نے جب تنویر کو خوفناک انداز میں گھورتے ہوئے پایا تو مسکرا کر اُسے آنکھ مار دی۔ — ”کتنی مخمور ہیں تمہاری آنکھیں

دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں۔“ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر فدویانہ انداز میں جھکا مگر سی کر کے رہ گیا۔ اب کہ جویا نے دانت کچکپاتے ہوئے اس کی کمر میں زور دار چٹکی لی تھی۔ وہ کمر پکڑے ہائے کرتا رہا اور جویا انجان بنی رسلے کے مطالعے میں مصروف رہی پھر اس کی یہ ”ہائے ہائے“ اس وقت رُکی جب طیارے میں چولان ایرپورٹ پر لینڈ کئے جانے کی اطلاع۔ اناؤنسمنٹ ہوئی۔ تمام مسافر اپنے اپنے بلیٹ باندھنے لگے۔ عمران کی ہائے ٹائے بھی رُک چکی تھی اور وہ بھی بلیٹ کتنے میں مصروف تھا۔

طیارے کی بلندی کم سے کم تر ہوتی گئی۔ بلاآخر اس کے پہیے زمین سے ٹکے اور وہ کسی منہ زور گھوڑے کی طرح رن وے پر دوڑتا چلا گیا۔ چند لمحوں بعد طیارہ ایرپورٹ ٹرسٹل کی عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ سیڑھی لگانے کے بعد دروازہ کھولا جا چکا تھا۔

مسافر آہستہ آہستہ ایک لائن میں بیچے اترنے لگے۔ کچھ دیر بعد عمران جویا، صفدر اور تنویر بھی طیارے سے اتر کر ایرپورٹ کی عمارت کی طرف جا رہے تھے اُن کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے سوٹ کیس تھے۔ کسٹ چیکنگ کے عمل نے انہیں جلد ہی فارغ کر دیا۔ جب وہ ایرپورٹ کی عمارت سے باہر آئے تو

ہوٹل براڈوے کی کار اُن کی منتظر تھی جس میں عمران نے فون کے ذریعے کمرے بک کرائے تھے۔ ایک پورٹرنے اُن کے ہاتھ سے سوٹ کیس لیکر جلدی جلدی ڈکی میں رکھے۔ اس اشار میں وہ چاروں کار میں بیٹھ چکے تھے۔ باوردی ڈرائیور نے نہایت سلیقہ سے کار اسٹارٹ کی اور مناسب رفتار سے اُسے ڈرائیو کرنے لگا۔ راستے میں یہ بات عمران ہی نے نہیں بلکہ ذہین صفدر نے بھی ٹوٹ کی تھی کہ

ڈرائیور سمیت تمام لوگوں کے چہروں پر ایک یاس اور مایوسی کی کیفیت چھائی ہوئی ہے وہ جوش و خروش جو لوگوں میں عام طور پر ہوتا ہے یہاں کے لوگوں میں مفقود تھا۔ وہ بے دلی اور کسی قدر رنجیدگی سے اپنے اپنے کاموں میں مہرور تھے۔ بازاروں کی رونق بھی برائے نام تھی۔ مارکیٹوں میں بیشتر دوکانیں بند ہی تھیں۔ کچھ یہی صورتحال انہوں نے ہوٹل براڈوے میں دیکھی۔ جس وقت وہ پورٹروں کی معیت میں ہوٹل میں داخل ہوئے انہوں نے اس انٹرنیشنل ہوٹل کو بھی کچھ سونا سونا پایا۔ کاؤنٹر گرل نے اُداس سی مسکراہٹ سے اُن کا استقبال کیا اور ویٹر کو اُن کے کمروں کی چابی دیکر اسکی معیت میں انہیں اپنے کمروں کی جانب روانہ کر دیا۔

یہ ہوٹل کافی وسیع و عریض اور کئی منزلوں پر مشتمل تھا۔ عمران وغیرہ بیر کی معیت میں لفٹ کے ذریعے پانچویں منزل پر پہنچ گئے۔ بیر انہیں لئے ہوئے کوریڈور سے گذر کر روم نمبر تھری تھری فور تھری فائیو اور تھری سکس کے سامنے پہنچ گیا۔ کمرے کھولنے کے بعد پورٹروں نے اُن کا سامان اُنکے کمروں میں رکھا اور بیر سر جھکا کر باہر نکل آیا۔

سفر کی تھکان کا بہترین علاج غسل ہوتا ہے۔ لہذا جویا کے علاوہ وہ



تینوں اپنے اپنے کمروں سے ایلیج ہاتھ روم میں گھس گئے۔ جبکہ جولیا اپنے کمرے میں پرس تپائی پر رکھنے کے بعد آرام کرسی پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ مقصد ذہن کو نارمل کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

عمران نے غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا اور ابھی بیرے کو بلانے کے لئے گھنٹی دباتے ہی والا تھا کہ اُسے بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی تھری پیس کے نفیس سوٹ میں ملبوس ایک وجیہہ اور شکیل نوجوان کھڑا کھٹا جکے ایک ہاتھ میں خوبصورت سا بریف کیس تھا۔ عمران نے استہفامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”مجھے سجاد کہتے ہیں۔ میں ہزہائی نس کا پرسنل سیکریٹری ہوں۔“ اس نے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ عمران نے گرمجوشی سے مصافحے کے بعد اُسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

پرسنل سیکریٹری آف ہزہائی نس سجاد کمرے میں داخل ہو کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا جبکہ عمران نے اس کے قریب والی نشست سنبھال لی تھی۔

”آپ کی آمد کی اطلاع پاتے ہی ہزہائی نس نے مجھے روانہ کر دیا تھا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے محل میں قیام کریں۔ لیکن یہ چیز شاید آپ کیلئے مناسب نہیں تھی بہر حال کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو بلا تکلف یاد فرما لیجئے گا۔ آپ کی خدمت کر کے ہمیں بے انتہا خوشی محسوس ہوگی۔“

”شکریہ سجاد صاحب۔ مجھے بس ذرا تفصیل سے آگاہ کر دیں۔“ وہ سنجیدہ

لیجے میں بولا۔

”میں اسی لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ وہ تمام واقعات جو ابھی تک رونما ہوئے ہیں آپ کے گوش گزار کر دوں۔“

سجاد نے بریف کیس کھولا اور ایک بڑا سا فوٹو عمران کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ ہے وہ گوریلا نما عفریت، جس نے ریاست کو جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔“

عمران فوٹو لے کر غور سے اُسے دیکھنے لگا۔ فوٹو عمران کے ہاتھ میں دیکر

سجاد اُسے گوریلا نما عفریت کی تباہیوں کے واقعات سنانے لگا۔ اس نے اپنے

مسلح افواج کے حملے کا بھی ذکر کیا جس میں اس نے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں استعمال کی

تھیں اور اس عفریت نے ان کو کھلونوں کی طرح اٹھا اٹھا کر پھینکا تھا۔ عمران بغور

یہ خوفناک داستان سنتا رہا۔

”سجاد صاحب آپ کی باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا دائرہ کار زیادہ تر شمالی

ساحل پر ہوتا ہے اور کبھی کبھار وہ ادھر ادھر کا رخ کرتا ہے۔ کیا شمالی ساحل کی

جانب کچھ آبادی یا اس قسم کی کوئی چیز۔“ عمران کا سوال گو کہ مبہم تھا لیکن

اُسے سمجھنے میں سجاد کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

”شمالی ساحل کے قریب ہی وہ پہاڑی سلسلہ ہے جس کے دامن میں پلاٹینم کی

کانیں موجود ہیں۔ اس کے خوف سے اُن کانوں میں بھی کام بند ہو گیا ہے جس کا

وجہ سے ریاست کو بہت زبردست نقصان ہو رہا ہے۔“

”خیر آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ کوئی نہ کوئی بہتر صورت نکل ہی آئے گی۔“

”مجھے بھی خدا کی ذات سے یہی اُمید ہے۔ اچھا عمران صاحب اب میں



چلتا ہوں — آپ کی سہولت کیلئے ہوٹل کے پارکنگ میں دولیت ڈور کھڑی ہے  
میں — یہ کاغذات لیجئے ان میں یہاں کے بارے میں مفید معلومات موجود ہیں “  
اس کے ساتھ ہی سجاد کھڑا ہو گیا —

”کوئی تکلیف ہو تو بلا جھجھک یاد فرمائیے گا“

اس نے ایک بار پھر یاد دہانی کرائی اور عمران سے مصافحہ کرنے کے بعد کمرے  
سے باہر نکل گیا —

اس کے جانے کے بعد عمران سجاد کے دیئے ہوئے کاغذات کے مطالعہ  
میں غرق ہو گیا تھا —

چولان ، —

کا شمالی ساحل پر سکون تھا — صرف ساحل سے ٹکراتی موجوں کا شور ماحول  
کے سکون کو درہم برہم کرنے کی کوشش کر رہا تھا — یہ علاقہ اب سے چند دن پہلے  
بہت بارونق اور خوبصورت تھا — لیکن گوریلا نزعیت کی ہلاکت آفرینیوں کے  
باعث ویرانے میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا — ساحل کے ساتھ ملے ہوئے خوبصورت  
اسٹال دیدہ زیب گارڈن اور اونچے اونچے بنگلے اس کی تباہیوں کی زد میں آکر —  
کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے تھے — آبادی کے نام و نشان مفقود ہو کر بھیاٹک  
ویرانوں میں تبدیل ہو گئے تھے — خاص طور پر شمالی علاقہ جہاں کے پہاڑوں کے دامن  
سے دنیا کی سب سے مہنگی دھات نکالی جاتی تھی جس کے سبب یہاں مزدوروں اور دیو  
ہیکل مشینوں کے شور میں ویرانے بھی بارونق علاقوں میں تبدیل ہو گئے تھے — لیکن  
اب سب کچھ خاموش — ہر چیز اپنی جگہ ساکت صرف اکا دکا آبی پزندوں کی یا سمندر  
کی موجوں کے علاوہ وہاں کوئی آواز نہیں تھی — ساحل سے کافی فاصلے پر آرٹیکور  
کا چاق و چوبند دستہ نگرانی میں مصروف تھا — سمندر کی معمول کے مطابق بہتی ہوئی  
موجوں میں اچانک طغیانی کی کیفیت طاری ہو گئی بڑی بڑی موجیں ساحل سے سر

عملات سیزیز کے شاہکار خاص نمبر  
بلیک بزنس گیم آف ڈیٹھ  
اسپائے اسمیٹر مشا کے ہمسفر

ایس قریشی کے یہ ناول نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب  
کریں



ٹھکانے لگیں۔ ایک جوار بھانا تھا جو سمندر پر اچانک طاری ہو گیا تھا۔ آرڈر کور کے کیپٹن نے دور بین کے ذریعے سمندر کی اس اچانک بدلتی ہوئی کیفیت کو دیکھا اور اپنے نائب کو سنگل دے دیا۔ کیپٹن ان علاقوں سے بخوبی واقف تھا۔

نائب کا اشارہ پاتے ہی آرڈر کور کا دستہ تیار ہو گیا۔

کیپٹن نے خطرے کا سنگل دائر لیس سیٹ کے ذریعے جو اس کی آرڈر کور میں لگا ہوا تھا۔ اپنے ہیڈ کوارٹر کو دے دیا۔ چند لمحوں بعد درجنوں خطرے کے سائرن اپنی بھیانک اور کرخت آواز میں چنچ پڑے۔ ان سائرنوں کی آواز چولان شہر اور اس کے گرد و نواح میں دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی۔ سائرنوں کی آواز کے ساتھ ہی شہر میں جیسے بھونچال آگیا۔ ہر شخص جو بھی کام کر رہا تھا چھوڑ چھاڑ کر پناہ گاہ کی طرف دوڑ پڑا۔ جو حکومت نے گوریلا نما عفریت سے انسانی جانیں بچانے کے لئے جگہ جگہ کھود رکھی تھیں۔ لوگ خوفزدہ نظروں سے اپنے اپنے گھروں اور عمارتوں پر چڑھے شمالی ساحل کے اس علاقے کو دیکھ رہے تھے جہاں طوفانی موجوں کے بے پناہ شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

آرڈر کاروں نے پوزیشن یعنی شروع کر دی تھیں۔ کیپٹن اپنی آرڈر کار میں کھڑا دور بین سے بدستور ساحل کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ ایک بڑی سی موج ساحل پر آنے سے پہلے پھٹی۔ اور اس میں سے وہی تباہیوں اور بربادیوں کا پیکر ابھرا۔ کیپٹن کا حلق خشک ہونے لگا لیکن اس نے دور بین اپنی آنکھوں سے نہیں ہٹائی۔ گوریلا نما عفریت دیو پیکر موجوں کو ہاتھوں کے اشارے سے پیچھے دھکیلتا ساحل کی جانب آ رہا تھا۔ اسکے لمبے لمبے قدموں نے چند ہی لمحوں

میں اسے ساحل پر لا کھڑا کیا۔ ساحل پر آنے کے بعد اس اپنی چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ سونگھا۔ اور ستون ستونی وزنی قدم اٹھاتا اسی جانب بڑھنے لگا جہاں آرڈر کور کے دستے نے پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ اس کے قدموں کی دھمک سے زمین پر لرزش طاری تھی۔ آرڈر کور کے کیپٹن نے جب دور بین کے ذریعے دیکھا کہ اس گوریلا نما عفریت کا رخ اسی کی جانب ہے تو اس نے دائر لیس پر اپنے ماتحت کو اشارہ دیا۔ تقریباً تمام ہی آرڈر کاریں ایک ساتھ حرکت میں آئی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ بڑھا کر چند گز پیچھے ہوئیں۔

وہ اب ایک بڑے دائرے کی پوزیشن میں آگئی تھیں۔

گوریلا نما عفریت بدستور آگے بڑھ رہا تھا۔

کیپٹن نے بغیر دور بین کے اس کے ٹارگٹ کا اندازہ لگایا۔ اور دائر لیس کے ذریعے اپنے دستے کو فائر کا آرڈر دے دیا۔

چالیس آرڈر کاروں کی توپیں ایک ساتھ گر جیں اور چالیس گولے بیک وقت گوریلا نما عفریت کے جسم پر لگے اُسے ایک زبردست جھٹکا لگا۔ لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اور دوسرا قدم اٹھایا۔

کیپٹن کا اٹھا ہوا ہاتھ گرا ساتھ ہی ایک مرتبہ پھر اس کے منہ سے "فائر" کی آواز نکلی۔ چالیس گولے ایک بار پھر اسکے جسم سے ٹکرائے حسب سابق وہ لڑکھڑایا اور ایک قدم آگے بڑھا دیا۔ چالیس گولے ایک مرتبہ پھر اسکے جسم سے ٹکرائے۔ آرڈر کور کا دستہ قدم قدم پر سخت مذاہمت کر رہا تھا لیکن گوریلا نما عفریت پر ان





**ZEMTime.com**



کرتے ہی ریلے کے ساتھ باہر آگیا تھا۔ لوگ تیزی سے مختلف پناہ گاہوں کی طرف دوڑ رہے تھے کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔

عمران بھی تیزی سے دوڑ پڑا لیکن اس کا رخ کسی پناہ گاہ کی بجائے پورٹیکو کی طرف تھا۔ پورٹیکو میں پہنچ کر اس نے ہزہائی نس کی بھیبھی ہوئی لینڈ روور کا دروازہ کھولا۔ چابی اس کے پاس پہلے ہی موجود تھی۔ انجن ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ اسٹارٹ ہوا۔ عمران نے کار کا گیر بدلا اور اسٹیرنگ ہوٹل براڈوے کے مین گیٹ کی طرف کاٹ دیا۔ جس وقت وہ مین گیٹ عبور کر کے سڑک پر آ رہا تھا تو اس نے زوردار دھماکوں کی آوازیں سنی۔ دھماکے اتنے شدید تھے کہ بلڈنگوں کے شیشے ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گرنے لگے۔ سڑک پر آتے ہی اس نے اپنی کار کا رخ شہر کے شمالی ساحلی علاقے کی جانب کر دیا۔ اس کی کار برق رفتاری سے تارکول کی سیاہ اور چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ دھماکوں کی آوازیں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھیں وہ ہونٹ بھینچے۔ ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ سڑکیں سنسان اور بازاروں پر موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔ اس وقت اُسے کوئی بھی متنفس نظر نہیں آیا۔ حالانکہ جہاں سے وہ گزر رہا تھا وہ شہر کا سب سے گنجان علاقہ کہلاتا تھا۔

شدید دھماکوں سے زمین لرز رہی تھی اور عمران دانت بھینچے تیز رفتاری سے ساحل کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔

برق رفتاری سے گاڑی چلائے ہوئے وہ جلد ہی اس سڑک پر پہنچ گیا جو آگے جا کر ساحل پر ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن ذرا آگے جانے کے بعد اُسے اپنی کار کو دینی پڑی۔ چونکہ سڑک کے بیچوں بیچ ایک آرٹ کار کھڑی تھی جس سے ساحل کی جانب

فاٹر کیا جا رہا تھا۔

آرٹ کار کے قریب ہی سڑک پر ایک لیفٹیننٹ کھڑا تشویش سے سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی ایک کار اس جانب آتی دیکھی۔ اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ عمران نے اس سے ذرا فاصلے پر کار روکی تھی۔

لیفٹیننٹ تیزی سے اس کی کار کے قریب آیا۔  
”آپ آگے نہیں جاسکتے“ اس نے کار کی کھڑکی میں منہ گھسیڑ کر کہا۔ ”برائے کرم اپنی گاڑی واپسی موڑ لیں اور جتنی جلد ہو سکے اُسے چھوڑ کر کسی پناہ گاہ کا رخ کریں“

لیفٹیننٹ کے جواب میں عمران نے جیب سے وہ خصوصی اجازت نامہ نکال کر جو پرسنل سکریٹری سجاد نے اُسے دیا تھا۔ خاموشی سے اس کے ہاتھ میں تھا دیا۔ لیفٹیننٹ نے غور سے اس کی تحریر پڑھی اور حیرت زدہ انداز میں کارڈ اُسے واپس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اسے زوردار سلوٹ کیا اور آگے جلتے کی اجازت دے دی۔ عمران نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور آرٹ کار کو کراس کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ کچھ ہی دور جانے کے بعد اُسے وہ گوریلا نما عفریت نظر آگئی جو اب ساحل سے بہت دور آگئی تھی اس کا رخ شہر سے آنے والی اسی سڑک کی طرف تھا جس پر عمران کی کار خود اسی کی جانب بڑھ رہی تھی۔

عمران نے کھوڑی دور لے جا کر اپنی کار روک دی۔ آرٹ کار اس سے پچاس گز کے فاصلے پر تھی جس سے مسلسل فاٹر آ رہا تھا۔ عمران نے انجن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔ وہ بڑے غور سے گوریلا نما عفریت کا جائزہ لے رہا تھا۔ جو



فائر کی بوجھاڑ پر جھٹکا کھا کر رکتا اور پھر آگے بڑھنے لگتا۔ عمران کے چہرے پر گہری تشویش تھی اور وہ فکر مند نظروں سے اسکی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا۔ اس قدر دیوہیل گوریلا اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف فائروں کی شدت ہی سے عمران نے اندازہ لگایا تھا کہ اسکا مقابلہ اس مرتبہ نہایت انوکھا اور سخت ہے بلکہ وہ اپنے مد مقابل کے آگے چھوٹی جتنی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

عمران اسکی طرف دیکھتے ہوئے سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں اسطرح غرق ہوا کہ اسے گوریلا نما عفریت کے قریب ہونے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ چونکا اس وقت جب گوریلے کی دھمک سے زمین لرزنے لگی۔ گوریلا نما عفریت سڑک پر پہنچ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ لیفٹیننٹ نے اپنی آرڈر سے جب دیکھا کہ گوریلا کسی بھی لمحے عمران کے سر پر پہنچ سکتا ہے تو اس نے اپنی بکتر بند کو آگے بڑھانے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظروں میں عمران کی جان بہت قیمتی تھی جس کیلئے اس نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کی بازی لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ آرڈر کار تیزی سے آگے بڑھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ عمران تک پہنچتی گوریلا نما عفریت عمران کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھوں سے عمران کو گھور رہا تھا۔

اس کا بڑا سا ہاتھ عمران کی طرف بڑھا۔ عمران بجلی کی طرح اُچھلا اور اسکے ہاتھ کی زد سے نکلے ہوئے کار کی طرف چھلانگ بگادی۔

گوریلا نما عفریت نے اپنا پیر اٹھایا۔ اس کا پاؤں عین عمران کی کار کے اوپر تھا۔ دوسرے ہی لمحے اسکے پاؤں کے بوجھ سے کار پچ کر سڑک کے برابر ہو گئی۔

لیفٹیننٹ نے خوف سے منہ پھیر لیا اور آرڈر کار کو تیزی سے موڑنے کا حکم دیا۔ آرڈر کار جھٹکا کھا کر مڑی اور پوری رفتار سے پیچھے دوڑتی چلی گئی۔ لیفٹیننٹ حسرت سے پچھلی ہوئی کار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خود بخود آنسوؤں کے قطرے نکلنے اور گالوں پر ڈھلکتے چلے گئے۔



ایسا قریب تھا کہ شاہکار خاصہ نمبر  
نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں !

اسپائے اسمیٹر  
بلیک سٹریٹ  
بلیک بزنس  
گیم آف ڈیٹھ  
موت کے ہمسفر



پھوٹنے کی آوازیں آرہی تھیں —

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چولان پر اچانک جنگ کے مہیب بادل چھا گئے ہوں  
سجوشن کے بدلتے ہوئے رنگوں نے انہیں جیسے سن کر کے رکھ دیا تھا —

دھماکوں کی آوازیں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھیں —

غیر متوقع طور پر ایک فوجی ڈائننگ سال میں داخل ہوا — اسکا رخ اُن کی  
میز کی طرف ہی تھا — وہ لوگ پریشان چہرے لئے فوجی کو اپنی جانب آتے دیکھتے ہیں  
اس کے سینے پر لگے ہوئے تمغوں سے وہ کیپٹن نظر آ رہا تھا —

اس نے اُن کی میز کے قریب پہنچ کر مودبانہ انداز میں سیلوٹ کیا —

وہ تینوں اُسے استہقامیہ نظروں سے دیکھنے لگے —

”معزز مہانوں سے درخواست ہے کہ ہوٹل کے لان میں بنی ہوئی پناہ گاہ میں  
تشریف لے جائیں — کیونکہ گوریلا نما عفریت کا رخ اسی جانب ہے اور ہوسکتا  
ہے یہ ہوٹل اس کی زد میں آ جائے“

”مگر کیپٹن ہمارا ساتھی موجود نہیں وہ ابھی یہاں تھا نجاتے کہاں چلا گیا“

یہ جوبلیا تھی جو عمران کی جانب سے تشویش میں مبتلا تھی —

”اوہ ہم انہیں تلاش کرنے کی پوری کوشش کریں گے آپ لوگ ازراہ کرم  
فورا پناہ گاہ میں پہنچ جائیں“

اسکے سوال پر کیپٹن نے تشویش زدہ لہجے میں جواب دیا اور تیزی سے  
ہوٹل سے باہر نکل گیا —

”یہ عمران کو بھی اسی وقت کہیں مرنا تھا — کبھت ہر موقع پر ہمیں مصیبتوں

صفر، —

تتویر اور جوبلیا اس وقت سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے — جب انہوں نے  
عمران کو اپنی نشست پر موجود پایا —

دراصل جب سے وہ چولان میں داخل ہوئے تھے — یہاں کے سبھی ہوئے ماحول  
کو دیکھ کر اُن کے اعصاب کچھ بھاری ہو گئے تھے — پھر جب انہوں نے خطرے کا سائرن  
بجتنے کے بعد ہوٹل براڈوے کے ڈائننگ سال میں جو افراتفری دیکھی تو لاعلمی کے سبب  
ایک انجانا سا خوف اُن کے دل میں جاگزیں ہو گیا — ایسے موقع پر عمران کا غائب ہو جانا  
اُن کے لئے تشویش ہی کا باعث بن سکتا تھا —

ڈائننگ سال بالکل خالی ہو چکا تھا — انہوں نے اس اثنا میں دیکھا تھا کہ ہوٹل  
کے کمروں میں رہائش پذیر ملکی اور غیر ملکی باشندے بھی نہایت عجلت میں ہوٹل سے باہر نکلے  
تھے یہاں تک کہ بیرے اسٹوارڈ ہوٹل کا دیگر عملہ بھی بھاگ چکا تھا —

وہ گم سم سے بیٹھے اس نئی افتاد کے بارے میں غور ہی کر رہے تھے کہ دھماکوں کی  
آوازیں آتے لگیں — یہ آوازیں اتنی شدید تھیں کہ میز پر رکھے ہوئے کھانے کے برتن ٹھٹھکتے  
لگے — ہوٹل پر مکمل سناٹا چھا گیا تھا صرف دھماکوں کی وجہ سے چیزوں کے ٹھٹھکنے اور ٹوٹنے



میں پھنسا کر خود رفو چکر ہو جاتا ہے۔“ تنویر نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔  
”بکواس مت کرو۔“

جولیا کو تنویر کے لہجے پر تاؤ آگیا۔ ”وہ تمہاری طرح بزدل نہیں ہے جو  
سائقوں کو مصیبت میں مبتلا پھوڑ کر قرار ہو جائے۔“

”تنویر جولیا“ صفدر نے فہمائشی نظروں سے دونوں کی جانب دیکھا۔  
”یہ آپس میں الجھنے کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں فوراً کیپٹن کی ہدایت پر عمل  
کرنا چاہیئے۔“

”آؤ چلیں۔“ اس نے مصالحتی انداز میں کہا اور اپنی نشست سے اٹھ گیا  
جولیا اور تنویر نے ایک دوسرے کو برہمی نظروں سے دیکھا لیکن وہ صفدر

کے پیچھے ہی اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے تھے۔  
ہوٹل سے باہر آکر انھوں نے نظریں دوڑائیں۔ ہر جانب ہوکا عالم طاری

تھا۔ مکمل سناٹے میں فوج کو دو بکتر بند گاڑیاں ہوٹل کے سامنے کھڑی تھیں۔  
کچھ فوجی اُن پر بیٹھے دُور ہیں سے سامنے کی جانب دیکھ رہے تھے۔

صفدر جولیا اور تنویر کے ساتھ لان کی طرف بڑھ گئے۔  
ہوٹل براڈوے کا خوب صورت اور وسیع دعرمین لان کو کھود کر زیرِ

زمین پناہ گاہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

صفدر جولیا اور تنویر پناہ گاہ میں داخل ہو گئے۔ اس پناہ گاہ  
میں رہائش پذیر افراد اور عملے کے علاوہ اور بہت سارے لوگ کھڑی ہوئی

کچی زمین میں قطاروں میں بیٹھے ہوئے تھے اور خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے

کو ٹمک رہے تھے۔ خصوصاً عورتوں اور بچوں کی تو خوف سے بُری حالت تھی  
کئی شیرخوار اور نونہال، ماحول کی کثافت سے لاپرواہ گھٹن کی وجہ سے روئے  
پچلے جا رہے تھے۔ اُن کی مائیں خوفزدہ نظروں سے اُن لوگوں کے چہروں کو تکتے  
ہوئے جو بچے کے رونے کی آواز کی وجہ سے خونخوار نظروں سے انھیں اور اُن  
کے بچوں کو دیکھ رہے تھے اپنے اپنے بچوں کو چپ کرانے کی حت امکان کوشش  
کر رہی تھیں۔ کئی ایک کمزور دل کے افراد ایسے بھی تھے جن پر خوف کی وجہ  
سے کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ ہوٹل کے منتظرین بچوں کو خاموش کرانے کیلئے  
اُن کی ماؤں کی مدد کر رہے تھے۔ کیونکہ شور سے اُن کی اپنی جانوں کو خطرہ  
لاحق ہو سکتا تھا۔

یہ پناہ گاہ ڈبلیو ڈبلیو کی شکل میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بتائی گئی  
تھیں۔ اُن کے اوپر گھاس وغیرہ ڈال دی گئی تھی تاکہ سرسری طور پر دیکھنے والے  
کو پناہ گاہ نظر نہیں آ سکے۔

صفدر تنویر اور جولیا پناہ گاہ میں داخل ہونے کے بعد ایک جانب بیٹھ  
گئے۔ چونکہ وہ سب سے آخر میں پناہ گاہ میں داخل ہوئے تھے اس لئے ان تینوں

کو اس کے سوراخ کے قریب ہی جگہ ملی وہ پناہ گاہ کے اندر سے باہر دیکھ  
سکتے تھے۔

دفعۃً ہوٹل کے سامنے کھڑی ہوئی دونوں بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آ گئی  
اور مہیب آواز پیدا کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگیں۔

دھماکے شدت اختیار کرنے کے بعد ختم ہو چکے تھے۔ سٹانے میں



بکتر بند گاڑیوں کی دُور ہوتی ہوئی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی —  
 شدید اعصابی تناؤ کی وجہ سے لوگوں کے حلق پیاس کی وجہ سے خشک ہو  
 رہے تھے — تنویر صفر اور جولیا کا بھی یہی عالم تھا — مگر انہوں نے اپنے آپ  
 پر قدرے قابو پالیا تھا — خوف کا عنصر بھی رفتہ رفتہ اُن کے دلوں سے کم ہوتا جا  
 رہا تھا — جیسے سیموئیل سمجھ میں آتی جا رہی تھی اُن کی صلاحیتیں واپس آتی جا رہی  
 تھیں —

وہ تینوں اب ماحول کا گہری نظروں سے جائزہ لے کر آنے والے حالات  
 کا اندازہ لگا رہے تھے —

بکتر بند گاڑیوں کی آواز بھی دُور ہوتے ہوتے اب بالکل مفقود ہو چکی تھی  
 پناہ گاہ کے اندر جو بچے رو رہے تھے وہ بھی کسی انجانے خوف کے باعث اب  
 خاموش ہو گئے تھے —

پر سکوت ماحول میں اچانک دھم دھم کی دھمک سے زمین لرزنے لگی —  
 یہ آوازیں سن کر لوگوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے اور اُن پر موت کی زردی چھا  
 گئی جیسے جیسے دھم دھم کی آواز بڑھتی جا رہی تھی — ویسے ویسے زمین کی لرزش  
 میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا —

دھمک کچھ دیر کے لئے رکی زمین کی لرزش تھمی اور ایک کان بھاڑ دینے  
 والا دھماکہ ہوا جس کے ساتھ ہی بے شمار لوگوں کی چیخ و پکار کی وجہ سے ماحول  
 پر چھایا ہوا سکوت ایک دم در دھم برہم ہو گیا —

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بڑی عمارت اچانک زمین بوس ہو گئی ہو

اور اس کی زد میں آنے والے لوگ بے تحاشہ مدد کے لئے چلا رہے تھے —  
 ابھی وہ تینوں اس جھٹکے سے سنبھلتے بھی نہ پائے تھے کہ ایک اور زور  
 دار دھماکہ ہوا — چیخ و پکار میں مزید اضافہ ہو گیا —

صفر تنویر اور جولیا تشویش زدہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے  
 اچانک ایک تیسرا دھماکہ ہوا — یہ دھماکہ بہت شدید تھا — لوگوں کی  
 نظریں بے اختیار پناہ گاہ کے سوراخ سے باہر بگولے پر پڑیں جو گرد و غبار  
 سے پیدا ہوا تھا — یہ دھماکہ نزدیک ہی کہیں ہوا تھا — لوگوں کی بے تحاشہ  
 چیخ و پکار نے نہایت خوفناک سماں پیدا کر دیا تھا — وہ تینوں ڈھے جانے  
 والی عمارت کے بلے سے اُٹھتے ہوئے بگولے کو دیکھ رہے تھے —

گہرے سرمئی رنگ کا گولہ جیب اوپر آسمان میں پہنچ کر منتشر ہوا —  
 اور اس کا زور ٹوٹا تو اُسے دیکھ کر اُن کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ  
 گئیں —

جولیا خوف سے کپکپاتے ہوئے صفر سے چمٹ گئی — تنویر نے بھی  
 خوف سے آنکھیں بند کر لیں — پناہ گاہ میں کئی لوگ خوف کے مارے بیہوش  
 ہو گئے — جو ذرا سخت دل تھے انہوں نے بھی اپنا منہ پھیر کر آنکھیں بند کر لیں  
 تھیں — خود صفر کا بھی بُرا حال تھا جو پناہ گاہ کے عین منہ پر بیٹھا تھا —  
 اس نے خوف سے ایک جھرجھری لی — اور دہشت زدہ عالم میں اس گوریلا نما  
 عفریت کو دیکھنے لگا — جس کا رُخ اب ہوٹل براڈوے کی طرف تھا — اس  
 سے پہلے وہ ہوٹل سے قریب ہی ایک اونچی عمارت کو زمین بوس کر چکا تھا، وہ



اپنی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں سے ہوٹل کی عمارت کو یوں گھور رہا تھا جیسے کوئی دیو پریوں کی شہزادی کے محل کو گھورتا ہو۔ بلاشبہ وہ کسی دیو سے کم نہیں تھا ہوٹل کی عمارت اس کے آگے کھلونے کی طرح معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ دو قدم اور آگے بڑھا۔ خوشی سے اس کی بانچھیں کھل رہی تھیں جن سے اس کے سفید سفید دانت بھانک رہے تھے۔

ہوٹل کی عمارت کو اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ پلک جھپکتے ہیں کئی منزلہ ہوٹل لمبے میں تبدیل ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

صفدر کا دل اس زور سے دھڑکنے لگا جیسے سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ یہ منظر اس کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر کر خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

ہوٹل کا ہزاروں ٹن لمبہ پرزہ پرزہ ہو کر چاروں طرف بکھر گیا تھا سینکڑوں وزنی شہتیر اور پتھر اُن کی پناہ گاہ پر گرے۔ صفدر نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور تیزی سے تنویر اور جویا کو جو

اس اثناء میں بے ہوش چکے تھے۔ سمیٹ کر کونے میں کر دیا تاکہ وہ اوپر سے گرتے والے لمبے کی زد میں نہ آسکیں۔

اینٹوں اور پتھروں کا یہ طوفان نہ جانے کب تک جاری رہا۔ صفدر کو اس کا ہوش نہیں تھا۔

وہ خود بھی دوسروں کی مدد کے لئے آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ

ایک وزنی اینٹ عین اس کے سر پر آئی۔ اس نے گھبرا کر سر دوسری طرف کر لیا۔ مگر اس کے باوجود اینٹ اس کے سر کے پچھلے حصے پر لگی اس کی آنکھوں میں دیئے جلنے اور بجھنے لگے اور پھر مکمل تاریکی چھا گئی۔

اُسے اس وقت ہوش آیا جب تنویر اُسے جھنجھوٹ رہا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی اپنی آنکھیں کھولیں۔

پناہ گاہ زخمیوں اور مرنے والوں کے خون اور لمبے سے بھر چکی تھی۔ "تم دونوں خیریت سے تو ہو کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ اس نے تنویر اور جویا کی طرف دیکھا جو اس کے سر پر لمبے بیٹھے اب بھی خوف سے کانپ رہی تھی۔ "ہم بالکل خیریت سے ہیں۔ لیکن تم اُٹھنے کی کوشش مت کرو۔ تمہارا

سر بہت زخمی ہے خون کافی مقدار میں بہہ چکا ہے۔ لیکن معاملہ ایسا تھا کہ صفدر یوں ہی پڑا رہتا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے

تنویر کی بات پر کان نہیں دھرا اور اُٹھنے کی کوشش کی۔ اس کے سر میں ایک شدید ٹیس اٹھی اور درد کی شدت سے وہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔

پناہ گاہ کے منہ پر لمبے کا ایک ڈھیر آن گرا تھا جسکی وجہ سے وہ بند ہو گئی تھی۔ تنویر نے پناہ گاہ کا معائنہ کیا اور افسردہ نظروں سے جویا کی طرف دیکھنے لگا۔

جویا نے صفدر کا سر آہستہ سے اپنے زانوں پر رکھا۔ صفدر کے سر سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ تنویر نے اپنی شرٹ اتاری اور اُسے پھاڑ



کر صفر کے سر کو پٹیوں سے باندھ دیا تاکہ خون رگ بجائے۔ اس کام کے آثار نظر آئے۔ وہ بڑی خندہ پیشانی سے اُن کے قریب آیا۔  
 نارغ ہو کر وہ جولیا کو تسلی دینے لگا۔  
 مکتوڑی دبر بعد باہر سے ملہ ہٹائے جانے کی آوازیں آتے لگیں۔ تھمہ تھمہ تھمہ : اس نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔ اور دونوں کو ساتھ لے کر اپنی  
 خالی نظروں سے اس طرف دیکھتا رہا۔

ملہ تیزی سے ہٹایا جا رہا تھا اس کے لئے فوجی جوان مشینوں سے کھینچ رہے تھے۔ جب انہوں نے پناہ گاہ کے سوراخ سے ملہ ہٹایا تو انھیں  
 سب سے پہلے تنویر نظر آیا۔ جو چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اُن کی طرف سے اچھلتی کودتی سڑک پر آئی۔ تنویر نے حسرت سے اس بلے کو دیکھا  
 دیکھ رہا تھا۔

”کیا آپ زخمی ہیں؟“ ایک فوجی نے سوراخ میں منہ ڈال کر تنویر سے پوچھا۔

”جی نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن یہاں میرا ساتھی شدید زخمی ہے اور اسکے علاوہ بہت سے لوگ مجھے خیر نہیں۔“ تنویر نے اسکا جواب چنچ کر دیا تھا۔ پھر اس نے جولیا کو اٹھنے میں مدد دی۔

وہ جولیا کو سہارا دے کر پناہ گاہ کے سوراخ تک لایا یہاں سے فوجیوں نے اُسے باہر کھینچ لیا۔

اس کے بعد ایک فوجی سوراخ میں داخل ہوا اور تنویر کی مدد سے بے ہوش صفر کو بلے تلے دبی پناہ گاہ سے باہر نکال لایا۔

اس نے دیکھا باہر وہی کیپٹن کھڑا تھا جس نے انہیں پناہ گاہ میں جانے کی ہدایت کی تھی۔ ان تینوں کو دیکھ کر کیپٹن کے چہرے پر مسرت

شکر ہے آپ لوگ بچ گئے۔ ہم آپ کی جانب سے بڑے فکر  
 کیڑی میں جا بیٹھا۔

صفر کو پہلے ہی ایمبولینس میں ڈال دیا گیا تھا۔  
 کیپٹن کی کار کے پیچھے ہی ایمبولینس ہوٹل براڈوے کے بلے پر  
 سب سے پہلے تنویر نظر آیا۔ جو چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اُن کی طرف سے اچھلتی کودتی سڑک پر آئی۔ تنویر نے حسرت سے اس بلے کو دیکھا  
 دیکھ رہا تھا۔

”کیا آپ زخمی ہیں؟“ ایک فوجی نے سوراخ میں منہ ڈال کر تنویر سے پوچھا۔

”جی نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن یہاں میرا ساتھی شدید زخمی ہے اور اسکے علاوہ بہت سے لوگ مجھے خیر نہیں۔“ تنویر نے اسکا جواب چنچ کر دیا تھا۔ پھر اس نے جولیا کو اٹھنے میں مدد دی۔

وہ جولیا کو سہارا دے کر پناہ گاہ کے سوراخ تک لایا یہاں سے فوجیوں نے اُسے باہر کھینچ لیا۔

اس کے بعد ایک فوجی سوراخ میں داخل ہوا اور تنویر کی مدد سے بے ہوش صفر کو بلے تلے دبی پناہ گاہ سے باہر نکال لایا۔

اس نے دیکھا باہر وہی کیپٹن کھڑا تھا جس نے انہیں پناہ گاہ میں جانے کی ہدایت کی تھی۔ ان تینوں کو دیکھ کر کیپٹن کے چہرے پر مسرت

ایس قریشی کے شاہکار ناول  
 بلیک سٹریٹ  
 ماسٹرف کی گیم  
 گیم آف ڈیٹھ  
 موت کے ہمسفر  
 اسپائے اسمیشر  
 بلیک برس  
 نہ پڑھے ہوں تو آج ہی طلب کریں!



ت شکلوں میں ڈھالنے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا تھا۔ کثیر سرمائے  
پایہ تکمیل کو پہنچنے والا یہ منصوبہ ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس  
موبے کیلئے سرمائے کی فراہمی کی ذمہ داری پرنس شکیل نے خود لی تھی۔  
ان منصوبوں کی تکمیل ہونے کے بعد سہراب پور اور پاکیشیا دونوں  
فائدہ ہونے کی اُمید تھی۔ اس منصوبے کے تکمیل ہونے تک سہراب پور  
مجبوراً دو یورپی ممالک کو اپنا پلاٹینم فروخت کرنا پڑ رہا تھا۔

سہراب پور اسٹیٹ،  
سہراب پور کے تجارتی بحری بیڑے کے جہاز دن رات پلاٹینم چولان  
پر آہستہ خرمی سے بہتا ہوا اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن تھا۔ اسے خوفناک واقعات کے باعث پہاڑوں کے اندر سے پلاٹینم نکالتے کام بند  
منزل اٹاوا اور اس کے بعد جاوا تھی۔

ایم وی سلطان پاکیشیا کی ایک جہاز ساز کمپنی نے ہزاروں ٹن  
مخصوص آرڈر پر بنایا تھا۔ کثیر رقم سے تیار ہونے والے اس جہاز کا  
اسی ہزار ٹن اور رفتار چالیس ناٹ تھی۔ یہ جہاز خاص طور پر خام پلاٹینم  
لئے بنایا گیا تھا۔ اس میں کم و بیش پچاس ہزار ٹن خام پلاٹینم کی گنجائش  
اسٹیٹ کے تجارتی بحری بیڑے میں اس جہاز کے اضافے کی وجہ سے  
خام پلاٹینم کو کافی مقدار میں اٹاوا اور جاوا پہنچانے میں آسانی ہو گئی۔  
سہراب پور اپنا یہ خام پلاٹینم جاوا اور اٹاوا کے ہاتھ فروخت کر  
پوری دنیا میں صرف یہ دو ہی جگہیں تھیں۔ جہاں پلاٹینم صاف کرنے اور اس  
سے مختلف چیزیں بنانے کے کارخانے موجود تھے۔

پرنس شکیل کے بے حد اسرار پر پاکیشیا نے بھی پلاٹینم کی صفائی اور



چولان کی بندرگاہ سے روانہ ہوتے وقت انھوں نے محذوش حالات کے پیش نظر اپنے جہاز میں حفاظتی تدابیر کے طور پر چند تبدیلیاں کی تھیں۔ اُن کا ماتحت عملہ پوری طرح بھاق و چوبند اور اپنے کام میں ماہر تھا۔ موسم معتدل اور کسی قدر خوشگوار تھا۔ جہاز کا موسم کے متعلق اطلاق دینے والا آلہ اگلے دو چار دنوں میں ایسے ہی موسم کی پیش گوئی کر رہا تھا۔ بحری سفر کرنے والوں کی دلی آرزو رہتی ہے کہ دوران سفر موسم معتدل رہے۔ کیونکہ سمندر کے مزاج کا زیادہ تر انحصار ہواؤں پر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کپٹن مسرور کے چہرے پر چھائی ہوئی طمانیت قابل توجہ نہیں تھی کہ اُن کے سفر کا آغاز کس قدر خوش گوار موسم میں ہوا ہے۔

ایم وی سلطان کو اپنی بندرگاہ چھوڑے چودہ گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے اس عرصے میں اس نے کافی فاصلہ طے کر لیا تھا۔ اور کپٹن مسرور کو امید تھی کہ موسم اسی طرح رہا اور وہ اسی رفتار سے چلے تو اگلے دو دنوں میں جہاز اٹوا کی بندرگاہ پر نگر انداز ہو جائے گا۔

وہ انجن روم میں کھڑے فرسٹ انجینئر سے ریاست کے حالات پر گفتگو کر رہے تھے۔ اُن کی گفتگو میں سیکنڈ اور تھرڈ انجینئر بھی شامل ہو گئے وطن سے دور ہونے کے بعد وطن کی فکر انہیں اہل وطن سے زیادہ تھی۔ جہاز کا انجن اپنی پُر شور آواز سے ان کی باتوں میں محل ہو رہا تھا۔ اسی شور کی وجہ سے انھیں ایک دوسرے سے چیخ چیخ کر باتیں کرنی پڑ رہی تھیں۔ اچانک نائب کپتان دوڑتا ہوا انجن روم میں داخل ہوا۔ دور بین اس

کے گلے میں لٹک رہی تھی۔

”سر ہمارے جہاز کو گھیرا جا رہا ہے“

اس نے ہانپتے ہوئے اطلاع دی۔

”کیا کہا۔“ جہاز کو گھیرا جا رہا ہے۔ مگر کیوں؟

ان کے لہجے میں شدید حیرت نمایاں تھی۔

”پتہ نہیں سر آپ خود دیکھ لیں“ نائب کپتان نے تشویش سے کپٹن کو جواب دیا۔

پھر کپٹن دامن رکھا نہیں بلکہ اپنے تینوں انجینئروں کو جہاز سے متعلق۔

ہدایت دے کر وہ عرشے کی طرف دوڑ پڑا۔

چند لمحوں بعد وہ اپنے ہوئے عرشے سے دور بین کے ذریعہ چاروں۔

طرف دیکھ رہا تھا۔ واقعی نائب کپٹن کی اطلاع بالکل درست تھی۔

وہ نامعلوم جہاز تھے کیونکہ اُن پر کسی ملک کا جھنڈا نہیں اہرا رہا تھا

اور نہ ہی کپٹن تلاش کے باوجود کسی جہاز کا ام پڑھ سکا۔

وہ تعداد میں چھ جہاز تھے جن کے رنگ اور بناوٹ ایک ہی کی طرح

کے تھے۔ کپٹن نے اپنی دور بین کے ذریعے اُن پر لگی ہوئی توپیں بھی دیکھ

لی تھیں۔ یہ جہاز جسامت میں ایم وی سلطان سے قدرے چھوٹے تھے۔

وہ انتہائی تیز رفتاری سے ایم وی سلطان کو چاروں طرف سے گھیرنے میں

مصرف تھے۔ کپٹن نے دور بین اپنے نائب کے ہاتھ میں دی اور

دوڑتا ہوا واپس انجن روم میں پہنچ گیا۔



تینوں انجینئر استفہامیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھنے لگے۔  
 ”زبیری اپنی رفتار تینس ناٹنگ بڑھا دو۔ ہمیں واقعی چند نا  
 معلوم جہاز گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”عالمی تم فوراً ہیڈ کوارٹر سے ریڈیائی رابطہ قائم کرو۔“ اس نے تھرڈ  
 انجینئر کو ہدایت دی اور تیزی سے انجن روم سے باہر نکل گیا۔ اب کہ اس  
 کارڈ جہاز کے اگلے حصے کی طرف تھا جہاں دور مار گنیں اور راکٹ لا نچر  
 نصب تھے۔ ان کا علم اُسے دیکھ کر اپنی اپنی جگہوں پر مستعد ہو گیا۔  
 کیپٹن کمانڈر کی طرف بڑھا۔

کمانڈر اُسے اپنی جانب آتا دیکھ کر موڈب ہو گیا۔

”کمانڈر الرٹ۔۔۔ ہمیں کسی دقت بھی تمہاری ضرورت پڑ سکتی  
 ہے۔“ کیپٹن مسرور کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔  
 ”سر کوئی خطرہ۔۔۔“

”اے کمانڈر چند نا معلوم جہاز ہماری جانب بڑھ رہے ہیں۔ ایسا  
 معلوم ہوا ہے۔“ وہ ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔“

کیپٹن نے کہا اور جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے انجن روم کی  
 طرف چلا گیا جب وہ انجن روم میں داخل ہوا تو۔۔۔ تھرڈ انجینئر ریڈیو آپریٹر  
 کی مدد سے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کرتے ہیں کامیاب ہو چکا تھا۔

”ہیلو ہیلو ہیڈ کوارٹر۔ کیپٹن مسرور از کالنگ یو۔“

”یہیں ہیڈ کوارٹر۔ ایر فون سے ایڈمرل کی آواز ابھری۔

”سر چھ نا معلوم جہاز ہمیں گھیر رہے ہیں۔ اور۔“

”کیا اُن پر کسی ملک کا نام و نشان نہیں ہے؟“

”نہیں سر اُن پر سرے سے کوئی نام و نشان موجود بھی نہیں۔“

”تم اپنے راستے پر پوری رفتار سے چلتے رہو۔ اگر وہ مداخلت کریں  
 تو تم جوالی کارروائی کرو گے ہم تمہاری مدد کیلئے فائٹنگ بوٹس بھیج رہے  
 ہیں۔“

”ٹھیک ہے سر میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔“ کیپٹن وائس  
 کومڈر سے بات کرنے کے بعد ابھی ایر فون واپس رکھ ہی رہا تھا کہ اُسے  
 ایک اور پیغام کا اشارہ ملا۔ اس نے ایر فون دوبارہ چڑھا لیا

”ہیلو ایم وی سلطان۔“

”کیپٹن سے بات کراؤ۔“ دوسری جانب سے کہا گیا۔

”کیپٹن ہیں تم سے مخاطب ہے۔“

”اچھا کیپٹن صاحب آپ نے غالباً اُن چھ جہازوں کو دیکھ لیا ہوگا جو

آپ کو مکمل طور پر اپنے گھیرے میں لے چکے ہیں۔“

”آپ کون ہیں۔۔۔ اور کیا چاہتے ہیں۔۔۔“

”اُن چھ جہازوں کا کمانڈر۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کسی مزاحمت کے

بغیر اپنے جہاز پر لڑا ہوا تمام پلانٹیم ہمارے جہازوں پر منتقل کر دیں۔“

”ایسا کرنا ناممکن ہے۔ ایسا کبھی اور کسی صورت میں نہیں ہوگا۔“

کیپٹن نے پُر عزم لہجے میں جواب دیا۔



”ٹھیک ہے کیپٹن تو پھر اپنی تباہیوں کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“  
 ”مجھے پرواہ نہیں۔ میں اپنے جیتے جی تم لوگوں کو جہاز کے قریب  
 نہیں آنے دوں گا۔“ کیپٹن غصے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔  
 اس نے غصے میں ایر فون پٹکا اور فرسٹ انجینئر کو مزید رفتار۔  
 بڑھانے کی ہدایت دے کر وہ واپس عرشے پر آ گیا۔ چھ جہاز اب بہت  
 قریب آ گئے تھے وہ اس کے جہاز کو مکمل طور پر گھیرے میں لے چکے تھے۔  
 پھر اُن کی توپوں کو حرکت ہوئی اور گولے دھماکوں سے ایم وی سلطان کی طرف  
 آنے لگے۔ کیپٹن نے چیخ کر کمانڈر کو جوابی فائر کا آرڈر دیا۔

”ایم وی سلطان کی گتیں بھی جوابی طور پر اُن جہازوں پر گولے برسائیں  
 لگیں۔ اچانک جہاز کو زور دار جھٹکا لگا۔ کوئی گولہ ایم وی سلطان کے ڈیزل  
 کے ذخیرے پر آ کر گرا تھا۔ ایک زور دار دھماکے کے ساتھ اس حصے  
 میں آگ بھڑک اُٹھی۔ کمانڈر نے راکٹ لانچر کی مدد سے نزدیک آجاتے  
 والے دو جہازوں کو ہٹ کر دیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ ڈوبنے لگے تھے۔  
 لیکن ایم وی سلطان کی حالت بھی خطرناک ہو گئی تھی۔ کیپٹن نے  
 آگ بجھانے کیلئے وائس کیپٹن کو بھیج دیا اور خود عرشے پر کھڑا اپنے جہاز  
 کی پوزیشن بدلتا رہا۔ کیپٹن کی سامنے دماغی کی وجہ سے کئی گولے اس پر آنے  
 کی بجائے سمندر کی نذر ہو گئے تھے۔ اُسے گھیرنے والے جہازوں نے۔  
 فائرنگ تیز کر دی تھی۔

کیپٹن کو یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ کسی طرح وہ

جہاز اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔  
 اس نے اپنے جہاز کو سٹر ڈگری زاویے پر موڑتے کا آرڈر دیا۔  
 جس کے ساتھ اس نے کمانڈر کو بہترین ٹارگیٹ کا اشارہ دیا۔  
 جہاز جیسے ہی گھوما۔ ایم وی سلطان سے دو راکٹ نکلے اور سامنے  
 والے جہاز کے پرچے اڑ گئے۔ اس کے مقابل اب تین جہاز رہ گئے تھے  
 لیکن وہ تینوں اب بھی اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔  
 جبکہ ایم وی سلطان پر لگی ہوئی آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی اور  
 جہاز کا پچھلا حصہ آہستہ آہستہ سمندر میں بیٹھ رہا تھا۔ کیپٹن کو اپنا  
 انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن وہ نہایت جواں مردی سے اسوقت تک  
 ڈٹا رہا۔ اور اسوقت تک مزاحمت کرتا رہا جب تک ایم وی سلطان پانی  
 کی تہہ میں نہیں پہنچ گیا۔ کیپٹن بھی جہاز کے ساتھ ہی سمندر کی تہہ  
 میں پہنچ چکا تھا۔



ایس قریشی یہ ناول عمران سیریز

موت کے ہمسفر گیم آف ڈیٹھ  
 آج ہی طلب کریں



عفريت کی توجہ بکتر بند کی طرف مبذول ہو جاتی اور عمران اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ کر سکتا تھا۔

اور ہوا بھی یہی جب بکتر بند تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑی تو۔ گوریلا نما عفریت بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی اس طرح عمران نے میدان خالی دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور گوریلا نما عفریت کی پشت کو گھورنے لگا جو اب اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

یہ عمران ہی تھا جس نے نہایت اعتماد اور پھرتی سے اپنے آپ کو گوریلا کی زد سے بچایا تھا۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک گوریلا کے پیٹ میں پہنچ گیا ہوتا۔

بہر حال یہ عمران تھا جس کو اپنی صلاحیتوں پر پورا پورا اعتماد تھا۔ وہ اس وقت تک سڑک پر پیٹ کے بل لیٹا رہا جب تک گوریلا اس سے بہت دور نکل گیا۔

اس کے کافی آگے نکل جانے کے بعد عمران اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ اسی سمت یعنی شمالی ساحل کی طرف چلنے لگا جہاں سے گوریلا نما عفریت آئی تھی۔ اس بار عمران کو کافی فاصلہ طے کرنا تھا کار پہلے ہی گوریلا کے پاؤں تلے آکر گھلی گئی تھی۔

اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

یہ علاقہ جہاں سے اس وقت عمران گزر رہا تھا۔ چونکہ شہر سے فاصلہ پر تھا۔ اس لئے یہاں سڑک کے دونوں جانب ریتلے میدانوں

عمران،

نے اپنی اسٹوڈی بیکر کی جانب اس وقت پھلانگ لگائی تھی جب گوریلا نما عفریت نے اُسے پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیکن جیسے ہی وہ اپنی کار میں داخل ہوا۔ اس نے گوریلا کا دزنی پاؤں اٹھتے ہوئے دیکھ لیا ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر اور زمین پر پیٹ کے بل لیٹ کر کہنیوں کے ذریعہ کار کے پیچھے کی طرف کھسکتے لگا۔ کیونکہ وہ کار کے ساتھ بالکل چپکنا ہوا رینگ رہا تھا۔ اس لئے گوریلا اُسے نہیں دیکھ سکا۔ پھر جب اس نے غصے میں بل کھاتے ہوئے اپنے وزنی پیر کے ذریعہ کار کو کچل دیا تو عمران اس کے پیر کی زد سے دور ہو کر اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے رینگتا ہوا اسکے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ اور لیفٹیننٹ یہ سمجھ کر کہ کار کے ساتھ ہی عمران بھی کچلا جا چکا ہے، واپسی کیلئے مڑ گیا تھا۔

عمران بھی جو اب گوریلا کے دوسرے پیر کی آڑ میں ہو چکا تھا یہی چاہتا تھا کہ لیفٹیننٹ اپنی آرڈر کار کو واپس موڑ لے۔ اس طرح گوریلا نما



کے علاوہ ہر ساحل کے ساتھ ساتھ دور پہاڑوں تک چلے گئے تھے اور کسی آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔

یہ واحد سڑک بھی جو شمالی ساحل کو چولان شہر سے ملاتی تھی بائر بند اسکوڑ کے بے پناہ فائر کی وجہ سے جگہ جگہ سے شکستہ ہو گئی تھی۔ اس میں جا بجا بموں کی وجہ سے گہرے گہرے گڑھے پڑ گئے تھے عمران گڑھوں کو پھلانگتا تیزی سے ساحل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ فاصلہ پر اُسے وہ پہاڑ نظر آ رہے تھے جہاں پلاٹینم کی کانیں موجود تھیں۔ تیزی سے فاصلہ طے کرتے ہوئے اس کے ذہن میں اس گوریلا نما عفریت کے متعلق بے شمار خیال آ رہے تھے جو اب چولان میں داخل ہو گیا ہوگا۔ اور اُسے اب ہر مائی نس کے پرسنل سیکریٹری کی اس بات پر مطلق شبہ نہیں رہا کہ وہ جب بھی شہر کا رخ کرنا ہے بے پناہ تباہی و بربادی پھیلاتا ہے۔ اُسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ ہزاروں جانوں کو ضائع ہوتے سے بچانے اور کرداروں کی المیہ کو تباہ ہونے سے روکنے کیلئے کتنی بھاری ذمہ داری اس پر آ پڑی ہے۔ اس نے اپنے دل میں مُصمم ارادہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے چولان والوں کو اس گوریلا نما عفریت سے ضرور نجات دلائے گا یا پھر اس مقصد کیلئے اپنی جان دے دے گا۔

وہ تیز رفتاری سے چلتے ہوئے جلد ہی ساحل تک پہنچ گیا۔ سمندر کی لہروں نے اسکا استقبال اس کے قدموں کو چوم کر کیا۔ وہ ساحل

کے ساتھ کنارے

پلاٹینم کی کانیں تھیں۔ کبھی کسی اندرونی جذبے سے چلنے ہر مائی نس کے پرسنل سیکریٹری کا اور گردن کو ذرا سا خم دیا۔ ہلکا سا شبہ ہوا تھا کہ کہیں اس ساری نو دیکھ سکتا تھا۔

کی کانیں تو نہیں ہو سکتا ہے کسی فخر سے زائد نہیں تھا۔ لیکن عمران کرنے کیلئے یہ سب گھڑاگ پھیلایا ہو۔ نظروں سے پوشیدہ تھا۔ اپنے اس شبہ کی بناء اس نے ان پہ کی طرح نیلی وردی پہنے کیا تھا۔ دوسری صورت میں اس کے پاس کچھ لہجہ لگائے بیٹھا سگریٹ دست پہلے وہ اپنے شبہ کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ٹرائی سے پہنچ کر وہ کچھ دیر کھڑا ادھر ادھر کی سن گن لیتا رہا۔

شور لہروں کے علاوہ اُسے کچھ سنائی نہیں دیا۔ نے دوسری وہ آہستہ آہستہ آواز کے بغیر پہاڑ کی ڈھلوانوں کا لہروں میں لگا۔ جس جگہ سے وہ اوپر کی جانب جا رہا تھا۔ پہاڑ والے زبردست نہیں تھا لیکن اس کی ڈھلوان سطح بہت چکنی تھی اس لئے اُسے اوپر چڑھنے میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

پہنچے جہاں جا کر قدم رکھتے ہوئے بلا تہرہ وہ پہاڑ کے اس حصے میں پہنچ گیا۔ جہاں سے وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور دونوں حصوں کے درمیان خلا سا پیدا ہو گیا تھا۔ چکنا چٹ بھی کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی تھی اور خلا کے آس پاس اور چوٹی تک کا حصہ کھردرا تھا۔



نظر آگیا۔

اس شخص کو دیکھتے ہی عمران کی آنکھیں کسی اندرونی جذبہ سے چمکنے لگیں۔ عمران نے خلا میں ایک قدم آگے بڑھایا اور گردن کو ذرا سا خم دیا۔ اب وہ اچھی طریقے سے اس شخص کو دیکھ سکتا تھا۔

اسکا عمران سے درمیانی فاصلہ پندرہ گز سے زائد نہیں تھا۔ لیکن عمران بلندی پر ہونے کی وجہ سے کسی حد تک اس کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اسٹین گن تھی اور وہ فوجیوں کی طرح نیلی وردی پہنے ہوئے تھا۔ بالکل کان کے دانے پر ٹرالی کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا رگڑنے کے گہرے گہرے کش لینے میں مصروف تھا اسٹین گن اس نے ٹرالی سے لگا کر کھڑی کر دی تھی۔

عمران اپنی جگہ بیٹھا کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے دوسری جانب وادی میں اترنے کیلئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کے حساس کالوں میں "دھم دھم" کی آوازیں آئے لگیں۔ اس نے چرتک کر اپنا اٹھا ہوا قدم واپس لے لیا اور دوبارہ خلا کے درمیان اپنے جسم کو پوشیدہ کر لیا۔ دھم دھم کی آوازوں سے وہ سمجھ گیا تھا کہ گوریلا نما عفریت شہر میں تباہی مچانے کے بعد اب واپس آرہی ہے اور اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کی تیز آواز ظاہر کر رہی تھی کہ اسکا رخ اسی سمت ہے۔ اور پھر عمران نے دُور ہی سے گوریلا نما عفریت کو آتے دیکھ لیا۔ جو ایک شان بے نیازی سے ساحل کی جانب چلا آ رہا تھا۔

کے علاوہ جو ساحل کے ساتھ ساتھ رزکا اس نے اپنے دونوں پاؤں پہلے کسی آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔ جمائے اور ہتھیلیاں اُن کی اوپری سطح پر یہ واحد سڑک بھی جو شمالی بکتر بند اسکواڈ کے بے پناہ فائر۔ جو ایک ناہموار میدان کی صورت میں تھی۔ اس میں جا بجا بموں کی بجائے بڑی بڑی دیو ہیکل مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ عمران گڑبھوں کو پھلانگ۔ جنہیں۔ اور وہاں بظاہر کسی مستفس کا نام اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ یہ بات عمران کیلئے غیر متوقع تھی۔

پلاٹینم کی کانیں موجود تھیں۔ درمیان اطمینان سے بیٹھ گیا اور گہری نظروں سے ایک ذہن میں اس گوریلا نما۔ لگا۔ جلد ہی اُسے وہ کانیں بھی نظر آ گئیں جن اب چولان میں داتا۔ اُن کے قریب ہی بجلی سے چلتے والی بڑی ٹرالی سیکریٹری کی اس۔ جنہیں یقیناً پلاٹینم کو وادی سے نکال کر باہر ہے بے پناہ۔ کیلئے استعمال کیا جاتا ہوگا۔

یہ کانیں ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر تھیں لیکن ایک ہی پہاڑ میں کھدائی گئی تھیں۔ وہ پہاڑ جس میں یہ تینوں کانیں تھیں دیگر دوسرے پہاڑوں سے کافی اونچا تھا۔ عمران کی نظریں اطراف کا جائزہ لیتے آئے اس کان پر آکر ٹھہر گئی جس کا فاصلہ عمران سے زیادہ نہیں تھا اور پھر اچانک ٹرالی سے پھسلتی ہوئی اس کی نظریں اس شخص پر پڑیں۔ جو بالکل کار کے دروازے پر بیٹھا تھا لیکن ٹرالی کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے وہ عمران کو نظر نہیں آیا تھا۔ لیکن جب اس نے اپنا زاویہ بدلا تو وہ اُسے فوراً



دھم دھم کی آواز کافی بڑھ چکی تھی۔ عمران نے جھک کر گوریلا کے آواز کا رد عمل کا نیچے بیٹھے ہوئے شخص پر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہایت اطمینان سے اس طرح بیٹھا تھا جیسے اُسے گوریلا نہا عفریت کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ حالانکہ عمران کو یقین تھا کہ وہ گوریلا کے چلنے سے جو دھمک پیدا ہو رہی ہے ضرور سن رہا ہوگا۔ لیکن اُس پر اس کا کوئی رد عمل نہیں ہوا تھا۔ جس پر عمران کو بہت نغصہ ہوا۔ گوریلا نہا عفریت اب سمندر کے کنارے پہنچ چکی تھی۔ عمران حالانکہ ایک بندہ سی جگہ پر بیٹھا تھا لیکن وہ جگہ گوریلا نہا عفریت کے کاندھے سے بھی نیچی تھی۔ عمران سانس روکے اُسے دیکھتا رہا۔

گوریلا نہا عفریت کچھ دیر کھڑی سمندر کی لہروں کو گھورتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ پانی میں اترنے لگی۔ جیسے جیسے وہ سمندر میں آگے بڑھتی جا رہی تھی پانی میں اس کا جسم چھپتا جا رہا تھا۔

بالآخر وہ سمندر میں کافی آگے جا کر عمران کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بڑی بڑی دیو ہیکل موجوں نے اُسے اپنے اندر پوشیدہ کر لیا تھا۔ عمران کچھ دیر ٹٹکی باندھے اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں گوریلا نہا عفریت غائب ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے سر موڑا اور دوبارہ وادی میں دیکھنے لگا۔ لیکن نہایت غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود اُسے وہ شخص نظر نہیں آیا جسے اس نے چند منٹ پہلے ٹٹالی کے قریب بیٹھے

ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جگہ اب خالی پڑی تھی۔ عمران خلا سے نکل کر آگے بڑھ گیا اس کا رخ اب دوسری کان کی طرف تھا۔ چند پُر پیچ گھائیوں کو عبور کرنے کے بعد وہ عین اس کان کے سر پہ پہنچ گیا جو پہلی کان سے فاصلے پر تھی۔ عمران کو یہاں بھی کوئی مستفس نظر نہیں آیا۔

اس نے سیرت سے سر ہلایا اور تیسری کان کی طرف بڑھ گیا۔ جو ان دونوں کانوں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ عمران کو چونکہ پہاڑوں پر سے ہو کر گزرتا پڑ رہا تھا اس لئے فاصلہ طے کرتے ہوئے اس نے صرف وقت کا سامنا کرتا پڑ رہا تھا بلکہ اتنے سے فاصلے کو طے کرتے اور تیسری کان تک پہنچنے میں اُسے کافی وقت لگ گیا تھا۔

خوش قسمت سے اُسے یہاں بھی پہلے کی طرح دو چٹانوں کے درمیان ایک خلا مل گئی۔ یہ خلا کان کے قریب ہی تھی۔ عمران بتی کی چال چلتا۔ ہوا خلا تک پہنچا اور اس میں داخل ہو کر کان کی طرف دیکھنے لگا۔

لیکن یہاں بھی اُسے بالواسی ہوئی کیونکہ یہاں بھی حسب سابق کسی مستفس کا نام و نشان نہیں تھا۔ عمران نے خلا میں کھڑے ہو کر ایک لمحے کیلئے کچھ سوچا اور خلا سے باہر آکر وادی میں اترنے لگا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ تین نمبر کان میں ضرور داخل ہوگا۔

اس کان کو اس نے اسلئے منتخب کیا تھا کہ اول تو یہ کان دوسری۔ دونوں کانوں سے فاصلے پر تھی دوسرے یہ وادی کے عین سرے پر ہونے کی وجہ سے پہاڑ کی دھلوان پر پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی آڑ بھی



مہیا ہو سکتی تھی —

خلا چھوڑنے کے بعد اس نے نیچے کی جانب قدم رکھا اور آہستہ آہستہ قدم اترنے لگا۔ اس کی نظریں چوکتے انداز میں سر پر چوٹ آگئی ہے۔ وہ زخمی ہے اور اُسے ملٹری —

سپتال میں داخل کر لیا گیا ہے۔ میں اور تنویر بالکل ٹھک ٹھاک ہیں۔

اب اس سے دس گز کے فاصلے پر تھی۔

”اوہ۔ خطرے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اور“ اس نے تشویش سے

اس نے ایک پتھر کی آڑ لی اور چیتے کی سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

دیکھا اور تیزی سے دوڑ کر ایک دوسرے پتھر کی آڑے لی —  
یہ پتھر کان کے دبانے سے بہت قریب ہی تھا —  
”نہیں، مسمولی چوٹ ہے لیکن غون زیادہ بہہ گیا ہے جسکی وجہ سے —  
میں پر بیہوشی طاری ہے — اور؟“

یہ پٹھرکان کے دہانے سے بہت قریب ہی تھا۔

اس نے پتھر کی آڑ میں بلیٹھ کر کلائی سے واچ ٹرانسمیٹر اتاری  
جہاں باہر کھینچنے کے بعد فریکوئنسی سیٹ کرنے لگا۔ واچ ٹرانسمیٹر ہوں جن کے دامن میں پلاٹینم کی کانیں واقع ہیں۔ تم تنویر سے کہو کہ وہ  
گھر گھر کی آوازیں آنے لگیں۔

”ہیلو جولیا۔ عمران کالنگ یو، ہیلو جولیا.....“

وہ واچ ٹرائسمیٹر کو منہ کے قریب کر کے دوہرتا رہا۔ —

”یس جوہا اٹنڈنگ۔ عمران تم کہاں ہو۔ خیریت سے تو ہو، اور وہ صفدر کے بغیر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن صفدر چونکہ زخمی تھا اسلئے جوہا کی بیچپن آواز پر وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔“

”میں تو بالکل خیریت سے ہوں تم سناؤ گوریلے تے شہر میں کیا کی وجوہات کسی حد تک وہ سمجھ چکا تھا۔“ اُسے تنویر کا انتظار تھا۔

”جس کے آنے کے بعد ہی وہ اگلا قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے یقین

”اوہ عمران خدا کی پناہ وہ گوریلا ہے یا کوئی بلا۔ اس نے آن دیکھا کہ اس نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔“



لیبارٹری کا دروازہ خود کار تھا جو اندر آنے اور باہر جاتے دالوں کیلئے خود بخود کھل جاتا تھا۔ مختلف چھوٹی بڑی اور پیمپسوں مشینوں پر بہت سے آدمی اٹھے انہیں آپریٹ کر رہے تھے۔ اُن تمام لوگوں نے سفید گون پہن رکھے تھے ہر ایک کے سینے پر ایک چمکار ستارہ بھی لگا ہوا تھا۔

لیبارٹری کی آہنی دیواروں کے ساتھ درجنوں چھوٹی بڑی اسکرینیں لگی ہوئی تھیں۔ ان اسکرینوں کے نیچے ڈیش بورڈ بنے ہوئے تھے جن پر بے شمار مختلف رنگوں کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ ان اسکرینوں پر پانی سے اندر اور باہر کے بہت سے مناظر نظر آ رہے تھے۔ مختلف کمپیوٹروں پر روشن ہونے والے اعداد و شمار اُن کے قریب کھڑے ہوئے سفید گون میں ملبوس آدمی اپنی کاپیوں میں درج کر رہے تھے۔

ان سب سے الگ ٹھکانگ لیبارٹری کے انتہائی سرے پر ایک بڑی اسکرین روشن تھی۔ ایک آدمی اسکے ڈیش بورڈ پر جھکا مختلف بٹن دبائے میں مصروف تھا۔ اس اسکرین پر چولان شہر کی متعدد سڑکیں نظر آرہی تھیں۔ اس نے والیوم گھمانا شروع کیا اب اسکرین پر شہر کے مختلف حصے دکھائی دے رہے تھے۔ بعض حصوں پر شدید تباہ کاری کا عالم طاری تھا۔ بلڈنگوں کے بلے کے اوپر دوڑتے بھاگتے لوگ، فوجی گاڑیاں ایمبولینس سب کچھ ایک عجیب طرح کا احساس دلا رہا تھا لیکن ڈیش بورڈ پر بیٹھا ہوا۔ شخص ہر طرح کے جذبات سے عاری معلوم ہوتا تھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لئے والیوم گھماتا شہر کے مختلف حصوں کو اسکرین پر لاتا اور سامنے پڑی

وہ

انتہائی جدید لیبارٹری تھی۔ جو جدید ترین سائنسی آلات سے بیس تھی یہ لیبارٹری سطح سمندر سے سات سو فٹ کی گہرائی میں ایک آبدوز پر واقع تھی۔ اس آبدوز پر بھی اُن چھ جہازوں کی طرح جو ایم وی سلطان کی عزقابی کا باعث بنے تھے۔ کسی قسم کا نام یا کوئی نشان نہیں تھا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ کس ملک کی ملکیت ہے۔ سطح سمندر سے اس قدر گہرائی میں ہونے کے باوجود آبدوز پر کوئی تحریک نہیں ہو رہی تھی حالانکہ عام آبدوزیں اتنے گہرے پانی کے دباؤ سے ایک جگہ ساکت نہیں رہ سکتیں۔ لیکن یہ آبدوز نہ صرف اپنی جگہ بالکل ساکت تھی بلکہ انتہائی مؤثر طریقے سے ایک چٹان پر ٹکی ہوئی تھی۔ آبدوز زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اسکا زیادہ تر حصہ لیبارٹری نے گھیر رکھا بقیہ حصوں میں انجن روم آبدوز کے کیپٹن کا کیبن اور جہز اور کیبن جو متفرقہ لوگوں کے استعمال میں آئے تھے۔ بنے ہوئے تھے۔

آبدوز سے بڑی بڑی تاریں اور ایئر لائنیں نکل کر پانی میں پھیل گئے تھے جن کی وجہ سے آبدوز کے گرد ایک جال سا بن گیا تھا۔



ہوئی نوٹ ٹیک پر کچھ لکھتا اور پھر والیوم گھما کر سین تبدیل کر دیتا۔  
کافی دیر تک شہر کے مختلف مناظر اسکرین پر لاتا رہا۔ جب اُسے اطمینان  
ہو گیا کہ شہر کا کوئی حصہ جہاں سے وہ گوریلانا عفریت گزری تھی اس کی زد  
سے نہیں بچا ہے تو اس نے والیوم کو اُلٹا گھمانا شروع کر دیا۔ اسکرین پر  
اب مشرقی ساحل اور اس سے محلقہ پہاڑ نظر آ رہے تھے۔

آپرٹیر نے والیوم کچھ اور گھمایا ساتھ ہی ایک نیلے بٹن کو دبا دیا۔  
اسکرین پر تمام پہاڑ اور وہ وادی جہاں بڑی بڑی مشینیں تھیں اس کے  
علاوہ تینوں کانیں صاف نظر آنے لگیں۔ اس نے ایک دوسرے بٹن کو  
دبا کر اس سین کو اسکرین پر جام کر دیا۔ اسکرین پر ہر چیز صاف نظر  
آ رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھا بغور اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
دفعۃً ایک ہیولا سا دو چٹانوں کے خلد کے درمیان سے نکلا اور  
دوسری طرف جانے لگا آپرٹیر نے چونک کر سرخ رنگ کا بٹن دبایا جسکے  
ساتھ ہی ہیولا واضح ہوتا چلا گیا۔

آپرٹیر نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا اور تیزی سے ہیڈ فون کانوں  
پر چڑھا کر ایک دوسرا بٹن دبایا فوراً ہی ایک سرخ رنگ کا بلب جلنے اور  
بگھنے لگا۔

”یس کمانڈوز“

ایک بھاری آواز اس کی سماعت سے طکرائی۔

”سر مائن نمبرون کے اوپر ایک آدمی نظر آ رہا ہے“

”اوہ آپرٹیر اُسے فوکس کئے رہو۔ اور تمام مائنوں کو خطرہ کا سگنل  
دے دو“

”آل رائٹ سر“

آپرٹیر نے مختصر جواب دیا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ پر لگی ہوئی ایک فولڈ  
پرفی کو گھما دیا۔ فوراً ہی ایک خانہ برآمد ہوا۔ آپرٹیر نے اس میں ہاتھ ڈال  
کر ایک بٹن کو پش کر دیا۔ تینوں کانوں پر بیٹھے ہوئے اسٹن گن بردار افراد  
چونکے اور وہ تیزی سے کانوں میں گھستے نظر آئے۔ آپرٹیر اس شخص کے  
ساتھ ساتھ جواب ایک گھاٹی میں اتر رہا تھا والیوم گھماتا رہا۔  
”ہیلو آپرٹیر۔ اب اس کا رخ کس طرف ہے“

”مائن نمبر ٹو کی طرف سر“

اس نے جواب دیا۔ اور بدستور اس شخص پر کیمہ فلکس کئے رکھا۔ پھر  
جب وہ کان نمبر ۲ پر پہنچا تو اس نے فوراً اسکی اطلاع کمانڈوز کو دیدی۔  
کمانڈوز نے اُسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی اور دوسری طرف مصروف  
ہو گیا تھا۔ جسکا مطلب تھا کہ اُسے اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔

اسکرین پر اب وہ سب سے آخری کان کے قریب نظر آ رہا تھا وہ  
ایک پتھر کی اڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھر آپرٹیر نے اسکرین پر اُسے اپنی گھڑی  
اتار کر منہ کے قریب کرتے ہوئے دیکھا۔ اسکے لب ہل رہے تھے۔

آپرٹیر نے تیزی سے ایک بٹن دبایا۔ اسکرین پر تصویر کے ساتھ  
ساتھ اب ہواؤں اور دوسری چیزوں کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔



آپرٹیٹر بٹن کے ساتھ ہی لگے ہوئے والیوم کو گھمایا جس کے ساتھ ہی وہ شخص جو گھڑی سلتے کئے کچھ کہہ رہا تھا اس کی گفتگو سنائی دینے لگی۔  
وہ عمران ہی تھا جو اس وقت جولیا سے گفتگو کر رہا تھا۔ گفتگو چونکہ انگریزی میں ہو رہی تھی اس لئے آپرٹیٹر کو سمجھنے میں چنداں دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ اس نے ایک مالک اٹھا کر اس جالی کے قریب رکھ دیا۔ جسکے نیچے سے عمران اور جولیا کی گفتگو کی آوازیں آرہی تھیں۔ جو وہ واضح ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک دوسرے سے کر رہے تھے۔

اس طرح اب ان لوگوں کی گفتگو اسپیشل روم میں بیٹھے ہوئے کمانڈرز بھی سن سکتے تھے۔

عمران نے جولیا کو تنویر کو بھیجنے کی ہدایت کی اور جیسے ہی واضح ٹرانسمیٹر کو آف کر کے کلائی میں پہنا۔ آپرٹیٹر نے اسکے ساتھ ہی والیوم آف کر دیا۔ اسکرین پر اب اسکی خاموش تصویر تھی جس میں وہ ایک بڑے سے پتھر کی اڑ میں اکرٹوں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

”آپرٹیٹر اب وہ کیا کر رہا ہے“

ہیڈ فون پر کمانڈرز کی آواز ابھری۔

”مردہ ایک پتھر کی اڑ میں بیٹھا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُسے اس شخص کا انتظار ہے جس کا اس نے نام لیا ہے۔“

”ٹھیک ہے آپرٹیٹر یہ شخص کسی بھی حال میں بچ کر نہیں جانا چاہیے تم ڈیپنر اسکوڈ کو آرڈر دے دو کہ وہ ہر صورت میں اُسے گرفتار کر کے یہاں

لے آئیں اور تم اس کارروائی کی نگرانی کرو گے۔ تمہیں ڈیپنر اسکوڈ کے ذریعے اسکے ساتھی کو بھی جو دست منٹ میں وہاں پہنچ جائے گا اٹھا کر یہاں لانا ہے۔  
کمانڈرز ہیڈ فون پر آپرٹیٹر کو ہدایت دی۔

”سر کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ اُس کے ساتھی کے آنے تک انتظار کیا جائے اور دونوں کو ساتھ ہی پکڑ لیا جائے؟“  
”آپرٹیٹر تمہیں جو کہا جا رہا ہے صرف وہ کرد مشورے دینے کی ضرورت نہیں؟ کمانڈرز کی آواز انتہائی سخت تھی۔

”سوری سر“

اس نے ندامت سے کہا اور ہیڈ فون اتار کر اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک دوسری مشین کے آپرٹیٹر سے کچھ کہا۔ اس آپرٹیٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چند بٹن گھمانے کے بعد اسکی مشین پر لگی ہوئی اسکرین پر مائن نمبر تھری کی تصویر ابھر آئی۔ یہ ایک لمبی سُرنگ نما کان تھی اس نے ایک والیوم گھمایا اسکرین پر کان کے متناظر تبدیل ہوتے ہوتے ایک جگہ رُک گئے۔ اس جگہ کان کے اندر ہی ایک متوازی سوراخ تھا جس میں ایک کم پاور کا بلب سوراخ سے اندھیرا دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا سوراخ میں کم و بیش بیس اسٹین گتوں سے مسلح افراد بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ اُن کا کمانڈرز جسکی وردی پر تین ستارے لگے ہوئے تھے قریب ہی کھڑا سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا۔ آپرٹیٹر نے ایک بٹن دبایا جسکے ساتھ ہی تیز سیٹی کی آواز سوراخ نما کمرے میں گونج اُٹھی جسے سننے ہی



تمام افسراد اپنی اپنی اسٹین گتیں سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کمانڈر نے بھی سگریٹ ایک جانب پھینک دیا تھا اور استہفامیہ نظروں سے ایک جانب لگے ہوئے اسپیکر کو دیکھ رہا تھا۔

• کمانڈر اٹینشن پلیز •

آپرٹیٹر نے مائک منہ کے سامنے کرتے ہوئے اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ جہاں کمانڈر اور دوسرے افسراد آواز سنتے ہی اٹینشن ہو گئے۔

”آپ کی مائن کے قریب ہی ٹرالی نمبر فور کے پاس پڑے ہوئے پتھر کے پیچھے ایک آدمی چھپا ہوا ہے۔ تمہیں اُسے ٹریس کر کے ہیڈ کوارٹر پہنچانا ہے۔“ آپرٹیٹر نے کمانڈر کو ہدایت دی۔ جس کے ساتھ ہی کمانڈر تے اثبات میں سر ہلایا اور مسلح اسٹین گن برداروں کے ساتھ سوراخ سے باہر آگیا۔ اس کا رخ کان کے دہانے کی طرف تھا۔

بڑے اسکرین والا آپرٹیٹر اس اثناء میں اپنی نشست پر دوبارہ بیٹھ چکا تھا۔ بڑے اسکرین پر بھی اب مائن نمبر تھری نظر آرہی تھی۔ جس کے دہانے سے اس وقت مسلح ایس گن بردار نکل رہے تھے۔

آپرٹیٹر نے دوبارہ کیمرا عمان پر فکس کر دیا۔ اور غور سے ڈینجر اسکوڈ کی نقل و حرکت دیکھنے لگا۔

ڈینجر اسکوڈ نے اب اپنے کمانڈر کے اشارے پر اس بڑے سے پتھر کو چاروں جانب سے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ جسکی نشاندہی

اُسے مائن کے اندر اسپیکر کے ذریعے کرا دی گئی تھی۔

یہ عمان کی چھٹی جس ہی تھی جس نے اُسے بر وقت خطرے سے مطلع کر دیا تھا۔ اس نے اپنی جگہ ساکت ہو کر کان اُن آہٹوں پر لگا دیئے جو بظاہر بہت مدھم تھیں لیکن عمان کے حساس کانوں نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ بہت سے قدموں کی آواز ہے۔ اس نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔

کان کے اندر سے اسٹین گن بردار ایک دوسرے کے پیچھے نکل رہے تھے۔ عمان نے اُن کے کمانڈر کو بھی دیکھ لیا تھا جو انہیں اشاروں سے اُن کی پوزیشن بتا رہا تھا۔ عمان کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اُسے گھبرا جا رہا ہے۔ وہ کچھ سوچ کر اپنی جگہ جما انہیں اپنی جانب بڑھنے دیکھتا رہا لیکن اس نے اپنے آپ کو اس پوزیشن میں ضرور کر لیا تھا کہ کسی بھی خطرناک صورتحال سے با آسانی نمٹ سکے۔

ڈینجر اسکوڈ نے جب اُسے مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا تو کمانڈر آگے بڑھا اس کا رخ عمان ہی کی طرف تھا وہ پتھر کے قریب پہنچ کر رکا۔

”تم جو کوئی بھی ہو فوراً باہر آجاؤ ورنہ جسم گولیوں سے چھلنی کر دیا جائیگا کیپٹن نے اپنی اسٹین گن سیٹھی کرتے ہوئے وارننگ دی۔

عمان نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔ اور واچ ٹرانسمیٹر کی چابی باہر کیچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”لگ۔ کیا کہہ رہے ہو بھائی۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟“



اس نے احمقانہ لہجے میں کہا —  
 کمانڈر نے پلکیں جھپکتے ہوئے اُسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھا۔  
 ”آپ ہاتھ اوپر اٹھا لو“  
 ”کمانڈر تے دوسرا حکم دیا —

”کیوں بھائی صاحب کیا میں نے آپ کی بکری چرائی ہے۔ آپ یقین  
 لکریں میں بہت شریر..... شریک — دھات تیرے کی کیا کہتے ہیں۔  
 اُسے؟“ اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ کر احمقانہ انداز میں کمانڈر کی طرف دیکھا۔  
 ”میں تم سے دوبارہ کہہ رہا ہوں کہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ اس  
 کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا؟“  
 ”اماں اچھے خدائی فوجدار ہو“

عمران تے کندھے اُچکا کر بے چارگی سے کہا اور اپنے دونوں ہاتھ  
 اوپر اٹھا دیئے۔

”بس اسی طرح چلتے ہوئے نیچے اتر آؤ“

کمانڈر کے حکم پر عمران خاموشی سے نیچے اتر آیا تھا۔

پھر وہ لوگ اُسے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے مائے مہر تھری میں  
 داخل ہو گئے۔

کمانڈر اُن کے آگے آگے ہی تھا۔



تتویر،

جولیا کی ہدایت پر اس وقت سفید کردلا میں شمالی ساحل کی جانب  
 تیز رفتاری سے اڑا چلا جا رہا تھا۔ یہ کار ہر ملائی نس کے پرسنل سکریٹری  
 سجاد نے لیفٹیننٹ کے ذریعے فوری طور پر ملٹری ہسپتال پہنچائی تھی۔  
 تتویر اُس گوریلا نام عفریت کی تباہ کاریوں سے بے حد متاثر ہوا تھا  
 سینکڑوں جانیں اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے لہو میں نہاتی اور ٹپتی  
 دیکھی تھیں۔ جو گوریلا نما عفریت کی زد میں آگئے تھے۔ تتویر بھلا  
 اس دلخراش منظر کو کیسے بھول سکتا تھا۔

بے پناہ درندگی اور معصوم جانوں کے ضائع ہونے پر اس کا خون  
 کھول اٹھا تھا۔ اس کے بس میں نہیں تھا ورنہ وہ اُس گوریلا نما عفریت  
 کو ایک منٹ ضائع کئے بغیر جہنم واصل کر دیتا۔

انسانی ہمدردی کے اس بے پناہ جذبے ہی تے تتویر کو جولیا کا  
 حکم بے چوں و چراں ماننے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ وہ ہر بات میں اڑنے کا  
 عادی تھا۔ خصوصاً عمران کے کسی بھی معاملے میں اس کی ضد حد سے



زیادہ تجاوز کرتی تھی —

لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہوا۔ اور جیسے ہی جولیا نے اسے شمالی پہاڑوں میں عمران کی پوزیشن سمجھاتے ہوئے اُسے وہاں جانے کو کہا۔ وہ بغیر کسی جھٹ کے راضی ہو گیا —

پھر اس نے جولیا کو صفدر کی نگرانی پر چھوڑا اور خود ہر ہائی ٹس کی فراہم کردہ کروڑا لے کر ساحل کی طرف چل دیا تھا —

اس کی کروڑا ساحل کی سمت جانے والی شکستہ ٹرک پر اچھلتی کودتی چلی جا رہی تھی —

تنویر نے اسٹیرنگ مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور ماہرانہ انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا —

ابھی ساحل کافی فاصلے پر تھا کہ اُسے کلائی پر جھٹکا محسوس ہوا اس نے چونک کر ریٹ واچ کی طرف دیکھا اور پھر ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ تھامتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے گھڑی کی چابی باہر کھینچ لی — فوراً ایک سبز نقطہ جلنے بجھنے لگا —

اس نے کلائی کان کے قریب کر لی — ہواؤں کے شور میں ایک مدھم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی —

”تم جو کوئی بھی ہو فوراً باہر آ جاؤ ورنہ جسم گولیوں سے پھٹتی کر دیا جائے گا“ جواب میں اُسے عمران کی آواز سنائی دی تھی — جو احمقانہ طریقے سے اس کی بات کا جواب دے رہا تھا —

تنویر بدستور ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے دوسری جانب ہونے والی گفتگو غور سے سن رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پر چند لکیریں نمودار ہو گئی تھیں جو اسکی گہری سوچ کی غمازی کر رہی تھیں — کچھ دیر عمران میں اور انجانی آواز میں گفتگو ہوتی رہی پھر وہ لوگ عمران کو لینے ہوئے ماٹن میں داخل ہوئے جس کے ساتھ ہی واچ ٹرانسمیٹر سے آوازیں آنی بند ہو گئیں — اسکا مطلب ہے عمران کو پکڑ لیا گیا ہے، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟ وہ سوچتا رہا —

لیکن اس کی سوچ کا سلسلہ جلد ہی ٹوٹ گیا — کیونکہ کلائی پر ایک مرتبہ پھر جھٹکا محسوس ہوا تھا —

اس نے تیزی سے کلائی کان کے قریب کر لی —

”ہیلو تنویر — جولیا از کالنگ۔ یو — اور“

”یس تنویر از اسٹڈنگ۔ جولیا — اور“

”تنویر — عمران خطرے میں ہے — وہ لوگ اُسے پکڑ چکے ہیں — اور“

”ہاں میں نے بھی اُن کی گفتگو سے یہی اندازہ لگایا ہے — اور“

”مجھے اب کیا کرنا چاہئے؟“

”تم اُن پہاڑیوں سے ابھی کتنے فاصلے پر ہو جہاں عمران کو ٹریس کیا گیا ہے؟“ جولیا نے سوالیہ لہجے میں پوچھا —

”مجھے وہ پہاڑیاں اب نظر آتے لگی ہیں — فاصلہ اندازاً کوئی سات میل ہو گا“ تنویر نے ونڈ اسکرین پر دور پہاڑیوں پر نظر جاتے ہوئے جواب دیا



عمران نے کی تھی —

پہاڑ پر چڑھتے ہوئے اس نے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔  
تھوڑی دیر بعد وہ اس خلا میں نظر آ رہا تھا۔ جس میں اس سے

کچھ دیر پہلے عمران موجود تھا —

تتویر نے خلا میں سے اس تاہموار چٹیل میدان کا جائزہ لیا جو

ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا —

یہاں بھی اُسے کوئی آدمی نظر نہیں آیا — وہ اپنی جگہ بیٹھا کچھ

دیر تک اُن دیو ہیکل مشینوں کو گھورتا رہا — اور پھر پُر سوچ انداز میں

سر ہلاتے ہوئے نیچے اترنے لگا — وہ ہلتی کی سی چال سے پیچوں کے پر

تیزی سے نیچے اتر رہا تھا —

لیکن جیسے ہی اس کے قدم زمین پر ٹکے — ایک اسٹین گن کی نالی

اس کی پشت سے آگئی —

”خاموشی سے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو“

نہایت سرد لہجے میں کہا گیا —

تتویر نے جھٹکا کھا کر گھومنے کی کوشش کی — لیکن اسٹین گن کی

نالی جیسے اس کے گوشت میں گھسنے لگی —

”زیادہ بہادر بننے کی کوشش مت کرو“

اُسے دوسری بار تنبیہ کی گئی —

اس نے بیچارگی سے کندھے اُچکائے اور اپنے دونوں ہاتھ سر سے

”ٹھیک ہے تم اس جگہ پہنچ کر اندازہ لگاتے کی کوشش کرو جہاں  
کی عمران نے نشانہ ہی کی ہے — ہو سکتا ہے کوئی کلیو مل جائے — اور“  
”آل رائٹ جولیا — اور“

”کسی بھی خطرے کے پیش نظر واچ ٹرانسمیٹر آن رکھنا تاکہ ہمیں  
پتہ چل سکے — اور اینڈ اسٹاپ“

واچ ٹرانسمیٹر سے جولیا کی آواز آنی بند ہو گئی — تتویر نے ایک ٹھنڈی  
سانس لے کر اپنا ہاتھ دوبارہ اسٹیرنگ پر رکھ دیا — واچ ٹرانسمیٹر کو اس  
نے آن ہی رہنے دیا تھا —

شمالی پہاڑیاں اب سامنے ہی نظر آرہی تھیں — تتویر نے تیز رفتاری سے  
ڈرائیونگ کرتے ہوئے سات میل کا فاصلہ چند منٹوں میں طے کر لیا تھا —  
ساحل سے ذرا فاصلے پر سڑک ختم ہو جاتی تھی — یہاں سے ریتلا میدان  
پھیلا ہوا تھا — تتویر نے اپنی گاڑی سڑک کے ایک جانب ریتلے میدان میں  
اند کر کھڑی کر دی — اور نیچے اتر آیا —

ساحل پر اُسے کوئی مستنفس دکھائی نہیں دیا —

سورج کی تمازت سے تپتی ریت پر دور دور تک ویرانوں نے ڈیرے  
ڈال رکھے تھے — اپنی گاڑی سے اترنے کے بعد اس نے ان پہاڑیوں کا جائزہ  
لیا جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ساحل کے ساتھ دور تک پھیلی ہوئی تھیں  
وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اُن پہاڑوں کی طرف بڑھ گیا — اور ساحل کی  
پسنت سے ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ پہاڑی کے قریب پہنچ گیا جس کی نشانہ



بند کر دیئے —

دو ہاتھ اس کی پشت کی جانب سے بڑھے اور اس کی تلاشی لینے لگے  
ریوالور سمیت انہوں نے اس کی جیب سے تمام چیزیں برآمد کر لیں —  
پھر وہ لوگ اُسے لینے ہوئے گھومے — اُن کا سچا ہٹن نمبر تھری ہی  
کی طرف تھا —

تئویر کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا — اُسے ان اسٹین گنوں کی  
زیادہ پردہ نہیں تھی، وہ تو موقع کی تلاش میں تھا —  
وہ اُن کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا —  
یہاں تک کہ کان کا دبانہ اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر  
رہ گیا —

اچانک وہ تیزی سے گھوما اور — اپنی پشت میں چھپنے والی اسٹین  
گن کو پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا — اسٹین گن اس کے ہاتھ میں آگئی جبکہ  
اسٹین گن بردار قلا بازیاں کھاتا ہوا دُور جا گرا — تئویر نے بجلی کی طرح  
اُچھل کر ایک لات، اس شخص کے منہ پر ٹکنا دی جو اپنی اسٹین گن کا سیفٹی  
کچ کھینچ چکا تھا — اس کے ساتھ ہی اس نے ایک مشین کی طرف پھلانگ  
لگا دی جو اس سے دو گز کے فاصلے پر کان کے دہانے کے قریب کھڑی ہوئی  
تھی —

فضا میں تڑتڑ کی آواز گونجی — اور سینکڑوں گولیاں مشین گنوں سے  
نکل کر اس کی طرف لپکیں — لیکن تئویر اُن کی زد سے دُور ہو کر مشین کی

اڑ لے چکا تھا —

اس کے ہاتھ میں دشمن سے چھپتی ہوئی اسٹین گن دبی ہوئی تھی جسے  
اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا — اس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت اور  
جذبات سے عاری ہو گیا تھا —  
ڈیجیٹر اسکواڈ نے بھی اب اپنے کمانڈر کی ہدایت پر مورچے سمجھال لئے  
تھے —

تئویر نے مشین کے پیچھے سے سر نکال کر دیکھا — فوراً ایک مشین گن  
کایرسٹ اس کی جانب آیا — اس نے تیزی سے گردن اندر کر لی —  
اس نے اسٹین گن بغل میں دابی اور پیٹ کے بل لیٹ کر کہتیوں  
کے ذریعے چلتے ہوئے مشین کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا —  
یہاں اُسے دو آدمی اسٹین گنیں تھامے آہستہ آہستہ مشین کی جانب  
بڑھتے نظر آئے — تئویر نے اپنی اسٹین گن سیدھی کی — دوسرے ہی لمحے  
وہ دونوں زمین پر تڑپ رہے تھے — تئویر کی اسٹین گن سے نکلنے والی گولیوں  
نے اُن کے جسموں میں کئی رنگین سوراخ کر دیئے تھے —

ڈیجیٹر اسکواڈ کے میراب اس کے چاروں طرف پھیل گئے تھے اور  
بڑی ہوشیاری سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے — اپنے دو ساتھیوں کے  
عبرت ناک انجام سے انہیں کسی قدر خوفزدہ کر دیا تھا —  
تئویر نے چپتے کی طرح چاروں طرف نظر دوڑائی — اور لیٹے ہی لیٹے  
مشین کے ساتھ لگی ہوئی ایک آہنی زنجیر کو پکڑ کر لٹک گیا —



یہ ایک بڑی سی مکسپر ٹائپ کی مشین تھی جس میں زنجیر کے ساتھ ہی ایک موٹا سا پائپ لگا ہوا تھا۔

تنویر نے قلابازی کھائی اور اسٹین گن سمیت پائپ میں داخل ہو گیا۔ وہ لیٹے ہی لیٹے پائپ میں آگے بڑھتا رہا۔

یہ پائپ آگے جا کر ایک چوکور سے ڈبے میں ختم ہو گیا تھا۔ ڈبے میں مختلف اوزار پڑے ہوئے تھے۔ تنویر پیٹ کے بل رہنمائی ہوا ڈبے میں داخل ہو گیا۔ ڈبہ بہت تنگ تھا اس لئے تنویر کو حرکت کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

لیٹے ہی لیٹے اس نے کروٹ بدلی اور گردن کو ذرا خم دے کر باہر دیکھنے لگا۔ اس جانب بھی اُسے ایک اسٹین گن کی نال اپنی جانب اٹھی دکھائی دی۔ اس نے بازو کے نیچے سے اسٹین گن نکالی اور اسکا رخ اس جانب کر کے ٹریگر دبا دیا۔

دوسرے ہی لمحے ٹرٹر کی آواز کے ساتھ ایک انسانی چیخ ابھری اور معدوم ہو گئی۔

ڈینجرز اسکوڈ کے تین رکن مارے جا چکے تھے۔ کمانڈر نے اُن کی پوزیشن تبدیل کی اور وہ پھر محتاط طریقے سے آگے بڑھنے لگے۔

تنویر نے ایک بار پھر ڈبے میں سے اپنا سر نکالا۔ اس مرتبہ اُسے اپنے بہت قریب ایک شخص نظر آیا جس کے سینے پر تین ستارے چمک رہے تھے۔ تنویر نے اسٹین کا رخ اس کی جانب کیا مگر کچھ سوچ کر اس نے

اسٹین گن دوبارہ بازو میں دبائی اور ڈبے میں سے لیٹے ہی لیٹے پائپ کو پکڑ کر اچھلا۔ دوسرے ہی لمحے وہ پائپ کے اندر تھا۔ وہ رہنمائی ہوا پائپ کے سرے پر پہنچ گیا۔ اُتھ بڑھا کر زنجیر پکڑی اور اس سے لٹکتا ہوا جیسے ہی نیچے پہنچا۔ اس کے کندھے میں جیسے دو دھتے ہوئے انگارے اتر گئے اس نے فوراً دوسرے اُتھ سے اپنا کندھا دبایا۔ لیکن درد کی شدت سے اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ اسٹین گن اس کے اُتھ سے چھوٹ کر دور جا گری اور وہ خود زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

دراصل جیسے ہی وہ پائپ کے ذریعے باہر آیا تھا اور اس نے زنجیر تھامی تھی۔ آہٹ پا کر کمانڈر گھوما تھا ساتھ ہی اس کی اسٹین گن کا دامن کھل گیا تھا۔ لیکن تنویر کی قسمت ہی اچھی تھی جو ساری گولیاں اس کے قریب سے نکل گئیں اور صرف دو گولیاں اس کے کندھے میں لگی تھیں۔

تنویر جیسے ہی زمین پر بیٹھا کمانڈر تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔ وہ اُسے جانچنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس اشار میں ڈینجرز اسکوڈ کے دوسرے لوگ بھی آگئے۔ کمانڈر نے اس کا شانہ ہلا کر دیکھا۔ لیکن اس کا کوئی ردِ عمل نہیں ہوا۔ تنویر کا جسم اس کے اُتھ پر آرا۔ کمانڈر نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔

انہوں نے اپنی اسٹین گنیں کندھے سے لٹکائیں اور آگے بڑھ کر تنویر کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ وہ درد کی شدت سے کب کا یہ ہوش ہو چکا تھا۔



وہ لوگ اُس کے بے ہوش جسم کو اٹھائے کان میں داخل ہوئے اور  
کمانڈر کی قیادت میں چلتے ہوئے اس سوراخ نما کمرے کی جانب بڑھ گئے۔  
جہاں سے وہ آئے تھے۔

سوراخ نما کمرے میں پہنچ کر انہوں نے تنویر کو ایک جانب ڈالا  
عمران نے۔ جسے ان لوگوں نے پہلے ہی باندھ کر ایک کونے میں  
ڈال دیا تھا۔ تشویش زدہ نظروں سے زخمی تنویر کو دیکھا۔ وہ چاہتا تو  
بڑی آسانی سے یہاں سے نکل سکتا تھا۔ لیکن یہ اس کی پلاننگ نہیں  
تھی۔ تنویر کے زخمی ہونے سے اُسے سخت صدمہ ہوا تھا۔ کیونکہ تنویر  
بہر حال اس کا ماتحت تھا۔ عمران نے صرف تشویش زدہ نظروں سے اُسے  
دیکھنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ کیونکہ اس کے منہ پر پہلے ہی ان لوگوں نے  
ٹیپ چپکا دیا تھا۔ کمانڈر نے فرسٹ ایڈیکس کھول کر تنویر کے کاندھے پر  
ایسی دوا چھڑکی جس سے خون فوراً بند ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اس  
کی ڈریسنگ کر دی تھی۔

”کمانڈر ان دونوں کے ہاتھوں سے گھڑیاں اتار کر انہیں ہیڈ کوارٹر پہنچا  
دو۔ کمانڈر جیسے ہی ڈریسنگ سے فارغ ہوا۔ سوراخ کی چھت سے لگی  
ہوئی جالی سے آواز خارج ہوئی۔ کمانڈر نے مودبانہ انداز میں سر کو خم دیا  
اور آگے بڑھ کر پہلے اس نے تنویر کے ہاتھ سے اور پھر عمران کے ہاتھ سے  
اُن کی رسیٹ واپز اتار لیں جو درحقیقت واچ ٹرانسمیٹر تھیں۔

کمانڈر نے اس کام سے فارغ ہو کر دیوار میں لگا ایک بٹن دبایا۔ فوراً

ہی اس جگہ سے دیوار کا اتنا حصہ کھل گیا جس سے بیک وقت دو آدمی  
گزر سکتے تھے۔

اُن لوگوں نے تنویر اور عمران کو کاندھوں پر اٹھایا اور اس دروازے  
میں داخل ہو گئے۔ دروازے میں داخل ہونے سے پہلے عمران کی آنکھوں پر  
پٹی باندھ دی گئی تھی۔

یہ ایک لمبی سُرنگ تھی جب وہ سُرنگ کے انتہا کو پہنچے تو کمانڈر  
نے یہاں بھی دیوار میں لگی ہوئی ایک چرخ کو گھمایا۔ سُرنگ کا منہ اس جگہ  
سے کھل گیا۔ سُرنگ کے منہ کے ساتھ ہی شیشے کا ایک چوکور کیبن تھا  
جس کی دوسری طرف پانی ہی پانی تھا۔

کمانڈر عمران اور تنویر کو لے کر اس کیبن میں داخل ہوا، اس کے ساتھ  
ہی دو محافظ بھی کیبن میں داخل ہوئے تھے۔ کمانڈر نے کیبن میں داخل  
ہو کر سُرنگ میں کھڑے ہوئے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ اس نے چرخ  
گھما دی جس کے ساتھ ہی سُرنگ کی دیوار اپنی جگہ پر آ گئی۔ کمانڈر نے کیبن  
میں بیٹھا ہوا ایک بٹن دبایا۔

کیبن کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور وہ سُرنگ سے دُور ہٹتا چلا گیا۔





”اس کا مطلب ہے گوریلا نما عفریت کی آرٹ میں مجرم کوئی کھیل کھیل

ہیں؟ جولیا کے خاموش ہونے پر اس نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

”میرا اپنا بھی یہی خیال ہے“

جولیا نے بھی اس کی تائید کی۔

وہ دونوں اپنی موجودہ پوزیشن اور کیس کی نوعیت کے بارے

میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ کہ ایک نرس ان کے قریب آئی۔

”بس آپ کا فون ہے“

اس کا اشارہ جولیا کی طرف تھا۔ جولیا نے استہفامیہ نظروں سے

مفدر کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پا کر نرس کے ساتھ کمرے سے باہر

نکل گئی۔

نرس اُسے لئے ہوئے اسٹاف روم میں داخل ہوئی۔ یہاں پہنچ کر

اس نے رسیور جولیا کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو جولیا اسپیکنگ“

”اوہ میڈم میں سجاد ہوں۔ آپ خیریت سے تو ہیں۔ مجھے مفدر

صاحب کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا“

”شکریہ سجاد صاحب سب خیریت ہی ہے۔ مفدر بھی ٹھیک

ہے۔ آپ نے کیسے زحمت کی؟“

”وہ دراصل عمران صاحب کی کار گوریلا نما عفریت کے پاؤں تلے آکر

گچھلی گئی ہے۔ ایک بیفٹینٹ کا بیان ہے کہ اس نے عمران کو بھی کار کے

تئویر، —

کے رخصت ہونے کے بعد جولیا۔ مفدر کی طرف متوجہ ہو گئی

تھی جواب ہوش میں آکر آنکھیں کھول رہا تھا۔ وہ کچھ دیر پالکیں جھپکاتا رہا

اور پھر آنکھیں پوری طرح کھول کر جولیا کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں کہاں ہوں جول؟“ اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

”تم اسپتال میں ہو۔ ہوٹل کا ملبہ گرتے سے تمہارے سر میں چوٹ

آگئی تھی اور تم بے ہوش ہو گئے تھے“ جولیا کے یاد دلانے پر اُسے یار

آیا کہ کس طرح وہ ان دونوں کو بچاتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔ گوریلا نما

عفریت کے تصور ہی سے اُسے جھڑجھڑی آگئی۔

”تم تو خیریت سے ہو۔ تئویر کہاں ہے۔ عمران صاحب کا کچھ بہتہ چلا“

یادداشت واپس آتے ہی اس نے عمران اور تئویر کے متعلق پوچھا

جواب میں جولیا نے اُسے عمران اور تئویر کے متعلق تمام تفصیل اس

کے گوش گزار کر دی۔ مفدر اٹھ کر بیٹھ گیا اور نشوونما زدہ نظروں سے جولیا

کو دیکھنے لگا۔



اس کے ساتھ ہی سلسلہ متقطع ہو گیا۔ جولیا نے رسیور کرپڈل رکھا اور واپس صفر کے کمرے کی جانب مڑ گئی۔  
"کون تھا؟"

"ہنرانی نس کا پرسنل سکریٹری سجاد۔ عمران کے متعلق پوچھ رہا"

"تم نے کچھ بتایا تو نہیں؟"

صفر نے پریشانی سے پوچھا۔

"نہیں میں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کیا؟"

صفر نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ عمران کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہو۔ عمران کی سختی سے ہدایت تھی کہ اپنے معاملات میں کسی کو بھی مداخلت نہ کرنے دو۔ صفر بھلا کس طرح اس کی ہدایت سے روگردانی کرتا۔

"کیا تم چل سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"کچھ دیر میں ہنرانی نس کے آدمی ہمیں لینے کے لئے آ رہے ہیں"

صفر نے اس کی بات سن کر خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ وہ

ان پُرپیچ حالات میں کوئی فیصلہ کرنے سے کترا رہا تھا۔

وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ جولیا نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب

ساتھ مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن جب پولیس وہاں پہنچی تو وہاں عمران صاحب کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس سلسلے میں اگر آپ کو کچھ علم ہو تو ازراہ کرم بتا دیں۔ ہنرانی نس اسی کی جانب سے بہت فکر مند ہیں۔"

جولیا کچھ دیر رسیور تھامے یوں ہی کھڑی سوچتی رہی۔ اس کے پیش نظر دو باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ عمران اور تنویر کے متعلق انہیں لا علم رکھے۔ اس صورت میں مجرموں کے ہوشیار ہونے کا امکان کم تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ انہیں اب تک ہونے والی تمام کارروائی سے آگاہ کر دیتی۔ لیکن اس میں قباحت یہ تھی کہ یہ لوگ بھی کیس میں ٹانگ اڑا دیتے۔ جسے عمران کسی صورت میں پسند نہیں کرتا۔ اس نے چند لمحوں میں فیصلہ کر لیا۔

"سجاد صاحب ہم لوگ خود بھی لا علم ہیں کہ وہ کہاں ہیں؟"

اس نے تشویش زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"خیر کوئی بات نہیں آپ بے فکر رہیں۔ ہم انشاء اللہ انہیں جلد ڈھونڈ نکالیں گے۔ ہم نے آپ کے قیام کا بندوبست ایک دوسری جگہ کر دیا ہے اگر مناسب سمجھیں تو وہاں شفٹ ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے سجاد صاحب آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ ہم تیار ہیں۔" اس نے رضامندی ظاہر کی۔

"میں آپ کی شفٹنگ کے لئے آدمی بھیج رہا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ آجائیں۔ میں یہاں آپ کا منتظر ہوں گا۔"



نہیں سمجھا — وہ خاموش ہو کر خود بھی عمران کے متعلق سوچتے لگی۔  
 دراصل جب سے وہ چولان میں داخل ہوئے تھے انہیں کوئی لمحہ سکون کا میسر نہیں آ سکا تھا اور کیس بھی اس نوعیت کا تھا کہ اُسے سمجھنا ہی اس کے لئے کارِ وارد ہو گیا تھا۔ عمران آتے ہی اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ کیس کے متعلق کچھ بتا ہی نہ سکا۔ اور اب تو یہ ایک نازک مرحلے میں داخل ہو گیا تھا جہاں پر ذرا سی اوجِ بیچ شدید نقصان کا باعث ہو سکتی تھی۔

اُسے عمران کے پکڑے جانے کی فکر نہیں تھی وہ جانتی تھی کہ اس میں بھی عمران کی کوئی مصلحت ہی کارِ فرما ہوگی۔ ورنہ وہ اتنا ترنوالہ نہیں تھا کہ اس پر آسانی سے ہاتھ ڈالا جا سکے تنویر کو اس نے عمران کے طلب کرنے پر اس نے تنویر کو بھیج دیا تھا۔ اور جو نہی صورت حال سامنے آئی تھی وہ یہ تھی کہ — تنویر بھی مجرموں کے نرغے میں آکر یا تو ہلاک ہو چکا تھا یا زخمی ہوا تھا۔ آگے بڑھنے کیلئے اُن کے پاس راستہ تو تھا مگر وہ عمران کی ہدایت کے بغیر کوئی قدم اٹھانے سے ہچکچا رہی تھی۔

دونوں اپنے انہیں خیالوں میں گم تھے کہ کمرے میں چار افراد دھڑا دھڑ گھس آئے۔ ایک نے مڑ کر دروازہ بند کیا اور اندر سے چٹختی لگا دی۔

صفر انہیں دیکھ کر تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔ جولیا نے بھی سچو لین کا اندازہ لگا لیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اُن میں سے کوئی مزاحمت

کرتا — چاروں نے اپنے ریوالور نکال لئے — ان چاروں نے ریوالوروں سے دونوں کو کور کر لیا تھا۔  
 "کون ہو تم لوگ — اس طرح گھس آنے کا کیا مطلب ہے؟" جولیا نے چیخ کر کہا۔

"آہستہ مادام — آہستہ جیتے چلانے کی ضرورت نہیں — کچھ دیر بعد آپ کی سمجھ میں آ جائے گا کہ ہم کون ہیں اور ہمارے یہاں کتنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ بس سیدھی طرح ہمارے کہنے پر عمل کرتے جائیں۔ ورنہ — آپ کے انجام پر ہمیں افسوس ہی ہوگا۔"

اس کا قد کافی لمبا تھا جسم سے بھی کافی مضبوط تھا۔ اس کے لمبے کی سختی بتا رہی تھی کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر عمل کرنا بھی جانتا ہے جولیا نے لاپرواہی سے کاندھے اچکائے اور صفر کی جانب دیکھتے لگی۔

"مٹر آپ پلنگ سے نیچے اتر آئیں اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جائیں۔ میڈم آپ بھی ایسا ہی کریں۔"

سخت گیر آدمی کی ہدایت پر صفر پلنگ سے نیچے اتر آیا اور دیوار سے طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

جولیا بھی اس کے ساتھ ہی دیوار کی طرف منہ کئے کھڑی تھی۔

"جیفرسن — ان کی تلاشی لو! سخت گیر آدمی نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی اس نے آگے بڑھ کر صفر اور جولیا کی تلاشی



لے کر اُن کے پاس سے برآمد ہونے والی تمام چیزیں اپنے قبضے میں کر لیں۔  
 ”آپ دونوں کو اب خاموشی سے ایک دوسرے کا ساتھ اس طرح  
 باہر چلنا ہوگا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اگر کوئی چالاک دیکھانے کی کوشش  
 کی تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔“  
 اس نے سخت لہجہ میں دوسرا حکم دیا۔

صفدر اور جولیا نے معنی خیر لہجے میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔  
 اُن کے مہم سے اشارے کو کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکا تھا۔  
 وہ دونوں دروازے کی طرف گھومے۔ فوراً ہی چیخنی کھول دی  
 گئی۔ اور وہ دوستانہ انداز میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے  
 کمرے سے باہر آ گئے۔

جبکہ اُن کو کور کرنے والے چاروں آدمیوں نے ریوالور اپنے  
 جیبوں میں رکھ کر اس طرح انہیں کور کیا تھا کہ کوئی اور دیکھتا تو اُسے  
 کسی قسم کا شک نہ ہوتا۔

صفدر اور جولیا ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے اسپتال کی  
 عمارت سے باہر آ گئے۔ وہ چاروں اُن کے اطراف فاصلے سے موجود تھے  
 جیسے ہی انہوں نے اسپتال کا پھاٹک پار کیا۔ ایک بڑی سی  
 دین اُن کے قریب آ کر رُکی۔ سخت گیر آدمی نے انہیں اس میں بیٹھنے  
 کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں خاموشی سے آگے بڑھے اور دین میں بیٹھ گئے۔ اُن

کے ساتھ ہی وہ چاروں افراد بھی دین میں بیٹھ چکے تھے جنہوں نے انہیں کور  
 کیا تھا۔

دین میں بیٹھتے ہی انہوں نے دوبارہ اپنے پستول نکال لئے تھے۔  
 اُن سب کے بیٹھتے ہی دین آگے بڑھ گئی۔ اس کا رخ شمالی ساحل  
 کی سمت جہتے والی بڑک ہی طرف تھا۔

صفدر اور جولیا کے گرد وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ اُن کا حرکت  
 کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

صفدر اور جولیا اپنی جگہ مطمئن تھے۔ اور نہایت اطمینان سے پیچھے  
 کی طرف بھاگتی عمارتوں اور درختوں کو دیکھ رہے تھے۔

دین قراٹے بھرتی شمالی ساحل کی طرف گامزن تھی۔ وہ دونوں اپنے  
 اپنے خیالوں میں گم اپنے آپ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کیلئے تیار کر  
 رہے تھے۔





کر دکا۔ جھٹکے سے عمران سمجھ گیا تھا کہ اُن کی منزل آگئی ہے۔

کمانڈر نے کہیں میں لگے ہوئے بٹن کو دبایا۔ جس سے کہیں کا دروازہ کھل گیا۔ پہلے کمانڈر باہر نکلا اس کے بعد دو محافظوں نے عمران کو دھکا دے کر باہر نکلا اُن کے پیچھے ہی دو آدمیوں نے تنویر کے جسم کو لپٹے کندھے پر لادا اور کہیں سے باہر نکل آئے۔ وہ پیٹ فارم عبور کرتے ہوئے زینوں کے قریب پہنچ گئے۔ زینے طے کرنے کے بعد کمانڈر انھیں لئے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں چھت پر ایک سرخ بلب لگا ہوا تھا۔ جو ان لوگوں کے اندر داخل ہوتے ہی جل اُبھٹا۔ اُن لوگوں نے عمران اور تنویر کو کمرے میں چھوڑا اور خود وہاں سے باہر نکل گئے۔

اُن کے باہر جاتے ہی دو دوسرے آدمی جنھوں نے سفید گاؤں پہن رکھے تھے۔ کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ وہی فرسٹ اور سیکنڈ آپریٹر تھے جنھوں نے عمران کو پہاڑیوں پر چیک کیا تھا۔ فرسٹ آپریٹر نے آگے بڑھ کر عمران کی آنکھوں سے پٹی ہٹا کر منہ سے ٹیپ نکال لیا۔ جبکہ سیکنڈ آپریٹر تنویر کے قریب کھڑا۔ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

آنکھوں سے پٹی ہٹتے ہی عمران نے پلکیں جھپکا کر چند صیالی ہوئی نظریا سے اُسے دیکھا آپریٹر نے اس کے ہاتھ بھی کھول ڈالے تھے۔

”کسی قسم کی حرکت کرتے سے پہلے اتنا یاد رکھنا کہ یہاں سے تم کسی صورت میں بھی بچ کر نہیں جا سکتے! آپریٹر نے اس کے ہاتھ کھولنے کے بعد تنبیہ کی۔

عمران —

آنکھوں پر پٹی بندھے ہونے کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن اس نے کہیں کی حرکت سے یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ وہ پانی کے اندر سفر کر رہے ہیں۔ منزل کے متعلق عمران کو علم تھا کہ وہ لوگ اُسے اور تنویر کو کسی ہیڈ کوارٹر لئے جا رہے ہیں۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی اُن دیکھی آواز سے سن چکا تھا جو کمانڈر کو حکم دے رہی تھی کہ یعنی ہیڈ کوارٹر منتقل کر دیا جائے ظاہر ہے اس حکم کی تعمیل کے طور پر وہ ہیڈ کوارٹر ہی لے جائے جا رہے تھے کہیں میں عمران کے ہاتھ پشت پر باندھ کر ایک جانب کھڑا کیا گیا تھا اس کے دونوں جانب ڈیجیٹل اسکوڈ کے دو مسلح شخص کھڑے تھے۔ عمران کو تنویر کے بارے میں علم نہیں تھا کہ وہ کسی حالت میں ہے۔ شیشے کا کہیں اس آبدوز کے قریب جا کر ٹھہر گیا جس پر کسی ملک کا نام و نشان نہیں تھا۔ گھر گھر کی آواز پیدا ہوئی اور آبدوز کے سامنے کے حصے میں ایک مستطیل خلاء پیدا ہو گیا۔ کہیں اس میں داخل ہوا۔ کہیں کے اندر پہنچتے ہی وہ خلاء برابر ہو گئی۔ شیشے کا کہیں بیک پیٹ فارم کے قریب جا



عمران نے گاؤدی انداز میں سر ہلکا دیا —  
 ”اُس کی حالت کیسی ہے؟“

اس نے سیکنڈ آپریٹر سے پوچھا — جو تنویر کے قریب کھڑا تھا —  
 ”خطرے سے باہر ہے جلد ہی ہوش آجائے گا“  
 ”ٹھیک ہے آؤ چلیں“

فرسٹ آپریٹر نے کہا — پھر وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے تھے —  
 عمران اُن کے جاتے ہی تیزی سے تنویر کے قریب پہنچا — اور اس کے  
 سر ہاتے کھڑے ہو کر تشویش سے اس کی جانب دیکھنے لگا — تنویر کے پوٹے ہلے  
 اور اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں — اس نے غور سے عمران کی طرف اور پھر  
 اطراف میں نظریں دوڑائیں —

”ہم لوگ کہاں ہیں؟“

اس کی آواز میں نقاہت نمایاں تھی —

”سسرال میں“

عمران نے بے ساختہ جواب دیا — ”سسرالیوں کو ہم سے بہت محبت ہے  
 نا اس لئے یہ لوگ ہمیں اٹھا کر یہاں لے آئیں ہیں“  
 ”کیا بکواس ہے؟“

”بکواس؟“ عمران احمقانہ انداز میں اُسے گھورا — ”محقوڑی دیر ٹھہر جاؤ ابھی  
 تم خود اپنی آنکھوں سے سسرالیوں کو دیکھ لو گے“  
 عمران کا لہجہ معنی خیز تھا — تنویر نے چونک کر اسکی طرف دیکھا —

”تمہارا مطلب ہے ہم.....“

”مطلب و مطلب کو چھوڑ دیا — یہ بتاؤ تم نے گل بکاؤلی کی کہانی سنی  
 ہے — جس میں ایک دیو، شہزادی کو اُٹھا کر لے جاتا ہے اور پھر شہزادہ گلکام  
 شہزادی کو دیو سے چھپڑا کر اس سے شادی کر لیتا ہے — اور.....“

کافی دیر چپ رہنے کے بعد عمران کی زبان پھر چل نکلی تھی — لیکن  
 کمرے میں لگے ہوئے سُرخ بلب کو بار بار اسپارک ہوتا دیکھ کر وہ خاموش ہو کر  
 بلب کو گھورنے لگا تھا —

”اس سے پہلے کہ تم دونوں سے چند سوالات پوچھے جائیں اپنے نام بتاؤ“

بلب سے بھرائی ہوئی آواز خارج ہوئی —

عمران جو ٹنگی باز صے بلب کو گھور رہا تھا — اس بلب سے آواز نکلتے ہی  
 خون زدہ ہو کر اُچھلا اور خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا —

”ب..... ب بھوت — تنویر بھائی آؤ بھاگ چلیں“

”آہا ہا.....“ بلب سے قہقہہ کی آواز بلند ہوئی —

”بہت خوب — بہت ہے تو کوشش کر دیکھو“

”ک..... ک کون ہو بھائی — کیوں ڈرا کر ہمارا خون خشک کر رہے ہو

سامنے آکر بات کرو“

”تم نے ابھی تک اپنے نام نہیں بتائے“

”مم.... میرا نام گل بکاؤلی ہے اور یہ شہزادہ مکھڑ ہے“

مکھڑ کے نام پر تنویر نے عمران کو گھور کر سر جھکا لیا تھا —



وے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ چاند پر سب سے پہلے اپالو دہم گیا تھا کہ اپالو نہم  
"ہوں تم لوگ یوں نہیں مانو گے"

بلب سے آواز آئی جس کے ساتھ ہی بلب بچھ گیا۔

عمران نے تنویر کو دیکھ کر احمقانہ انداز میں آنکھ دبائی۔ جو نہایت بیزاری  
سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے پیارے۔ کچھ تو گھل افشانی کرو۔"

"تمہاری طرح میری زبان فالتوا نہیں ہے۔ مجھ سے مخاطب ہونے کی

بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔" تنویر نے بھاڑ کھانے والے لہجے میں جواب دیا۔

اُسے عمران کی حرکتوں پر سچ جج غصہ آگیا تھا۔ جو موقع محل دیکھے بغیر

اپنی ٹرٹر شروع کر دیتا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی

ترکیب سوچے۔ اپنی احمقانہ بکواس ہی کئے جا رہا تھا۔

اسی احمقانہ پن کے سبب تو وہ عمران سے شدید نفرت کرتا تھا۔

لیکن عمران پر بھلا اس کی باتوں کا کیا اثر ہوتا۔

وہ اس کے قریب پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا تھا اور چیخنے والی نظروں

سے اُسے دیکھ رہا تھا

"یار تقدیر تم نے کبھی لٹن سپہوان کی مٹھائی کھائی ہے؟"

"تقدیر کے بچے میں کہتا ہوں خاموش رہو۔ ورنہ گردن توڑ دوں گا۔"

"اونہ۔ گردن توڑ دوں گا۔"

عمران نے اسکی نقل اتاری۔

"تم بتاؤ نوجوان تمہارا کیا نام ہے؟"

بلب سے آتی ہوئی آواز اب کہ تنویر سے مخاطب تھی۔

"میں نام بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ نہ ہی میں تمہارے کسی سوال کا جواب

دوں گا۔" تنویر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہ سوالوں کے معاملے میں کمزور ہے اسی لئے ہر امتحان میں فیل ہو

جاتا ہے۔ آپ مجھ سے سوال کیجئے انشاء اللہ ایسے جواب دوں گا کہ

طبیعت صاف ہو جائے گی۔"

"تم دونوں کو شاید اپنے انجام کا علم نہیں ہے۔ ورنہ یوں اُلٹی سیدھی

بکواس کبھی نہ کرتے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنے متعلق سب کچھ بتا

و۔ ورنہ ہم گونگوں سے بھی اگلوںا جانتے ہیں۔"

"اٹاں کیوں خواہ مخواہ تیری دیئے چلے جا رہے ہو۔ تم سے کہہ تو دیا ہے

سوال تو کرو۔" عمران نے احمقانہ انداز میں ہاتھ پچلتے ہوئے جواب دیا۔

"اپنے نام بتاؤ۔ بالکل درست۔"

"بتا تو دیتے ہیں یار۔ میرا نام گل بکاولی اور اس کا نام شہزادہ مکھڑ۔"

"تم لوگ کون ہو؟"

نادیدہ ہستی کا دوسرا سوال تھا۔

"عینک لگاؤ یار۔ تمہاری آنکھیں کمزور ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"تمہیں کیا ہم چاند کی مخلوق دکھائی دے رہے ہیں۔ ویسے بائی دی



”کبھی شکل بھی دیکھی ہے آئیے میں۔ صورت سے آلو بخارہ معلوم ہوتے ہو“

تنویر نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا لیکن کمرے کا دروازہ کھلتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ عمران بھی اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

دروازہ کھلا اور نیلی وردی میں ملبوس دو آدمی اندر داخل ہوئے انہوں نے اسٹین گنوں سے انھیں باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

”عجیب ہو تم لوگ بھی یار ایک جگہ چین سے بیٹھنے بھی نہیں دیتے؟“ عمران منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا کمرے سے نکلا۔ ایک اسٹین گن بردار نے

اُسے پیچھے سے کور کر لیا تھا۔ جبکہ تنویر بھی دوسرے اسٹین گن بردار کی نگرانی میں عمران کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا۔

دونوں اسٹین گنوں سے تنویر اور عمران کو کور کئے ہوئے ایک راہداری میں داخل ہوئے۔

یہاں قطار میں کہیں بٹے ہوئے تھے۔

وہ دونوں انھیں لئے ہوئے انتہائی سرے والے کہیں کے قریب پہنچے جیسے ہی وہ دروازے کے سامنے پہنچے۔ وہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔

انہوں نے اسٹین گنوں سے انہیں کمرے میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا

عمران نے گھوم کر دروازے کی طرف دیکھا جو اب بند ہو چکا تھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

”تقدیر بھائی یہ سب کیا اسرار ہے یار اپنی سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا“ آئے گا بھی کیسے تمھاری عقل میں تو بھٹس بھڑا ہے۔ اور ہاں اگر اٹھ رہے تم نے میرا نام غلط بیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔“ تنویر نے جملے کٹے پہچے ہیں جواب دیا۔

یہ کمرہ جس میں انھیں اس وقت لایا گیا تھا گوستا ہی بڑا تھا جس میں انہیں پہلے رکھا گیا تھا۔ لیکن اس کی ایک دیوار پر اسکرین بھی.... آویزاں تھا۔ جبکہ یہاں سرخ بلب کی جگہ دو تیز پاور والے بلب جل رہے تھے۔

عمران نے اس کا پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ۔ نہ صرف انہیں دیکھا جا رہا ہے بلکہ اُن کی باتیں بھی سنی جا رہی ہیں۔ وہ موقع کا منتظر تھا کہ کس طرح ان لوگوں کے مقاصد کا پتہ چل جائے۔

لیکن ابھی تک کوئی ایسی صورت حال سامنے نہیں آئی تھی جس سے۔ اُسے اس مشکل کو حل کرنے میں مدد ملتی۔ اسی لئے وہ اتنے پاؤں مار کر کامیابی کی راہیں تلاش کرنے میں مصروف تھا۔

اُسے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کوئی غیر ملکی گروہ ہے جو جدید سائنسی حربوں سے اپنے مذموم عزائم کی تشکیل کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کا ٹارگٹ سہراب پور کے وہ کانیں تھیں جن سے پلاٹینم نکالا جاتا تھا لیکن

عمران کے خیال میں اس کے ساتھ ہی مجرموں کے کچھ اور مقاصد تھے جو ہنوز پوشیدہ تھے۔



اچانک دیوار میں لگا ہوا اسکرین روشن ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی کمرے میں لگے ہوئے دونوں بلب بجھ گئے۔  
تئویر اور عمران اسکرین کی طرف دیکھنے لگے۔ جہاں ایک شخص کا چہرہ نمودار ہوا۔ جس کی شکل بالکل بیضوی تھی کلین شیو کے علاوہ بھنوں کے بال بھی غائب تھے۔ وہ ایک خربوزے کی مانند ہی نظر آ رہا تھا جس پر آنکھیں ناک کان اور ہونٹ چپکا دیئے گئے ہوں۔

وہ اپنی گول گول آنکھوں سے ان دونوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔  
”تم لوگوں نے اپنے نام درست نہیں بتائے تھے۔ لیکن اس کے باوجود میں تمہارے نام جانتا ہوں۔ اور اُن کے نام بھی جانتا ہوں جو اب سے تھوڑی دیر بعد یہاں پہنچ جائیں گے؟“

اس نے مسکرا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

عمران اس کی بات سن کر بے اختیار اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”تم ہمارے متعلق اور کیا کیا جانتے ہو بھائی؟“

”اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تمہارا نام عمران اور اس کا نام تئویر ہے تمہارے دونوں ساتھی جنہیں ہمارے آدمی ملٹری ہسپتال سے اٹھا کر لا رہے ہیں۔ اُن میں سے عورت کا نام جولیا اور مرد کا نام صفدر ہے۔ آگے کی معلومات تم فراہم کرو گے۔ کہ تمہارا تعلق ریاست ہی سے ہے یا کہیں باہر سے بلوائے گئے ہو۔ اور تمہیں اس کام کے لئے کس نے مامور کیا ہے؟“  
”اماں نیند میں تو نہیں ہو کیا بے پر کی ہانک رہے ہو؟“

”کوئی بات نہیں تم تو کیا تمہارے فرشتے بھی اُگل دیں گے۔ ذرا تمہارے ساتھیوں کو آجانے دو۔ جب تم لوگ ہماری طاقت کا مظاہرہ دیکھو گے تو خود بخود راستے پر آ جاؤ گے۔ مگر وہ لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔ اپنے آپ کو اس لمحے کے لئے تیار رکھو۔“  
خربوزے کی مانند چہرے والے نے کہا۔ جس کے ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گیا۔

عمران نے دانت بھینچتے ہوئے اسکرین کو کُمہ دکھایا۔  
اچانک دروازہ کھلا اور صفدر اور جولیا کو کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔

”آہ۔ دفتر بھائی۔ جونی ڈارلنگ۔ آئیے آپ ہی کا انتظار ہو رہا تھا“  
عمران نے باچھیں پھیلائیں۔

لیکن اس کی بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔

وہ تینوں ایک دوسرے کو ہونٹوں کی طرح دیکھ رہے تھے۔





ہماری نظروں میں آئے بغیر کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ اور ریاست  
کی انتظامیہ کا یہ حال ہے کہ اُسے ہمارے گوریلے سے نمٹنے سے ہی  
مرست نہیں مل رہی۔“

”ان سب باتوں سے مجھے انکار نہیں لیکن میں پھر بھی یہ کہونگا  
کہ ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ یوں بھی ایم دی سلطان کی عرق آبی  
ریاست کی حکومت کا ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ پھر ہمیں ان جاسوسوں  
کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے ان کے کچھ اور ساتھی ہوں  
جو ہمارے لئے بعد میں پریشانی کا باعث بن جائیں۔ پھر ہمیں ابھی یہ  
علم نہیں کہ وہ جاسوس ریاست کے ہیں یا ریاست نے اُن کی خدمات  
میں ملک سے حاصل کی ہیں۔“

”تمہارا خیال بالکل درست ہے جبکہ پہلے ہمیں اُن جاسوسوں سے  
مزید معلومات کرنی چاہئے اس بعد دوسرا حصہ شروع کرنے پر غور کریں گے۔“  
ایک معمر کمانڈو نے جبکہ کی تائید کی۔ نیلی آنکھوں والا کمانڈو  
جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

”جارج طامی تمہارا کیا خیال ہے؟“  
معمر کمانڈو نے دوسرے دونوں کمانڈوز سے پوچھا جو ابھی تک خاموش  
تھے۔ انھوں نے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

”آپ کی بات درست ہے۔ لیکن جہاں تک مشن کے دوسرے  
تک کو شروع کرنے کا تعلق ہے تو مجھے یقین ہے کہ ہم کسی مزاحمت کے

آہدوز۔“

کے آپریشن روم میں ایک گول میز کے گرد پانچوں کمانڈوز بیٹھ  
اپنے سامنے لگی ہوئی اسکرین پر دیکھ رہے تھے۔ جہاں شمالی پہاڑوں کے  
دامن میں واقع تینوں کانیں صاف نظر آرہی تھیں۔

”ہمارے مشن کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا ہے میرے خیال میں اب  
دوسرے حصے پر کام شروع کرنا چاہئے۔“

ایک قوی ہیکل اور نیلی آنکھوں والے کمانڈو نے کہا۔  
”جارج تم ہر کام میں جلد بازی کا ثبوت دیتے ہو۔ حالانکہ تمہیں

معلوم ہے کہ پہلے حصے کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہی کئی دشواریاں ہماری  
راہ میں حائل ہو گئی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ جاسوس ہیں جو ہماری ٹوہ  
میں یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔“

ایک دوسرے کمانڈو نے پہلے کی تجویز رد کرتے ہوئے کہا۔  
”نیلی آنکھوں والے کمانڈو نے اُسے گھور کر دیکھا۔

”تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ شمالی ساحل پر کالوں کے علاقوں میں



بغیر اس حصے کو آسانی تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ " جارج نے اپنی رائے پیش کی۔

"اس سلسلے میں — میں آپ سے بالکل متفق ہوں ہمیں پہلے ان جاسوسوں سے نمٹ لینا چاہئے۔"

اس مرتبہ ٹامی نے خیال آرائی کی تھی —

مہر کمانڈو کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر میز کے نیچے لگے ہوئے بیٹن کو دبایا —

"یس سر"

فوراً ہی انٹرکوم پر آواز ابھری —

"اُن چاروں کو آپریشن روم میں پہنچاؤ۔"

"رائٹ سر"

انٹرکوم سے آواز ابھری جس کے ساتھ ہی مہر کمانڈو نے سوئچ آف کر دیا —

اسکرین پر مہنوز تینوں کاتیں نظر آرہی تھیں — اور پانچوں کمانڈوز اپنے اپنے خیالوں میں گم اسکرین کو گھورنے میں مصروف تھے —

اُن کے درمیان خاموشی کا یہ طویل سلسلہ اس وقت ختم ہو گیا جب چار نیلی وردی میں ملبوس افراد جولیا عمران صفدر اور تنویر کو اسٹین گنوں سے کور کئے آپریشن روم میں داخل ہوئے —

پانچوں کمانڈوز اُن کی جانب گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اسٹین

گنوں سے مسلح افراد نے اُن چاروں کو ایک دیوار سے لگا کر کھڑا دیا تھا۔ عمران کمرے میں داخل ہوتے ہی اسکرین پر شمالی پہاڑ اور پلانٹینم کی کانوں کے منظر کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں سر ہلایا — اور پانچوں کمانڈوز کو باری باری گھورتے ہوئے احمقانہ انداز میں منہ چلانے لگا۔

"تم شمالی پہاڑوں میں کیا کر رہے تھے؟"

مہر کمانڈو نے سکوت توڑتے ہوئے عمران سے پوچھا —

"اپنی مرضی تلاش کر رہا تھا۔ کمبخت دو دنوں سے بغیر کچھ کہے گھر سے غائب ہے۔ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

عمران نے اُسٹ سوال کیا۔

صفدر اس کے جواب پر زیر لب مسکرانے لگا تھا۔ جبکہ پانچوں

کمانڈوز اُسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے —

"جیکسن یہ بہت چالاک دکھائی دیتا ہے ایسے نہیں مانے گا۔"

یہ مہر کمانڈو کی آواز تھی — وہ عمران کو غور سے دیکھتے

رہے اپنے بائیں جانب بیٹھے ہوئے کمانڈو سے مخاطب تھا۔

"مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ دوسروں سے پوچھیں یہ کیا کہتے

"تمہارا نام جولیا ہے؟"

اب کے کمانڈو جولیا سے مخاطب تھا —



”جولیا ہو یا خو پیا تم سے کیا۔ خبردار جو تم نے اس کا نام اپنی

گندی زبان سے لیا“

جولیا کی جگہ عمران نے ہاتھ پچاتے ہوئے جواب دیا۔ غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

”شٹ آپ“

مہر کھانڈو زور سے چیخا: ”ایکے اگر تم نے زبان کھولی تو گدسی سے کھینچ لوں گا“

”اماں جاؤ۔ آتے بڑے رستم کی اولاد۔ ذرا مقابلے پر تو آؤ۔ مار مار کر بھگس نہ نکال دیا تو میرا نام نہیں“

عمران کے تاؤ دلانے پر مہر کھانڈو کے بائیں جانب بیٹھا ہوا.... جارج جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھا۔ لیکن مہر کھانڈو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔

”بس اتنا ہی دم تھا“

عمران نے حقارت سے کہا۔

”تم سے تو اچھا میرا لوکر سلیمان ہے جو پیاز کاٹنے کی چھری سے

مرغا ذبح کر دیتا ہے“

”سہ یہ میری تو ہیں ہے“

جارج دوبارہ کرسی پر کلبلیا۔ اس کے علاوہ دوسرے کھانڈو کے چہرے بھی غصے کی زیادتی کی وجہ سے بگڑ گئے تھے۔ اور وہ پھاڑ

کھانے والی نظروں سے عمران کو دیکھ رہے تھے۔ مہر کھانڈو کے چہرے پر بھی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ لیکن اس نے کمال پھرتی سے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پُر سکون رہنے کا اشارہ کیا۔ اور دوبارہ عمران کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو ان لوگوں سے لا تعلق سا ہو کر سامنے والی دیوار کو گھورنے میں مصروف تھا۔

”شاید تم نہیں جانتے کہ تمہاری وقعت ہمارے سامنے چیونٹی کے برابر بھی نہیں۔ ہم جس وقت چاہیں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں“

”تم ایسا کبھی نہیں کر سکتے“

عمران نے مسکرا کر جواب دیا۔ مہر کھانڈو اُسے تمسخرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”تمہیں شاید ریاست سے کسی مدد کی توقع ہے۔ لیکن یاد رکھو.... ریاست اب ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ ہم جب چاہیں اُسے کھنڈر میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ جس چند جھلکیاں تم نے چولان میں دیکھ ہی لی ہوں گی“

”تمہارا اشارہ اس دیو قامت گوریلے کی جانب ہے۔ جسے تم نے اپنے مذموم عزائم کیلئے بطور ہتھیار استعمال کیا ہوا ہے“

”ہاں ذلیل ایشیائی کیڑے۔ وہ ہمارا ایک ادنیٰ سا کارنامہ ہے۔ اگر تمہیں ہمارے متعلق کچھ اور معلوم ہو جائے تو تم دہشت کے مارے



یہیں مرجاؤ گے ؟

”بڑا ناز کر رہے ہو اپنے آپ پر لیکن یاد رکھو میں کبھی تمہارے مذہب سے الگ نہیں ہونے دوں گا سفید سوڑ“

عمران نے بھی ترکی بہ ترکی تلخ لہجے میں جواب دیا۔ جسے سنتے ہی معمر کمانڈو غصے سے چراغ پا ہو گیا۔ اس نے تیزی سے میز میں لگا ہوا انٹرکوم کا بٹن دبایا۔

”یس سر“

انٹرکوم سے مودبانہ آواز ابھری۔

”اسٹیٹ منبر تھری نائین تیار ہے“

”نوسر۔ ابھی کچھ دیر لگے گی“

کمانڈو نے سر ہلا کر انٹرکام کا سوئچ آف کر دیا۔

”تم ایک وردناک موت کے لئے تیار ہو جاؤ“

اس نے عمران سے کہا جس کے ساتھ ہی اس نے مسلح اسٹین گن

برداروں کو اشارہ کیا۔ دو اسٹین گن بردار آگے بڑھے اور عمران کو دوبارہ

کور کر کے آپریشن روم سے باہر نکل گئے۔

کمانڈو اب جولیا کی جانب دیکھ رہا تھا۔

جولیا بہترین سیکرٹ ایجنٹ ہونے کے باوجود موجودہ صورتحال سے

خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ کمانڈوز کی اپنی جانب دیکھتے پا کر اس نے...

نگاہیں دوسری جانب کر لیں تھی۔

”عمران کی گفتگو سے ہمیں یہ اندازہ تو ہو گیا ہے کہ تم لوگ ہمارا سراغ

لگا کر ٹھکانے لگانے کے ارادے سے یہاں آئے ہو لیکن اس سوال کا جواب ابھی تک نہیں مل سکا کہ تمہارا تعلق سہراب پور سے ہے یا تم باہر سے آئے ہو۔ اس سوال کا جواب جولیا تم دوگی“

اس نے جولیا کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

”میری بات پر تم یقین نہیں کرو گے۔ اس لئے خاموش ہی رہنا مناسب

ہے“

”یقین کا دار و مدار ہم پر چھوڑ دو صرف میرے سوال کا جواب دو۔

تمہارا تعلق سہراب پور سے ہے یا کسی اور جگہ سے“

معمر کمانڈو نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

”ہمارا تعلق کسی سے نہیں۔ ہم صرف سیاح ہیں۔ اور سیاحت

ہی کیلئے سہراب پور آئے تھے صرف تحسہ ہی کی خاطر ہم نے پلاٹینم کی کالوں

کی طرف دلچسپی لی تھی۔ لیکن گوریلا نما عنقریب کی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے

ہم چاروں نے عہد کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے اس اسرار کا پتہ ضرور

لگائیں گے جس نے چولان کو موت کے شہر میں تبدیل کر دیا ہے“

جولیا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

”لیکن جو واج ٹرانسمیٹر تمہارے پاس سے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ

تمہارے جواب کی تردید کرتی ہیں۔ ایسی واج ٹرانسمیٹر ہم نے صرف مختلف

مکانوں کی سیکرٹ سروس یا انٹرپول والوں کے پاس دیکھی ہیں“



”ہو سکتا ہے آپ نے ایسی وائچ ٹرانسمیٹرز اور جگہوں پر بھی دیکھی ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ وائچ ٹرانسمیٹرز ہم نے اپنے ایک دوست سے حاصل کی ہیں جو بین الاقوامی تنظیم مافیا کا ایک سرکردہ رکن ہے۔ اور انہیں حاصل کرنے کا مقصود یہ تھا کہ ہم چاروں کا ایک دوسرے سے ہر صورت میں رابطہ قائم رہے۔ آپ سیاحت کی پیچیدگیوں سے تو ضرور واقف رہے ہونگے؟“ جویا کی حاضر جوابی پر صفر اُسے دل ہی دل میں داد دیتے بغیر نہیں رہ سکا۔

معر کمانڈو سمیت چاروں کمانڈوز جویا کے مفصل جواب کے بعد کچھ سوچنے لگے تھے۔

اچانک جیکسن سوچتے سوچتے سر اٹھایا اور غور سے ان تینوں کو دیکھنے لگا۔

”سر یہ لڑکی تو سوئڈش معلوم ہوتی ہے جبکہ یہ تینوں ایشیائی ہیں“ جیکسن کی بات پر معر کمانڈو نے چونک کر انہیں دیکھا۔ جبکہ صفر نے جیکسن کی بات سن کر پہلو بدل کر تنویر کو اشارہ کیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ تنویر منہ کھولتا۔ جویا جلدی سے بول پڑی۔

”میرے ماں باپ سوئڈش تھے مگر وہ کافی عرصے پہلے جب میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھی نقل مکان کر کے ایشیا میں آباد ہو گئے تھے“ جویا کے جواب پر معر کمانڈو نے اپنے چاروں ساتھی کمانڈوز کی طرف استہفامیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ چاروں ابھی تک کسی الجھن میں

بتلا تھے۔

”جارج تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ان لوگوں نے اپنے متعلق درست بتایا ہے؟“

”نوسر ان کی باتوں پر مجھے اب بھی شک ہے۔ یہ لڑکی بھی اتنی چالاک دکھائی دیتی ہے۔ اور آپ نے اس کے متعلق تو سن ہی لیا ہوگا کہ اسے پکڑنے میں ہماری ڈیجز اسکوڈ کے تین آدمی ضائع ہو گئے“ جارج نے تنویر کی طرف اشارہ کیا۔

”سر میرے خیال میں ان تینوں کو اسٹیم نمبر تھری تھری میں ڈال دیا جائے“

ایک دوسرے کمانڈو نے رائے دی۔

معر کمانڈو خاموشی سے اپنے ساتھی اور ماتحت کمانڈو کی رائے سنتا رہا۔ جبکہ صفر، تنویر اور جویا اپنی اپنی جگہ کھڑے اس کے فیصلے کے منتظر رہے۔ تینوں کے چہرے سے کسی قسم کی پریشانی یا گھبراہٹ نمایاں نہیں تھی۔ ان کے چہروں پر چھایا ہوا سکون ان کے قلبی اطمینان کا پتہ دے رہا تھا۔ معر کمانڈو اپنے ساتھیوں کی رائے سننے کے بعد کچھ دیر خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔

”فی الحال ان تینوں کو کیبن نمبر نائنٹی تھری میں قید کر دیا جائے اور مشن کے دوسرے حصے پر عمل شروع کر دیا جائے۔ میں انہیں زندہ حالت میں ہیڈ کوارٹر لے جانا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہاں ان کی اصلیت کا پتہ چل سکے“



معمد کھاڈو نے فیصلہ سنایا جس کے ساتھ ہی اس نے محافظوں کو اشارہ کیا۔

محافظ اُن تینوں کو کور کئے آپریشن روم سے باہر نکل گئے۔ اُن کا رخ کیبن نمبر نائنٹی تھری ہی کی جانب تھا۔ ان کے جانے کے بعد اُس نے چاروں کھاڈوز کو بھی جانے کا اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ پا کر وہ اپنی اپنی نشستوں سے اُٹھے اور ایک ایک کر کے آپریشن روم سے باہر نکل گئے،

دونوں —

محافظ عمران کو لئے ہوئے راہداری سے گزرتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے کے سامنے جا کر رُکے۔ جس کے دروازے پر ڈیوڑھی روم کے الفاظ کندہ تھے۔

ایک محافظ نے آگے بڑھ کر دروازے پر تین بار دستک دی اور پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلک۔ دروازہ کھولتے والا وہی فرسٹ آپریٹر تھا۔ اس نے ایک تنقیدی نظر عمران پر ڈالی اور دروازے سے ہٹ کر محافظوں کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ محافظ اُسے لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اس کمرے میں ایک بڑی سی مشین لگی ہوئی تھی۔ جس میں سینکڑوں سوئچ اور ان گنت میٹر لگے ہوئے تھے جن کی سوئیاں مختلف ہندسوں پر متحرک رہی تھیں۔ مشین کے وسط سے ایک ۲۰ اینچ قطر کا پائپ نکل کر کمرے کی چھت کی طرف چلا گیا تھا۔ مشین سے گھر گھر کی آواز بلند ہو رہی تھی اور اُس کے سرے پر لگے ہوئے دو سُرخ اور پیلے بلب بار بار جل اور بجھ رہے تھے۔ فرسٹ آپریٹر کے اشارے



پر دونوں محافظوں نے عمران کو مشین کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا۔

”بھائی کیا یہ ڈبل روٹی بنانے کی مشین ہے؟“

عمران نے مشین کو غور سے دیکھتے ہوئے فرسٹ آپریٹر سے پوچھا۔  
فرسٹ آپریٹر کے لبوں پر اس کا سوال سن کر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ ”نہیں یہ ڈبل روٹی کے سلاٹس بنانے کی مشین ہے۔“ تمہیں بھی یہاں سلاٹس ہی بنانے کے لئے لایا گیا ہے؟“

”نہیں بھائی مجھے سلاٹس کھانے کا اتنا شوق نہیں۔ تم ایسا کرو میری بجائے ان دونوں کو سلاٹس بنا دو۔ ان کی سلاٹس بڑے مزے دار ہونگے؟“  
عمران نے اپنے دائیں بائیں کھڑے ہوئے دونوں محافظوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن مجھے تو تمہارے سلاٹس بنانے کا آرڈر دیا گیا ہے؟“  
فرسٹ آپریٹر نے مشین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔  
”بس ایک آدھ منٹ کی بات اور ہے؟“

عمران نے خوف زدہ نظروں سے دونوں محافظوں کی طرف دیکھا۔  
فرسٹ آپریٹر اس اثناء میں میٹروں میں مقررہ قراتے والی سوئیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جو اب ایک ساتھ سُرخ نقطے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پھر جیسے ہی تمام سوئیاں سُرخ نقطوں پر پہنچی۔ آپریٹر نے تیزی سے چند بٹن دبائے۔ مشین سے گھوں گھوں کی آواز بلند ہوئی اور اس میں سے ایک شکنجہ سانکل کر باہر آگیا۔ آپریٹر نے چند بٹن اور دبائے اور عمران

کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں محافظ اب زیادہ مستعد ہو گئے تھے اور عمران اپنے اوپر آتے ہوئے شکنجے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ شکنجہ جیسے ہی اس کے سر پر آیا۔ عمران نے پھرتی سے فرسٹ آپریٹر کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا یا اور خود اچھل کر دور ہو گیا۔

آپریٹر نے گھبرا کر اٹھنا چاہا۔ لیکن اس اثناء میں شکنجہ اُسے جکڑ چکا تھا۔ دونوں محافظ سنبھل کر پلٹے۔ لیکن عمران پہلے ہی ہوشیار ہو چکا تھا وہ اس سے پہلے کہ اُن کی گتوں کا رُخ اسکی سمت ہوتا اُڑتا ہوا اُن کے قریب پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے دونوں کی گردنیں اسکے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھیں۔ اس نے بلا تاخیر ایک زور دار جھٹکا دیا۔ دونوں محافظوں کے سر ایک دوسرے سے آواز کے ساتھ ٹکرائے۔ ٹکراتی زور دار تھی کہ وہ دوبارہ اٹھ نہیں سکے۔ عمران نے ہمدرد چھپکیوں کی مانند انھیں ایک جانب پھینکا اور فرسٹ آپریٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جسے اب شکنجہ کافی اوپر اٹھا چکا تھا۔ شکنجے کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی آنکھیں اپنے حلقوم سے باہر نکلی پڑ رہی تھیں اور وہ ماہی بے آب کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔  
مشین کے اوپر عین وسط میں پہنچ کر شکنجہ یکھت کھٹا اور فرسٹ آپریٹر بھیا نک چنچ کے ساتھ مشین میں جاگرا۔ اس کے گرتے ہی عمران نے ہاتھ جھاڑے اور دونوں بے ہوش محافظوں پر تنقیدی نظر ڈالتا ہوا ڈینجر روم سے باہر آگیا۔ یہاں اس نے پہلے اس کا دروازہ بند کیا۔ راہداری کو اُس نے پہلے ہی چیک کر لیا تھا۔ جو بالکل سناں پڑی ہوئی تھی۔



راہداری میں دبے پاؤں چلتے ہوئے وہ دوسرے کیبن تک پہنچا اور دروازے سے کان لگا کر سن گئی۔ لینے کی کوشش کی۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔ جس کا مطلب تھا کیبن میں کوئی بھی موجود نہیں۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ مختلف کیبنوں کے سامنے سے گزرتا ہوا وہ زینوں تک پہنچ گیا، اس نے ابھی زینوں پر ایک قدم ہی رکھا تھا کہ اس کے حساس کانوں نے وہ آہٹیں سن لیں جو زینوں کے اوپر سے آرہی تھیں۔ عمران تیزی سے زینوں کے نیچے کے خالی حصے میں دیک گیا۔

دو آدمی زینے اتر رہے تھے۔ عمران سانس روکے انہیں اپنے قریب سے گزرتے دیکھتا رہا۔ ان دونوں نے بھی فرسٹ آپریٹر کی طرح سفید گون پہن رکھے تھے۔

عمران اپنی جگہ پر اس وقت تک دبکا رہا جب تک وہ لوگ گیلری سے ہوتے ہوئے ایک کیبن میں داخل نہیں ہو گئے۔ تھے۔ وہ اسی کیبن میں گئے تھے جسے عمران کچھ دیر پہلے خالی دیکھ آیا تھا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے اور دروازہ بند ہوا۔ عمران اپنی جگہ سے نکل آیا وہ تیزی سے زینے چڑھتے ہوئے اوپر پہنچ گیا۔ یہاں پر اُسے ایک وسیع و عریض کمرہ دکھائی دیا۔ جس کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ دروازہ گو بند تھا لیکن اندر سے بہت سی مشینوں کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس بڑے سے ہال نما کمرے کے عین سرے پر بھی ایک کیبن موجود تھا۔ عمران دیے پاؤں اس کیبن کے نزدیک پہنچا۔ اس کی قسمت ہی اچھی تھی جو اس وقت کسی نے اُسے نہیں دیکھا جب وہ

عین ہال نما کمرے کے دروازے کے سامنے سے گذر رہا تھا۔ عمران نے ہال کے سرے پر بنے ہوئے کیبن کے قریب پہنچ کر کان اس کے دروازے سے لگا دیئے۔

اندر سے کسی کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ عمران اپنی جگہ کھڑا کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر بالکل محافظ کی طرح دروازے کو تین بار تھپتھپایا۔

”کون ہے۔“

اندر سے آواز آئی۔

”فرسٹ آپریٹر“

عمران نے فرسٹ آپریٹر جیسی آواز میں جواب دیا۔ جس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا بھی صحیح طریقے سے اُسے دیکھ بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے اُسے دھکا دیا اور خود جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

یہ کیبن معمر کمانڈو کا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی عمران نے اس کی ایک جھلک دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ اس غیر متوقع بات نے اس کے کام کو آسان بنا دیا تھا۔ کیونکہ اُسے اسی معمر کمانڈو کے کمرے کی تلاش تھی جو عمران کے خیال میں ان تمام لوگوں کا سرغنہ تھا جو بچولان میں خونیں سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ عمران چونکہ بالکل غیر متوقع طور پر اس کے کمرے میں گھس آیا تھا۔ اس لئے معمر کمانڈو اپنی حیرت پر قابو نہ پاسکا وہ منہ پھاڑے



عمران کو گھور رہا تھا۔

”تم تم۔“ اسنے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے عمران کی طرف انگلی اٹھائی۔

”ہاں میں کمانڈو۔“ میں نے نہیں کہا تھا کہ تمہیں کسی صورت میں بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا؟ عمران اس کے بالکل سامنے پہنچ کر زہر خند لہجے میں بولا۔

”تم ڈیغبر روم سے بچ کر کس طرح نکل آئے؟“

معمر کمانڈو ابھی تک اپنی حیرت پر قابو نہیں پاسکا تھا۔

”اُسے پھوڑو۔“ اپنے متعلق کہو تمہارا کیا خیال ہے؟

”تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے؟“

کمانڈو نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔ اب وہ کمرے میں رکھی ہوئی میز سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اسکا ہاتھ آہستہ آہستہ میز پر لگے ہوئے بیٹن کی طرف کھسک رہا تھا۔

”اپنا ہاتھ سنبھال کر رکھو کمانڈو؟“

عمران کی تنبیہ پر کمانڈو نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے عمران پر چھلانگ بھی لگا دی۔ عمران اسکے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ تیزی سے جھکائی دیکر ایک طرف کو ہو گیا۔ کمانڈو اپنی ہی جھونک میں فرش چاٹنے لگا۔ لیکن سنبھل کر پھر پھرتی سے اٹھا۔

ایکے وہ آہستہ آہستہ عمران کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عمران اپنی جگہ

جما اُسے قریب آتا دیکھتا رہا۔

کمانڈو عمران کے قریب پہنچ کر اچھلا لیکن عمران نے اپنے دونوں ہاتھ پھرتی سے اس کی کمرے گرد حائل کر کے اس کے فضا میں اٹھے ہوئے جسم کو ایک زور دار چکر دیا۔ اور دھب سے زمین پر ٹپک دیا۔

”تم مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے ہیں تمہارا خون پی جاؤں گا؟“

کمانڈو زمین پر پڑا ہوا حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ عمران نے تشویش سے اسکی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر ایک مخصوص ہاتھ اس کی گڈی پر جما دیا۔

اس پیچیں عمران کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔

”کٹاک“ کی آواز ہوئی جس کے ساتھ ہی کمانڈو کی گردن کا منکا ٹوٹ

گیا اور وہ فرش پر اڑیاں رگڑنے لگا۔ عمران اُسے اسی حالت میں جھوڑ کر

کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کمرے میں میز کرسی کے علاوہ ایک پینک بھی

بچا ہوا تھا اور کھونٹیوں سے لٹکے ہوئے کپڑوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کمرہ

معمر کمانڈو کے ذاتی استعمال میں تھا۔ عمران جب اُس کی طرف پلٹا تو وہ

تڑپ تڑپ کر ٹھٹھا ہو چکا تھا۔ اس کی گھلی ہوئی آنکھیں چھت پر مرکوز

تھیں۔

عمران نے پیر کی کھوکھ سے اُس کے مردہ جسم کو ایک کونے میں

کر دیا۔ اور کرسی پر بیٹھ کر میز کا جائزہ لینے لگا۔ میز میں اسی طرح

کا بیٹن لگا ہوا تھا جیسا عمران اس سے پہلے آپریشن روم میں دیکھ چکا تھا

یہ انٹرکوم کا بیٹن تھا۔ عمران نے کچھ سوچ کر سر ہلایا اور انٹرکوم کے



ہٹن کو پیش کر دیا۔

”یس سر“

انٹرکوم سے آواز ابھری۔

”چاروں کمانڈوز اور تمام لیبارٹریز اسسٹنٹوں سے کہو کہ دس منٹ کے اندر اندر آپریشن روم میں پہنچ جائیں مجھے اُن سے بہت ضروری گفتگو کرنی ہے“

عمران نے بالکل مہم کمانڈوز کے لہجے میں کہا۔

اور ہٹن کو دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر وہ کرسی سے اٹھ کر کمانڈو کے کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ ایک الماری سے اُسے بہت سے کاغذات ملے جن میں کمانڈوز مشن سے متعلق تفصیلات درج تھیں، عمران نے سرسری نظروں سے اُن کا جائزہ لیا اور تمام کاغذات کو جیبوں میں ٹھونس لیا۔ اس کے تلاش کرنے پر کمرے میں غوطہ خوری کے کئی لباس اور مختلف قسم کے ہتھیاروں کا ایک ذخیرہ بھی مل گیا۔ عمران نے سارا اسلحہ لا کر میز کے قریب ڈھیر کر دیا۔ غوطہ خوری کے لباس اس نے میز پر رکھ دیئے تھے۔ جیسے ہی دس منٹ پورے ہوئے وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اُسے یقین تھا کہ مہم کمانڈوز کے حکم پر آبدوز پر موجود تمام لوگ آپریشن روم میں جمع ہو چکے ہوں گے۔

کمانڈو کے کمرے سے نکل کر عمران لیبارٹری کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ اس کے جاتے ہی کھل گیا تھا۔ عمران لیبارٹری

میں داخل ہوا۔ حسب توقع وہاں کوئی نہیں تھا۔ ساری لیبارٹری خالی پڑی تھی۔ تمام اسکرین روشن تھے اور اُن پر مختلف جگہوں کی تصویریں آرہی تھیں۔ ایک اسکرین پر عمران کو گوریلا نما عفریت شمالی ساحل کے قریب کھڑا ہوا نظر آیا اس کا رخ دوبارہ شہر کی طرف تھا۔ عمران تیزی سے اس اسکرین کے ڈیش بورڈ کے قریب گیا اور مختلف سوئچوں کو آف کر دیا جس کے نتیجے میں گوریلا نما عفریت اب ایک جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ عمران اب ایک دوسرے اسکرین کے قریب پہنچا یہ آپریشن روم کا اندرونی منظر تھا۔

چاروں کمانڈوز سمیت تمام افراد آپریشن روم میں تشویش زدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

عمران کے لبوں پر سفاک مسکراہٹ آگئی۔ اس نے اس اسکرین کے نیچے لگے ہوئے ڈیش بورڈ کے مختلف بٹنوں کو دبایا۔ آپریشن روم کا دروازہ بند ہو کر خود بخود لاک ہو گیا۔ دروازہ لاک ہوتے ہی اُن میں سے کئی ایک ہراسیمہ انداز میں اس کی طرف دوڑے تھے۔ لیکن عمران اب اس اسکرین سے ہٹ کر ایک دوسرے اسکرین کے قریب پہنچ گیا۔

اس میں ایک کیبن کا اندرونی منظر نظر آ رہا تھا جس میں صفر تنویر اور جولیا خاموش بیٹھے تھے۔

عمران نے ایک سوئچ آن کیا جس پر اسپیکر لکھا ہوا تھا اور ہیڈ



عمران جذباتی لہجہ میں کہہ رہا تھا —

”میں نے تمہارے سرعنہ اور چیف کمانڈر کو پہلے ہی اس طرف روانہ کر دیا ہے جہاں کھوڑی دیر بعد تم لوگ جاتے والے ہو۔ میں تمہاری کمانڈ کے ہر حصے میں ٹائم بم فٹ کر رہا ہوں۔ لہذا خاموشی سے اپنی اپنی موت کا انتظار کرو۔ جو تم سے بہت قریب ہے“ عمران نے بات ختم کی اور ساتھ ہی سوچ دیا کہ اسکرین آف کر دیا۔ جب وہ ہیڈ فون دوبارہ ڈیش بورڈ پر رکھ کر پٹا تو تنویر، جولیہ اور صفدر لیباری میں پہنچ چکے تھے۔ وہ ان تینوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گیا اس کا رخ چیف کمانڈر کے کیبن کی طرف تھا کیبن میں داخل ہو کر اس نے جولیہ اور تنویر کے ہاتھ میں غوطہ خوری کے لباس پکڑائے۔ اور صفدر کو ٹائم بم اٹھانے کی ہدایت کر کے اس نے خود بھی بہت سے ٹائم بم اٹھا لئے لیبارٹری کے سامنے پہنچ کر اس نے جولیہ اور تنویر کو زینوں کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود صفدر کے ساتھ لیبارٹری میں مختلف مشینوں اور جگہوں پر ٹائم بم رکھتے لگا۔ ان بموں پر اس نے تین منٹ کا ٹائم پہلے ہی فکس کر دیا تھا۔

دونوں نے بہت قلیل عرصے میں لیبارٹری اور اس سے ملحقہ کیبنوں اور انجن روم میں ٹائم بم رکھے۔ اور دوڑتے ہوئے زینوں کی طرف بڑھ گئے۔

فون جو ڈیش بورڈ کے ساتھ ہی ایک ہیڈنگ میں لٹکا ہوا تھا اتار کر سر پر چڑھا لیا۔

”جولیہ، تنویر، صفدر الٹ — میں دروازہ کھول رہا ہوں تم لوگ جلدی سے باہر نکل کر زینوں کے ذریعے اوپر لیبارٹری میں آ جاؤ“ عمران کے مخاطب کرتے پر وہ لوگ چونک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ عمران نے ایک دوسرا سوچ دیا اور اسکرین پر دیکھنے لگا۔ جہاں کیبن کا دروازہ خود بخود کھل رہا تھا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا وہ تینوں تیزی سے باہر نکلتے چلے گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر عمران دوبارہ اسی اسکرین پر آ گیا جس پر آپریشن روم کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ”ہیلو کمانڈر مجھے یقین ہے اب تک صورتحال تمہاری سمجھ میں آ چکی ہو گی“

اس نے ہیڈ فون سر پر چڑھاتے ہوئے مانک میں کہا۔ وہ لوگ حیرت زدہ سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ عمران سمجھ گیا تھا کہ آپریشن روم میں لگے ہوئے اسکرین پر وہ صاف نظر آ رہا ہوگا۔ ”تم لوگوں کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا ہوگا۔ جن چیزوں کے بل پر تم لوگوں نے ہزاروں جانیں لے ڈالیں اور بربادیوں کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔ آج میں تمہاری انہیں چیزوں سے تمہیں ہلاک کروں گا، تاکہ تمہاری طرح اپنی سائنس اور ترقی پر تازاں دوسرے لوگ کبھی اپنے ہی جیسے انسانوں کی تباہی کا سبب نہ بن سکیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اُسے غور



زینے طے کر کے وہ پہلی منزل پر آئے۔ یہاں سے انہوں نے عمران کو رہبری میں کوریڈور عبور کیا۔ سامنے ہی دوسرے زینے تھے وہ ان زینوں کو عبور کرتے ہوئے ایک گول دروازے کے سامنے رُکے۔ عمران نے انہیں غوطہ خوری کا لباس پہننے کا اشارہ کیا اور خود بھی تیزی سے غوطہ خوری کا لباس پہننے لگا۔ چاروں غوطہ خوری کا لباس پہننے گول دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ عمران نے دیوار میں لگی ہوئی ایک چرخ کو گھمایا۔ آہنی دروازے پر شور آواز کے ساتھ کھلا۔ دوسری جانب پانی ہی پانی تھا۔ اس نے پہلے تنویر کو پانی میں اترنے کا اشارہ کیا تنویر فوراً دروازے سے باہر نکلا گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ یکے بعد دیگرے پانی میں اترے اسب سے آگے میں عمران آبدوز سے باہر آیا تھا۔ پانی میں پہنچتے ہی وہ چاروں تیزی سے آبدوز سے دُور ہوتے گئے۔ اُن کے اور آبدوز کے درمیان فاصلہ بڑھتا رہا۔

اچانک ایک زیر دست دھماکہ ہوا سمندر زیر دست روشنیوں سے جگمگا اُٹھا۔ عمران نے مڑ کر آبدوز کی طرف دیکھا جو آگ کا سُرخ گول نظر آ رہی تھی۔ اس کے لبوں سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی اس نے اپنا رخ سطح کی طرف کر دیا تھا۔ صفر جو لیا اور تنویر اس کے ساتھ ہی تھے۔

شمالی ساحل،

پر آرٹڈ کور کا دستہ دوبارہ اپنی پوزیشن سنبھال چکی تھی۔ ایسی آرٹڈ کار پر دُور بین گئے میں ٹکائے لیفٹیننٹ نہایت بیچارگی سے اس گوریلا نما عفریت کو دیکھ رہا تھا جس کا رخ ایک بار پھر شہر کی جانب تھا۔ لیفٹیننٹ جانتا تھا کہ کسی قسم کا فائر اس گوریلا نما عفریت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس کی آرٹڈ کار کے دستے کی فائرنگ سے صرف اس قدر فائدہ ہوتا تھا کہ گوریلا نما عفریت کو شہر میں داخل ہونے میں کچھ دیر لگ جاتی اور شہر بڑی تعداد میں پناہ گاہوں میں چھپ جاتے۔ اس کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں تھا اس کے باوجود کہ گوریلا سے ہر مرتبہ مزاحمت کے دوران آرٹڈ کور کا کافی نقصان ہوتا تھا۔ اُسے بدستور ساحل پر تعینات رکھا گیا تھا تاکہ موثر دفاع تک آرٹڈ کور کے دستے کی مدد سے گوریلا نما عفریت کی تباہ کاریوں کو کم سے کم کیا جاسکے۔ لیفٹیننٹ اور اس کے ساتھیوں کے پہرے پر چھائی ہوئی اُداسی بھی بے وجہ نہیں تھی۔ انہیں اپنے ہم وطنوں کے بے پناہ جانی اور مالی نقصان پر دلی رنج تھا اور وہ اُن کے محافظ ہوتے ہوئے بھی



اُن کیلئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

گوریلا نما عفریت ساحل چھوڑ چکا تھا اور اب وہ آہستہ آہستہ فائر کی رینج پر آ رہا تھا۔ لیفٹیننٹ نے فائر کا آرڈر دینے کیلئے ہاتھ اٹھا لیکن اچانک ایک جھماکا سا ہوا اور گوریلا نما عفریت آگ کے شعلوں میں گھر گئی۔ لیفٹیننٹ کا اٹھا ہوا ہاتھ واپس گر گیا۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے گوریلا نما عفریت کو آگ کے شعلوں میں جلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ یہ شعلے سینکڑوں فٹ بلند تھے اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

لیفٹیننٹ ابھی اپنے تھیمپر پر قابو نہیں پاسکا تھا کہ اُن شمالی پہاڑوں کے قریب جہاں پلانٹیم کی کانیں واقع تھیں اس کے قریب سمندر میں زبردست دھماکے ہوئے اور آگ کی ایک چادر سی پانی پر پھیل گئی۔ لیفٹیننٹ نے فوراً وائرلیس آپریٹر کو اشارہ کیا۔ وائرلیس آپریٹر نے اس کے اشارے پر یہ اطلاعات فوج کے ہیڈ کوارٹر کو پہنچا دی۔ اطلاع ملنے کے چند منٹ بعد ہی اعلامہ فوجی و سول افسران ساحل پر پہنچ گئے۔

انھوں نے اپنی آنکھوں سے گوریلا نما عفریت کو جل کر خاک ہوتے دیکھا۔ آگ اب مدھم ہو رہی تھی۔ مدھم ہوتے ہوتے آگ بالکل بجھ گئی اور ساحل پر چلنے والی ٹھنڈی ہوا گوریلا نما عفریت کی بچی کچھی راکھ کو اپنے ساتھ اڑا لے گئی۔

یہ اس قدر تھیمپر انگیز واقعہ تھا کہ تمام سول اور فوجی افسران ہکا بکا سے کھڑے رہ گئے تھے۔ پہاڑوں کے قریب پانی پر پھیلی ہوئی آگ کی چادر بھی اب آہستہ آہستہ سمٹ رہی تھی۔

اچانک ان سب کی نظریں اُن چاروں غوطہ خوروں پر پڑیں جو ساحل پر آنے کے بعد اپنے چہروں سے ماسک ہٹا رہے تھے۔

ہنرمائی نس کے پرسنل سیکرٹری سجاد جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ عمران، صفدر، تنویر اور جولیا کو دیکھتے ہی تیزی سے اپنی کار میں اُن کی طرف لپکے۔ اُن لوگوں کے قریب پہنچ کر وہ بے ساختہ آگے بڑھے۔ اور عمران کو گلے لگا لیا۔ اُن کی آنکھیں جذبات کی شدت سے نم ہو چکی تھیں۔ ”آپ نے جو گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ ہم پر اتنا بڑا احسان ہے کہ ہم چاہیں بھی تو اُسے نہیں اُتار سکتے“

اُن کے رقت آمیز لہجے پر عمران متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ”سجاد صاحب احسان کس بات کا آپ ہمارے بھائی ہیں، بھائی کی مدد کرنا فرض ہے احسان نہیں“

عمران نے اُن کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ پرسنل سیکرٹری سجاد نے اس کے بعد صفدر، تنویر اور جولیا سے ہاتھ ملایا۔ اور انہیں اپنی کار میں بیٹھ کر بڑی مشکل سے انہیں اس بھیڑ سے نکالتے ہیں کامیاب ہوئے جو عمران وغیرہ کے گرد لگ چکی تھی۔ لوگوں کا ایک بے پتہ اژدہام تھا جو ساحل کی طرف بڑھا چلا آ رہا



تھا۔ آٹا قاتا یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل چکی تھی کہ گوریلا نما عفریت جل کر خاک ہو چکی ہے۔ اس خبر کے سچے ہوتے کی دلیل ایک تو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی وہ آگ تھی جو چولان کے تقریباً ہر شہری نے دیکھی تھی۔

پرسنل سجاد کی کار کو جس میں عمران وغیرہ سوار تھے فوج کی مدد سے بمشکل پھٹر کے نرغے سے نکالا گیا۔ جب کار شہر جانے والی ٹرک پر پہنچی تو اس کے پیچھے سول و فوجی حکام اور شہریوں کی گاڑیوں کا ایک طویل جٹلوس تھا۔

پھر جیسے ہی وہ شہر میں داخل ہوئے، لوگوں نے زبردست نعرے لگا کر ان کا استقبال کیا۔ راستے میں جا بجا ان کی کار پر گل پاشی بھی کی گئی۔ یہ جٹلوس ہزائی نس کے محل پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ کیونکہ پرسنل سکریٹری اپنی کار کو محل کے پورٹیکو میں لے جا چکے تھے۔ لوگ کچھ دیر محل کے باہر کھڑے عمران وغیرہ کی زبردست شجاعت کو نفروں کے ذریعے خراج تحسین پیش کرتے رہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ پھٹر چھٹ گئی۔ پرسنل سکریٹری نے عمران، صفدر، تنویر اور جولیا کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا۔

ہزائی نس نے انھیں رات کی ضیافت دی تھی۔ اس لئے پرسنل سکریٹری انھیں مہمان خانے میں چھوڑ کر ضیافت کے انتظامات میں مصروف ہو گیا تھا۔ فرصت ہاتھ آتے ہی عمران، صفدر، تنویر اور جولیا نے

فصل کیا اور ایک ہلکا سا ناشتہ لے کر سونے چلے گئے۔ رات کی ضیافت سے پہلے چند گھنٹے ان کو آرام کے مل گئے تھے۔

رات —

ہوتے ہی محل کا وسیع و عریض سبزہ زار، روشنیوں سے جگمگا اٹھا ایک لمبی سی میز پر طرح طرح کے کھانے چُنے ہوئے تھے۔ میز کے اطراف میں — ہزائی نس کے علاوہ تقریباً تمام عہدائی حکومت موجود تھے۔ عمران، جولیا، تنویر اور صفدر معزز مہمانوں کی حیثیت سے ہزائی نس کے مقابل بیٹھے تھے۔

عشایہ کی تقریب کا افتتاح ہزائی نس کے پرسنل سکریٹری کی تقریر سے ہوا۔ جس میں انھوں نے عمران، صفدر اور تنویر کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ہزائی نس کو تقریر کی دعوت دی، ہزائی نس نے اپنی تقریر میں گوریلا نما عفریت کی مکمل تباہ کاریوں کا (جس میں جانی اور مالی نقصان دونوں شامل تھے) تخمینہ پیش کرتے ہوئے — عمران وغیرہ کے کارنامے کو سنہری الفاظ میں سراہتے ہوئے ان کی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

ہزائی نس کا مختصر تقریر کے بعد پرسنل سکریٹری نے عمران کو دعوت



دی کہ وہ مانگ پر آکر اُن خوفناک واقعات کے پس منظر سے نقاب کشائی کریں۔

عمران نے کھڑے ہو کر تالیوں کی گونج میں کہنا شروع کیا۔  
 ”یہ دراصل ایک مغربی ملک کی گھنٹاؤنی سازش تھی۔ جسے اس نے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے سائنسدانوں کو استعمال کیا۔ گوریلا نما عفریت سائنس دانوں ہی کا ایک کارنامہ تھی۔ اس میشن کو پانچ افراد پر مشتمل کمانڈرز کے سپرد کر دیا گیا۔ میشن کے تین حصے تھے اس ملک نے میشن کی کامیابی کیلئے بے دریغ دولت خرچ کی تھی۔ ایک پورا بحری بیڑا تیار کیا گیا تھا جن میں آبدوز، جنگی جہاز اور مال بردار جہاز شامل تھے۔ انھوں نے اپنے عزائم کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک آبدوز کو جس میں بہت بڑی لیبارٹری کے علاوہ بہت سی خصوصیات تھیں۔۔۔۔۔ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ نیچے ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کیا اس سے وہ نہ صرف گوریلا نما عفریت کو کنٹرول کرتے تھے بلکہ اُن کی کنٹرولنگ کا دائرہ شمالی ساحل پر دور دور تک پھیل گیا تھا۔ اس سازش میں گوریلا نما عفریت کو جو خالص مشینی تھا کلیدی کردار ادا کرنا تھا۔ سازش کے پہلے مرحلے میں مجرموں کا پلان یہ تھا کہ گوریلا نما عفریت کے ذریعے چولان میں خوب تباہی مچائی جائے۔ اُس کی دہشت سے پلاٹینم کی کانوں میں کام بند ہو گیا۔ مجرم بھی یہی چاہتے تھے۔ انھوں نے کام بند ہونے ہی ایک سرنگ کھودی اور کانوں کو سمندر سے ملا دیا اس طرح انھیں

کانوں سے نکالے جانے والے پلاٹینم کی سمندر کے ذریعے منتقلی میں آسانی پیدا ہو گئی۔ دوسرے مرحلے میں ملک میں وسیع پیمانے پر انتشار پھیل کر حکومت کو کمزور کر دینا تھا۔ تیسرا اور آخری مرحلہ سب سے اہم تھا جس میں حکومت پر قبضہ کرنا شامل تھا۔ اس سے اس ملک کو نام نہاد بے شمار مالی فائدے ہوتے بلکہ وہ یہاں اپنے اڈے قائم کر کے سہراب پور کے پڑوسی ملکوں کو اپنے ہنوس ملک گیری کا شکار بھی بنا سکتے تھے۔ اس ضمن میں انھوں نے تخریبی سرگرمیوں کا آغاز ایم وی سلطان کو غرق کر کے کیا۔ پلاٹینم جیسی قیمتی دولت کے حصول کے لئے اس مغربی ملک نے انتہائی بھیاں سازش تیار کی تھی، لیکن آپ لوگوں کی دعاؤں اور خدا کے فضل و کرم سے ہم نے نہ صرف اُن کی سازش کو ناکام بنا دیا ہے۔ بلکہ اُن کے مایہ ناز کمانڈرز کو سمندر کی تہ میں دفن کر دیا۔  
 عمران نے اپنی تقریر ختم کی اور تالیوں کے زبردست شور میں اس نے وہ کاغذات جو اس نے آبدوز سے حاصل کئے تھے ہڑبائی نس کو پیش کر دیئے۔

== ختم شد ==



# ایس قریشی کہ عمر آن سیریز

کے آنے والے نئے ناول

بونا جاسوس

لیڈی ٹائیگر

اپناے سمیشر

شکاری فتنہ

عمران کے یہ دلچسپ اور سنسنی خیز ناول آفسٹ کی لکھائی صاف ستھری چھپائی اور آٹھ رنگوں کے حسین ترین

سروق کے ساتھ جلد شائع ہو رہے ہیں

خط و کتابت دائرہ بھیجنے کا پتہ

ایوب ایڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ یاقوت آباد کراچی ۱۹

# ایس قریشی کی سیکرٹ سروس

آنے والے نئے اور کٹھن پر مبنی کے ایکشن سے بھرپور ناول

مشن آف مرڈر

ڈانس آف ڈیٹھ

ہارڈ سٹون

بلیک سٹریٹ

یورنیم فراڈ

ٹریپل کراس

ریڈ پاؤر

شعلے اور دھماکے

کیٹپٹن پر مبنی کے ہنگامہ خیز دس بین اور ایکشن سے بھرپور ناول

آفسٹ کی کتابت طباعت آٹھ رنگوں کے دیدہ زیب سروقہ۔ آج ہی آرڈر روانہ کیئے

خط و کتابت کا پتہ

ایوب ایڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ یاقوت آباد کراچی ۱۹